تدریسِ زبان اردو

ورچوئل یونی ورسٹی آف پاکستان

نمبرشمار	عنوان	ذیلی عنوان نمبر	صفحہ نمبر
سبق نمبر:۰۱	زبان بطور ذریعہ ابلاغ	۱۔۶	۰۴
سبق نمبر:۰۲	اردو زبان کی ابتدا	۷۔۱۲	۱۰
سبق نمبر:۰۳	اردو زبان وادب کا ارتقا	۱۳۔۱۸	۱۶
سبق نمبر:۰۴	اردو زبان کی اہمیت	۱۹۔۲۴	۲۲
سبق نمبر:۰۵	تدریسِ زبان کے اصول	۲۵۔۳۰	۲۸
سبق نمبر:۰۶	تدریسی طریقے۔۱	۳۱۔۳۶	۳۶
سبق نمبر:۰۷	تدریسی طریقے۔۲	۳۷۔۴۲	۴۳
سبق نمبر:۰۸	تدریسی طریقے ۳۔	۴۳۔۴۸	۵۱
سبق نمبر:۰۹	تدریسی طریقے ۴۔	۴۹۔۵۴	۵۹
سبق نمبر:۱۰	تدریسی معاونات ا۔	۵۵۔۶۱	۶۷
سبق نمبر:۱۱	تدریسی معاونات ۲	۶۲۔۶۷	۷۱
سبق نمبر:۱۲	بنیادی لسانی مہارتیں ۱	۶۸۔۷۳	۷۶
سبق نمبر:۱۳	بنیادی لسانی مہارتیں ۲	۷۴۔۷۹	۸۱
سبق نمبر:۱۴	بنیادی لسانی مہارتیں ۳	۸۰۔۸۵	۸۶
سبق نمبر:۱۵	تدریسِ نظمِ اردو	۸۶۔۹۱	۹۲
سبق نمبر:۱۶	تدریسِ نثرِ اردو	۹۲۔۹۷	۹۸
سبق نمبر:۱۷	تدریسِ قواعدِ اردو	۹۸۔۱۰۳	۱۰۵
سبق نمبر:۱۸	تدریسِ انشا	۱۰۴۔۱۰۹	۱۱۱
سبق نمبر:۱۹	ذخیرۂ الفاظ	۱۱۰۔۱۱۵	۱۱۸
سبق نمبر:۲۰	اردو نصاب۔ا	۱۱۶۔۱۲۱	۱۲۵
سبق نمبر:۲۱	جماعت اول ودوم کے لیے اردو نصاب کے اہداف	۱۲۲۔۱۲۷	۱۳۱
سبق نمبر:۲۲	اردو نصاب کے اہداف: جماعت سوم کے لیے	۱۲۸۔۱۳۳	۱۳۵
سبق نمبر:۲۳	اردو نصاب کے اہداف جماعت چہارم کے لیے	۱۳۴۔۱۳۹	۱۳۸
سبق نمبر:۲۴	اردو نصاب کے اہداف: جماعت پنجم کے لیے	۱۴۰۔۱۴۵	۱۴۲

سبق نمبر:۲۵	اردو نصاب کے اہداف چھٹی سے آٹھویں جماعتوں کے لیے	۱۵۱_۱۴۶	۱۴۵
سبق نمبر:۲۶	سبق کی تیاری	۱۵۷_۱۵۲	۱۴۹
سبق نمبر:۲۷	تعلیمی جائزہ اور پیمائش	۱۶۳_۱۵۸	۱۵۸
سبق نمبر:۲۸	جائزہ اور پیمائش کی مختلف صورتیں	۱۶۹_۱۶۴	۱۶۴
سبق نمبر:۲۹	جائزہ و پیمائش: باعتبار ساخت	۱۷۵_۱۷۰	۱۷۰
سبق نمبر:۳۰	جائزہ و پیمائش: باعتبار مدت	۱۸۱_۱۷۶	۱۷۷
سبق نمبر:۳۱	پرچہ کی تیاری	۱۸۷_۱۸۲	۱۸۳
سبق نمبر:۳۲	اضافی مطالعہ	۱۹۳_۱۸۸	۱۸۹
سبق نمبر:۳۳	ہم نصابی سرگرمیاں	۱۹۹_۱۹۴	۱۹۶
سبق نمبر:۳۴	معلم کے اوصاف	۲۰۵_۲۰۰	۲۰۲
سبق نمبر:۳۵	نثری اسباق کی تیاری	۲۱۱_۲۰۶	۲۰۸
سبق نمبر:۳۶	شعری اسباق کی تیاری	۲۱۷_۲۱۲	۲۱۸
سبق نمبر:۳۷	قواعدی اسباق کی تیاری	۲۲۳_۲۱۸	۲۲۸
سبق نمبر:۳۸	تدریسی معاونات	۲۲۷_۲۲۴	۲۳۷
اسباق نمبر: ۳۹ تا ۴۴	عملی صورت	۲۳۹_۲۲۸	۲۴۰
سبق نمبر:۴۵	انشائی اسباق کی تیاری	۲۴۵_۲۴۰	۲۴۱

سبق نمبر:۱۔

زبان بطور ذریعہ ابلاغ

ذیلی موضوع نمبر:۱۔

کورس کا تعارف اور اغراض ومقاصد:

اس سے قبل کہ تدریسِ زبانِ اردو کے حوالے سے باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا جائے، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کورس کے اغراض ومقاصد کیا ہیں۔اس اساسی حقیقت سے ہم سب آشنا ہیں کہ اردو ہماری قومی زبان ہے اور قومی زبان ہونے کے ناطے اسے سیکھنا اور اس کی صحت مندانہ پرورش ہمارا قومی فرض ہے۔ چنانچہ بی۔ایڈ (آنرز) میں اردو زبان کی تدریس کو ایک مکمل کورس کی جگہ دی گئی ہے۔ بی۔ایڈ (آنرز) کے طلبا کے تدریسی پس منظر کے تحت زیرِ نظر کورس کے اہم اغراض ومقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔زبان اور اردو زبان سے آگہی۔

۲۔تدریسِ زبان کے اصول اور مختلف تدریسی طریقوں سے آگہی۔

۳۔تدریسی معاونات اور بنیادی لسانی مہارتوں کا تعارف۔

۴۔نظم ونثر اور قواعد وانشا کے موثر تدریسی طریقوں سے آگہی۔

۵۔ابتدائی سطح کی جماعتوں میں نصاب سازی کے طریقوں اور مقاصد سے آگہی۔

۶۔سبقی تیاری کے خاکہ کی اہمیت اور سبقی تیاری کی خاکہ سازی کے طریقوں سے آگہی۔۔

۷۔ابتدائی سطح پر تعلیمی جائزہ اور پیمائش کے مقاصد واہمیت سے آگہی۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۔

زبان کیا ہے؟

ہم اپنے مدعا کے اظہار کے لیے جب کبھی بھی الفاظ کا سہارا لیتے ہیں تو دراصل ہم زبان ہی کی معاونت حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔یعنی الفاظ کے ذریعے ہونے والا اظہاری عمل دراصل زبان کا عمل ہوتا ہے۔جس طرح ریاضیاتی زبان کی اساس اعداد اور موسیقی کی زبان کی بنیاد سُر اور تال ہیں اسی طرح اظہارِ خیال کے لیے استعمال ہونے والے ذریعہ کی اساس الفاظ ہیں۔انہیں الفاظ کا مرتب استعمال زبان کو جنم دیتا ہے۔یوں تو مختلف ماہرینِ لسانیات نے اپنے اپنے انداز میں زبان کی تعریف کی ہے لیکن اپنی آسانی کے لیے سادہ لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ:

> ’’زبان ایک ایسا وسیلۂ اظہار ہے جس کے ذریعے ایک جاندار اپنی ذہنی کیفیت یا بات دوسرے کے ذہن میں منتقل کرتا ہے۔‘‘

دراصل ایک سے دوسرے ذہن میں معنی کا انتقال مقصود ہوتا ہے لیکن معنی کے اس انتقال کے لیے الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔یہی زبان کی

فطری اہمیت ہے۔

زبان کی تاریخ:

حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ زبان کب، کہاں اور کیسے معرضِ وجود میں آئی۔ البتہ تحریری صورت میں زبان کے نمونے پانچ ہزار سال تک کی تاریخ پر محیط ہیں۔ گویا زبان تحریری صورت میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے بھی موجود تھی لیکن اس کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ اس کا حتمی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآنِ مجید میں ربِ کائنات کا فرمان ہے کہ اس نے خود آدم کو ناموں کا علم دیا۔ گویا اسلامی نظریہ کے مطابق زبان انسان کے ساتھ ہی وجود میں آئی۔ اس حقیقت کا ادراک کرلیا جائے تو یہ سوال اہم نہیں رہتا کہ زبان کب اور کیسے وجود میں آئی۔

زبان کے عناصر:

زبان کے بنیادی عناصر میں الفاظ، معنی، ترتیبِ لفظی اور پس منظر شامل ہیں۔ یعنی ہم الفاظ کے ذریعے معنی کو وجود دیتے ہیں، ترتیبِ لفظی، الفاظ کے مختلف سانچوں کو بامعنی بنانے کی ضامن ہوتی ہے اور پس منظر معنوی پیچیدگیوں کو حل کرنے کا کام کرتا ہے۔ ان عناصر کو ذیلی علوم کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔

اول: صَرف دوم: معنیات سوم: نحو چہارم: تناظرات

صَرف:

> ''صَرف سے مراد الفاظ کی تشکیل سے آگاہ کرنے والا علم ہے۔ یعنی کوئی لفظ کب اور کس طرح معرضِ وجود میں اایا یا ہم کس طرح الفاظ سازی کرسکتے ہیں۔''

معنیات:

> ''معنی کی تفہیم اور جہانِ معنی کی مختلف پرتوں کو منکشف کرنے والا علم معنیات کہلاتا ہے۔''

یہ درست ہے کہ الفاظ کے بغیر معنی کا تصور محال ہے لیکن یہ حقیقت بھی مدِ نظر رہنی چاہیے کہ ہم معنی کی موجودگی میں ہی الفاظ گھڑتے ہیں۔ گویا معنی الفاظ سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔ معنیات ہمیں بتاتا ہے کہ معنی کے مختلف رنگ کیا ہیں اور معنی کتنی قسم کے ہوسکتے ہیں۔

نحو:

> ''نحو جملہ سازی کا علم ہے۔ یعنی علمِ نحو ہمیں بتاتا ہے کہ الفاظ کے مختلف گروہوں کی کس ترتیب سے ہم کس طرح جملہ بناسکتے ہیں۔ یعنی اسم، فعل اور حرف کی کیا ترتیب ہوگی وغیرہ۔''

تناظرات:

> ''تناظرات کا علم بتاتا ہے کہ کس طرح الفاظ اور ترتیبِ لفظی کے پس منظر میں موجود حقائق، معنی کو متاثر کرتے ہیں۔''

یعنی معنی کی کشید محض الفاظ یا ترتیبِ لفظی کی محتاج نہیں، یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ الفاظ کا پس منظر کیا ہے۔ پس منظر پر غور کرنے والا علم تناظرات کہلاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۳۔

زبان بطور موثر ترین ذریعہ ابلاغ:

ابلاغ کے معنی ہیں ''پہنچا دینا''یعنی اپنی بات، خیال یا پیغام کو دوسرے تک پہنچا دینے کا عمل ابلاغ کہلاتا ہے۔ ہم ابلاغی عمل کے لیے مختلف ابلاغی ذرائع کا استعمال کرتے ہیں۔ ان ذرائع میں اشارے اور علامات، چہرے کے تاثرات، جسمانی حرکات وسکنات اور زبان شامل ہیں۔

اشارے اور علامات:

ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے مختلف اشاروں اور علامات کا سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً ٹریفک سیگنلوں پر مختلف رنگوں کے برقی قمقموں سے مختلف مطالب لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح مختلف رنگوں کو مختلف معانی کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ذریعۂ ابلاغ دورِ قدیم سے استعمال ہو رہا ہے لیکن اس کے ذریعے ہونے والا ابلاغ بہت محدود ہوتا ہے۔ یعنی ہم اس ذریعے سے چند اشارے کر سکتے ہیں یا کسی کو متنبہ کر سکتے ہیں۔ احساسات وکیفیات کا جامع اظہار اس ابلاغی ذریعے سے ممکن نہیں۔

چہرے کے تاثرات:

ہمارے چہرے کے تاثرات بھی ہمارے دل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یعنی کچھ کہے سنے بغیر بھی اپنے چہرے کے تاثرات کے ذریعے ابلاغی عمل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس ذریعہ میں بھی نہ صرف ابلاغی عمل محدود رہتا ہے بلکہ غلط فہمی کا امکان بھی بدرجہ اتم موجود رہتا ہے۔

جسمانی حرکات وسکنات:

چہرے کے تاثرات کی ایک توسیعی صورت جسمانی حرکات وسکنات ہیں۔ ہم اپنے جسم کی مختلف حرکات سے بھی ابلاغی عمل مکمل کرتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب انسان زبانی عمل کے حوالے سے زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہوا تھا تب چہرے کے تاثرات اور جسمانی حرکات وسکنات ہی ابلاغ کا موثر ذریعہ ہوتے تھے۔

زبان:

بلا مبالغہ زبان کو موثر ترین ذریعہ ابلاغ تصور کیا جاتا ہے۔ اشاروں اور علامات سے ابتدائی اطلاع تو دی جا سکتی ہے لیکن کسی شے کے فوائد و نقصانات، خصوصیات اور صفات، یعنی وضاحتی نوعیت کی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ یہی معاملہ چہرے کے تاثرات اور جسمانی حرکات وسکنات کے ساتھ بھی ہے۔ تبادلۂ خیال، اور وضاحتی اظہار کے لیے زبان ہی کام آتی ہے۔ مزید یہ کہ زبان سے وسیع پیمانے پر ابلاغ ممکن ہے۔ نیز زبان کی تحریری صورت حقائق اور معلومات کے محفوظ کرنے کے کام آتی ہے۔ یہ خصوصیت بھی کسی دوسرے ذریعے ابلاغ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ان خصوصیات کی بنا پر زبان کو موثر ترین ذریعہ ابلاغ تصور کیا جاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۔

زبان کی سماجی اور ثقافتی اہمیت:

ایک ساتھ رہنے والے مختلف کنبے، قبائل اور گروہ ایک معاشرہ تشکیل کرتے ہیں۔طویل عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے، خوشیاں منانے اور مشکلات برداشت کرنے کے نتیجے میں ایک معاشرے کے افراد کا مزاج، سوچنے کا انداز اور رہن سہن کے طریقوں میں بھی یکسانیت آجاتی ہے۔یہی یکسانیت ایک نئی ثقافت کو جنم دیتی ہے۔کسی بھی معاشرے کی لوک داستانیں، روایات، شادی بیاہ کی رسمیں اور تہوار وغیرہ مل کر اس معاشرے کی ثقافت ترتیب دیتے ہیں۔ بات معاشرت کی ہو یا ثقافت کی، زبان دونوں حوالوں سے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

زبان کی معاشرتی اہمیت:

چونکہ ایک دوسرے سے تبادلہ خیال اور روزمرہ اختلاط کے لیے زبان کا ایک ہونا ضروری ہے اس لیے معاشرتی تشکیل میں زبان کی اہمیت اساسی نوعیت کی ہے۔اس وقت تک کوئی معاشرہ وجود میں ہی نہیں آسکتا جب تک اس کے افراد ایک دوسرے کی زبان سے آشنائی نہ رکھتے ہوں۔اسی طرح بیرونی معاشرتوں میں جا کر بھی ہم اس وقت تک وہاں کامیابی سے اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتے جب تک ہم وہاں کی زبان نہ سیکھ لیں۔ وہ لوگ جو مختلف پیشہ وارانہ معاملات کے باعث بیرونی معاشرتوں میں جاتے ہیں، سب سے پہلے وہاں کی زبان سیکھتے ہیں۔ گویا معاشرتی تشکیل سے دوسری معاشرتوں میں اپنے لیے سازگار فضا تشکیل دینے تک کے عمل میں زبان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

زبان کی ثقافتی اہمیت:

جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی کہ ایک معاشرے کی روایات، خوشی اور غمی کی رسمیں اور مختلف تہوار اس معاشرے کے ثقافتی تشخص کے علمبردار ہوتے ہیں۔ ہر طرح کا ثقافتی ورثہ یا سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو منتقل ہوتا ہے یا تحریری سرمائے کی بدولت۔دونوں صورتوں میں زندہ زبان ہی ثقافت کو زندہ رکھ پاتی ہے۔وہ ثقافتی سرمایہ جو تحریری صورت میں محفوظ نہ ہو، زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ پاتا۔اسی طرح اگر کسی معاشرت کی زبان کمزور پڑ جائے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ثقافت بھی دم توڑ جاتی ہے۔پس ثقافتی زندگی کا بڑا دارومدار زبان کی زندگی پر ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۔

زبان تہذیب کی محافظ:

کسی معاشرے کے افکار ونظریات، عقائد، مزاج، جذبات واحساسات، رہن سہن، رسم ورواج، روایات اور ادب وفن مل کر اس معاشرے کی تہذیب ترتیب دیتے ہیں۔لفظ ''تہذیب'' عربی لفظ ''ذَہَبَ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی رہن سہن کے ہیں۔ گویا کسی معاشرے کا رہن سہن اس کی تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

زبان اور تہذیب کا تعلق:

زبان اور تہذیب ایک دوسرے کے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتے۔ اگر کسی معاشرے کی زبان کمزور پڑ جائے تو رفتہ رفتہ اس کی تہذیب

بھی دم توڑنے لگتی ہے۔ اسی طرح تہذیب کا زوال بالآخر زبان کو بھی لے بیٹھتا ہے۔ چونکہ صحت مند رہن سہن کے لیے مضبوط زبان ہونا ضروری ہے اس لیے زبان کو تہذیب کی محافظ قرار دیا جاتا ہے۔ زبان دو طرح سے تہذیب کی حفاظت کرتی ہے۔ اول: ادب و فن محفوظ کر کے اور دوم: علمی سرمایہ کی حفاظت کر کے۔

زبان اور ادب و فن:

ادب، تحریری و تقریری ہر دو صورتوں میں تہذیبی سرمائے محفوظ رکھتا ہے۔ اردو ادب کی معروف داستانیں باغ و بہار اور فسانۂ عجائب جہاں اپنے خاص اسلوب کے باعث شہرت کی بلندیوں کو پہنچیں وہیں ان کی عظمت کا ایک بڑا راز یہ تھا کہ باغ و بہار دہلوی تہذیب کی آئینہ دار تھی جبکہ فسانۂ عجائب لکھنوی تہذیب کی ترجمان۔ یہ معاملہ محض اردو ادب کے ساتھ نہیں بلکہ ہر زبان کا ادب اپنی تہذیبوں محفوظ رکھنے کا ضامن ہوتا ہے۔ آج یونانی تہذیب اسی لیے کمزور پڑتی جا رہی ہے کہ اس کا بہت سا تہذیبی سرمایہ جو اس کے ادب پاروں میں محفوظ تھا زبان کے زوال کے باعث فراموش ہو چکا ہے۔

زبان اور علمی سرمایہ:

ادب کی طرح دیگر علوم و فنون کا بھی یہی حال ہے۔ وہی علوم زندہ رہ پاتے ہیں جن کی زبان زندہ ہوتی ہے۔ دورِ حاضر میں آثارِ قدیمہ کے ماہرین عراق، مصر، موہنجوداڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا جیسی قدیم تہذیبوں پر تحقیق کر رہے ہیں لیکن ان کی بہت سی تحقیقات صرف اس لیے نامکمل رہ جاتی ہیں کہ ہزاروں سال قبل تعمیر ہونے والی دیواروں پر موجود تحریریں آج کسی کے لیے قابلِ قرات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں تاریخی سرمائے کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے لیکن ان کی تفہیم ممکن نہیں۔ یہی ماجرا قدیم سکّوں کا بھی ہے۔ نیز وہ کتابیں جو اس دور میں مختلف علوم پر لکھی گئیں، بھی اسی لیے خاموش ہیں کہ ہم ان کی زبان نہیں جانتے۔

انہیں اسباب کے باعث زبان کو تہذیب کی محافظ کہا جاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۔

زبان کی تعلیمی اہمیت:

تعلیمی عمل میں زبان کی اہمیت کا بنیادی حوالہ یہی ہے کہ زبان کی عدم موجودگی میں یہ تصور کرنا محال ہے کہ تعلیمی عمل شروع بھی ہو جائے۔ جب تعلیمی عمل کا آغاز ہی زبان کا رہینِ احسان ہے تو بقیہ امور میں بھی زبان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

سلسلۂ تعلم اور زبان:

سلسلۂ تعلم سے مراد تعلیم کا وہ مرحلہ ہے جس میں معلم اپنا علم طلبا کی طرف منتقل کرتا ہے۔ اس عمل میں زبان کی اہمیت یہ ہے کہ اگر معلم اور متعلم ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھ پائیں تو عملاً سلسلۂ تعلم شروع ہی نہ ہو سکے۔ ایسے میں تعلیمی عمل جاری ہونے اور بہتر ہونے کے سوالات ہی بے معنی ہو جاتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم اور زبان:

ابتدائی سطح پر زبان کی اہمیت اس امر سے واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدائی سطح پر دراصل سب سے زیادہ زور ہی زبان پر دیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سننے، بولنے، پڑھنے اور لکھنے جیسی تمام مہارتیں دراصل لسانی مہارتیں ہیں اور ان مہارتوں پر ابتدائی سطح پر دیگر تمام مضامین کے مقابلے میں زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی سطح پر زبان کا کردار ناقابلِ فراموش بن جاتا ہے۔

ثانوی تعلیم اور زبان:

ثانوی سطح کی تعلیم میں زبان کی اہمیت اس حوالے سے مسلمہ ہے کہ بنیادی لسانی مہارتوں کی تحصیل کے بعد ثانوی سطح پر اظہار میں وسعت آنے لگتی ہے۔ اب حروف اور الفاظ سازی پر عبور کافی نہیں رہتا۔ لکھائی کی مہارتوں میں درخواست نویسی، خطوط نویسی، مکالمہ نویسی، مضمون نویسی اور کہانی نگاری جیسی مہارتیں زبان میں وسیع دسترس کا تقاضا کرتی ہیں۔

پڑھنے کی مہارت کے حوالے سے اسباق کا وسیع ہونا قرات کی مزید مہارت کا متقاضی ہوتا ہے اور بولنے کے حوالے سے بھی محض اپنا تعارف کافی نہیں رہتا۔ توقع کی جاتی ہے کہ ثانوی سطح کا طالب علم مختلف موضوعات پر قدرے تفصیلی اور مدلل گفتگو کر سکے۔ اس عمل کے لیے وسیع ذخیرۂ الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اعلیٰ سطحی تعلیم اور زبان:

کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر بالعموم زبان کے مضامین پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ طلبا عموماً اپنے اختیار کردہ مضامین اور میدانوں کے حوالے سے سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ سطح پر زبان کی اہمیت کسی بھی دوسرے درجہ سے زیادہ اس لیے ہو جاتی ہے کہ خواہ مضمون کوئی بھی ہو، بہرحال اظہار کے لیے زبان کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ کوئی استاد موثر بولنے کی صلاحیت کے بغیر معیاری معلم ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ کوئی طالب علم تحریر و تقریر کی مہارت کے بغیر اپنی بات پُر تاثیر انداز میں بیان کر سکتا ہے۔ اعلیٰ سطح پر ہمیں تجزیہ و تقابل اور تحقیق و تنقید کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ وسیع ذخیرۂ الفاظ اور موثر اظہار کے بغیر کسی بھی میدان میں نمایاں کامیابی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

سبق نمبر:۲۔

اردو زبان کی ابتدا

ذیلی موضوع نمبر:۷۔

تاریخی ولسانی پس منظر:

اردو زبان جسے آج دنیا کی پہلی تین بڑی بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے آج سے تین چار سو سال قبل موجود ہونے کے باوجود اپنی شناخت نہیں رکھتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کی ترویج میں کسی نہ کسی طور مسلمانوں کا حصہ نا قابلِ فراموش ہے لیکن اردو اپنی بدوی صورت میں اہلِ اسلام سے قبل بھی برِصغیر میں مختلف بولیوں کی صورت میں بولی جاتی تھی۔

تاریخی پس منظر:

مسلمان، برِصغیر میں تین اطراف سے آئے۔ عربوں اور اہلِ ہند کے تجارتی تعلقات محمد بن قاسم کی فتحِ سندھ سے قبل کم وبیش ۶۲۲ء سے قائم ہو چکے تھے۔ یہ تجارتی تعلق جنوبی ہند میں دکن میں مالابار کے ساحلوں پر قائم ہوئے۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم سندھ کے راستے بطور فاتح، ہندوستان میں وارد ہوا اور اس کے فوجی ملتان تک پہنچے۔ ان میں سے بہت سوں نے بعد ازاں برِصغیر میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ برِصغیر میں آنے والے سب سے زیادہ مسلمان فاتحین شمالی ہند یعنی موجودہ پشاور اور بلوچستان کی پختون پٹی کے راستے آئے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جنوبی ہند اور سندھ سے آنے والے مسلمان اپنے ساتھ عربی زبان کے اثرات لائے اور شمالی ہند سے آنے والے مسلمانوں کے ساتھ فارسی اثرات برِصغیر تک پہنچے اور یہ لسانی میل جول ساتویں صدی سے بارہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ بارہویں صدی کے آخر میں غوریوں کے مستقل حملوں اور قطب الدین کی حکومت ۱۲۰۶ء سے ہندوستان پر باقاعدہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی جو بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی ۱۸۵۷ء تک قائم رہی۔ اردو کے نقوش اسی دور میں ابھر کر سامنے آئے۔

لسانی پس منظر:

لسانی اعتبار سے بات کی جائے تو ہندوستان شروع سے متنوع بولیوں اور زبانوں کا مرکز رہا ہے۔ وہ زبان جو بعد ازاں بالخصوص فارسی اور عربی کے اثرات قبول کر کے اردو کا منبع بنی، دراصل مختلف ناموں سے ہند کے مختلف حصوں میں بولی جاتی تھی۔ کم وبیش اڑھائی ہزار سال قبل سکندرِ اعظم کی آمد کے وقت پوٹھوہاری خطّے میں بولی جانے والی 'ہندکی' جو بعد ازاں 'ہندکو' کہلائی، تھوڑے سے فرق سے دہلی میں 'دہلوی' اور گجرات میں 'گجری یا گوجری' کہلاتی تھی۔ یہی بولی کچھ مزید فرق سے دکن میں پہنچ کر 'دکھنی' کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ اردو کے نقوش ابھرنے لگے تو یہی مقامی بولیاں فارسی کے اثرات سمیٹ کر ریختہ اور پھر اُردوے معلّیٰ کہلانے لگی۔ یہ طے کرنا بہت مشکل ہے کہ موجودہ اردو کے لیے لفظ 'اردو' پہلی بار کب استعمال ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موجودہ نام ملنے سے بہت پہلے اردو اپنا جداگانہ تشخص قائم کر چکی تھی۔ لفظ 'اردو' بمعنی 'زبان' استعمال ہونے سے قبل بمعنی 'لشکر'، 'لشکر گاہ' اور 'بازار' مستعمل ہو چکا تھا۔ محققین کی تحقیقات کے مطابق لفظ 'اردو' بمعنی زبان سب سے پہلے معروف شاعر غلام ہمدانی مصحفی نے کم وبیش ۱۷۸۱ء میں استعمال کیا۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے

محققین مصحفی کے درج ذیل شعر کا حوالہ دیتے ہیں:

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میرو مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

منقولہ شعر بذاتِ خود اس امر پر دال ہے کہ 'اردو' کا نام پانے سے قبل بھی اردو زبان میں ادبی کاوشوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۔

اردو کی پیدائش کے متعلق ابتدائی آرا:

اردو زبان کے متعلق تحقیقی ولسانی بنیادوں پر نظریہ سازی کا آغاز بیسویں صدی کی دین ہے۔ البتہ اردو ادیبوں اور ابتدائی محققین کے بیانات میں اردو کے آغاز کے متعلق ابتدائی آرا مل جاتی ہیں۔

ا۔میر امن دہلوی ''باغ و بہار'':

فورٹ ولیم کالج کے تحت میر امن دہلوی نے معروف فارسی داستان 'قصہ چہار درویش'' کا 'باغ و بہار' کے عنوان سے اردو ترجمہ کیا تو اس کے دیباچہ میں اردو کی پیدائش کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا:

''جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں ملکوں سے قوم، قدردانی اور فیض رسانی، اس خاندانِ لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدا جدا تھی۔ اکٹھے ہونے سے، آپس میں لین دین کرتے، سودا سلف، سوال و جواب کرتے، ایک زبان اردو مقرر ہوئی۔''

میر امن کی منقولہ رائے اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اردو نے سولہویں صدی کے نصف آخر میں ظہور پکڑا۔

۲۔سر سید احمد خان ''آثار الصنادید'':

میر امن دہلوی کے بعد سرسید احمد خان نے دہلی کی تاریخی عمارتوں پر ''آثار الصنادید' کے نام سے کتاب لکھی تو اردو کے آغاز و ارتقا پر بھی قلم اٹھایا۔ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا:

''جبکہ شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ ہوا، اس وقت شہر میں تمام ملکوں کے لوگوں کا مجمع ہوا۔۔۔ جب آپس میں معاملہ کرتے، ناچار ایک لفظ اپنی زبان کا، دو لفظ اس کی زبان کے، تین لفظ دوسرے کی زبان کے ملا کر بولتے اور سودا سلف لیتے۔ رفتہ رفتہ اس زبان نے ایسی ترکیب پائی کہ خود بخود ایک نئی زبان ہو گئی۔''

سرسید کا یہ بیان اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ سترہویں صدی کے ربع دوم میں شہاب الدین شاہ جہاں کی آمد پر دلّی میں جمع ہونے والے اجتماع کے نتیجے میں روزمرہ ضروریات کی تکمیل کی خاطر ہونے والے تبادلۂ خیال کے لیے وجود میں آنے والی زبان رفتہ رفتہ اردو کی صورت اختیار کر گئی۔

محمد حسین آزاد ''آبِ حیات'':

مولانا محمد حسین آزاد نے شعرائے اردو کا جدید تذکرہ مرتب کیا تو انہوں نے بھی اپنی تصنیف کے آغاز میں اردو زبان کی پیدائش پر اظہارِ خیال کیا اور کہا:

> ''ایک دن میں اسی خیال میں تھا۔۔۔کہ کس طرح اردو نے ظہور پکڑا۔۔۔تعجب ہوا کہ ایک بچہ شاہ جہانی بازار میں پھرتا ملے۔شعراا سے اٹھالیں اور ملکِ سخن میں پال کر پرورش کریں۔انجام کو نوبت یہاں تک پہنچے کہ وہی ملک کی تصنیف و تالیف پر قابض ہو جائے۔''

آزاد کا مذکورہ بیان بھی سر سید کے منقولہ بالا بیان سے مماثلت رکھتا ہے۔گویا شاہ جہانی بازار میں چلتی پھرتی اردو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ صورت اختیار کر گئی۔منقولہ بالا تمام بیانات درست ہوتے ہوئے بھی مکمل نہیں ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اکبر اور شاہ جہاں کے عہد میں اپنے نقوش پکڑنے والی اردو زبان پیدا کہاں اور کب ہوئی؟ اس سوال کا جواب دینے کی کوشش بعد کے ادبی اور لسانی محققین نے کی اور بیسویں صدی میں اردو کی پیدائش کے حوالے سے درجنوں نظریات معرضِ اشاعت میں آئے۔ان میں سے چند اہم نظریات کا اجمالی جائزہ ذیلی سطور میں لیا گیا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۔

نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو:

بیسویں صدی میں اردو کی پیدائش کے حوالے سے باقاعدہ تحقیقات کا آغاز ہوا تو نصیر الدین ہاشمی نے سب سے پہلے اپنے تحقیقی مقالہ باعنوان ''دکن میں اردو" میں دعویٰ کیا کہ اردو کی ولادت جنوبی ہند یعنی دکن میں ہوئی۔انہوں نے اپنے دعویٰ کی بنیاد عربوں کے اہلِ ہند سے تعلقات کو قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ عربوں کے تعلقات سب سے پہلے دکن میں مالابار کے ساحلوں پر آنے والے عربوں کے ذریعے استوار ہوئے۔محمد بن قاسم کی فتحِ سندھ سے کہیں پہلے ساتویں صدی کے ربع اول میں عرب تجارتی اغراض سے مالابار کے ساحلوں پر آنے لگے تھے۔نصیر الدین ہاشمی نے اس بنیاد پر دعویٰ کیا کہ اردو دراصل اس مخلوط زبان کی ترقی یافتہ شکل ہے جس میں عرب اور دکنی تاجر آپس میں گفتگو کرتے تھے۔

یہ درست ہے کہ عربوں کے تجارتی تعلقات اہلِ ہند سے سب سے پہلے اسی راستے سے استوار ہوئے لیکن دکنی زبان دراوڑی خاندان سے ہے اور عربی سامی النسل زبان ہے۔جبکہ اردو کو آریائی خاندان سے منسوب کیا جاتا ہے۔اس لیے یہ تو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اس تعلق سے چند الفاظ کا تبادلہ تو ہوا ہوگا تاہم صرف اس تجارتی تعلق سے کسی نئی زبان کی پیدائش کا نظریہ مبنی بر حقیقت محسوس نہیں ہوتا۔اگر اس دعویٰ کو مان لیا جائے تو اردو پر عربی زبان کے اثرات دیگر زبانوں سے زیادہ ہونے چاہیے تھے۔جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کسی بھی دوسری زبان کے مقابلے میں فارسی اور پنجابی سے متاثر ہے۔چنانچہ نصیر الدین کا دعویٰ اردو کے ارتقا کے حوالے سے تو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے،اردو کی ابتدا کے تناظر میں یہ نظریہ درست نہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۔

حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو:

نصیر الدین ہاشمی کے مذکورہ نظریہ کے پانچ سال بعد ۱۹۲۸ء میں حافظ محمود شیرانی نے تاریخی اور لسانی بنیادوں پر یہ ثابت کیا کہ اردو کا مولد دراصل پنجاب ہے۔ اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں انہوں نے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے تاریخی اور لسانی حوالہ جات دیے۔

تاریخی پہلو:

تاریخی حوالے سے اپنے دعوہ کو ثابت کرنے کے لیے حافظ صاحب نے کہا کہ اگر اردو کی پیدائش کو مسلمانوں اور اہلِ ہند کے آپسی تعلقات سے موسوم قرار دینا طے ہے، تو یاد رکھنا چاہیے کہ سب سے زیادہ حملہ آور شمالی ہند سے آئے اور پنجاب سے ہوتے ہوئے وسطی اور جنوبی ہند تک پہنچے۔ چنانچہ اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شمالی ہند سے وسطی ہند تک پہنچتے پہنچتے کوئی مخلوط زبان ضرور اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے جس میں وہ آپس میں گفتگو کرتے ہوں گے۔ تاریخی حوالے سے اپنے دعویٰ کی حمایت میں حافظ محمود شیرانی نے کہا:

> ''اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے۔ اور چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے دہلی جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں۔''

حافظ صاحب کا یہ دعویٰ اس لیے درست معلوم ہوتا ہے کہ محمود غزنوی پنجاب کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا۔ ایک ہزار عیسوی میں ہونے والے ان حملوں کے نتیجے میں غزنی خاندان نے اپنے گورنر لاہور میں تعینات کیے۔ اس کے بعد مختلف حملہ آور اسی راستے سے برِ صغیر میں وارد ہوتے رہے۔ بالآخر ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے دہلی میں باقاعدہ مسلمان حکومت کی بنیاد ڈالی۔ دو سو چھ سال کے اس طویل عرصے میں پنجاب میں مسلمانوں اور اہلِ پنجاب کے درمیان رابطے کی کوئی تو مخلوط زبان ہو گی جو دہلی پہنچتے پہنچتے جدید صورت اختیار کر گئی۔

لسانی پہلو:

اپنے دعویٰ کی حمایت میں لسانی حوالے سے بات کرتے ہوئے حافظ شیرانی نے کہا:

''اس میں شک نہیں کہ اردو اور پنجابی میں ہندوستان کی دیگر زبانوں کے مقابلہ میں قریب ترین مماثلت ہے۔ ان کی صرف و نحو اور اہم قواعد و مسائل میں باہم مطابقت ہے اور ساٹھ فی صدی سے زیادہ الفاظ ان میں مشترک ہیں۔''

پنجابی اور اردو کا موازنہ کیا جائے تو حافظ شیرانی کا مذکورہ نظریہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ اردو اور پنجابی کی صرفی ترکیب سازی اور نحوی ساخت میں بلا کی مماثلت پائی جاتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۱۔

سید سلیمان ندوی: سندھ میں اردو:

۱۹۳۹ء میں سید سلیمان ندوی نے ''نقوشِ سلیمانی'' کے عنوان سے اپنے تحقیقی مقالات کا ایک مجموعہ شائع کیا جس کے چند مقالات میں

انہوں نے اردو کی پیدائش پر بھی کلام کیا۔ ندوی صاحب نے دعویٰ کیا کہ اردو دکن یا پنجاب سے نہیں سندھ سے ہے۔ ان کے دعویٰ کی بنیاد محمد بن قاسم کی فتحِ سندھ ۱۲ ۷ ء ہے۔ اس بنیاد پر انہوں نے کہا:

''قرینِ قیاس یہی ہے کہ جسے ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ہیولہ وادیِ سندھ میں تیار ہوا ہوگا''

تاہم اپنے ایک اور مضمون میں ندوی صاحب نے اپنے ہی دعویٰ کو یہ کہتے ہوئے کمزور کر دیا:

''یہ (اردو) مخلوط زبان سندھ، گجرات، اودھ، دکن، پنجاب اور بنگال، ہر جگہ کی صوبہ وار زبانوں سے مل کر ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی۔

ظاہر ہے اگر ان کے آخر الذکر بیان کو درست مان لیا جائے تو ان کا اول الذکر دعویٰ از خود زائل ہو جاتا ہے۔ اسی تصادم کے باعث سید سلیمان ندوی کی لسانی تحقیقات عدم توجہی کا شکار ہو گئیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۲۔

اردو کی پیدائش کے متعلق لسانی نظریات:

اب تک کے بیان کردہ نظریات میں اردو کو کسی نہ کسی علاقے سے منسوب کیا گیا۔ جدید لسانیات دانوں نے دعویٰ کیا کہ ضروری نہیں کہ زبان کسی خاص علاقے میں جنم لے۔ زبانیں، زبانوں کے بطن سے جنم لیتی ہیں۔ اسی لیے اردو کی پیدائش پر بات کرتے ہوئے علاقائی مباحث کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ اردو نے کس زبان کے بطن سے جنم لیا۔ ایسے جدید لسانی نظریہ سازوں میں ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا نام نمایاں ہے۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری: ''اردو زبان کا ارتقا'':

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے ''اردو زبان کا ارتقا'' میں دعویٰ کیا کہ:

''قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ (اردو) میرٹھ اور اس کے نواح ہمیں بولی جاتی تھی۔ پالی اس کی ترقی یافتہ اور معیاری شکل ہے۔۔۔ اردو اور پالی کا منبع ایک ہے۔''

قطع نظر اس امر سے کہ اردو اور پالی زبانوں کا منبع ایک ہے یا نہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میرٹھ کے نواح میں بولی جانے والی زبان اور موجودہ اردو میں صرفی و نحوی مماثلت نظر آتی ہے۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ اردو میرٹھ کے نواح میں بولی جانے والی اس بولی سے قریب تر ضرور ہے جو بذاتِ خود پنجابی سے قریبی مماثلت رکھتی ہے۔ اس اعتبار سے حافظ شیرانی کے نظریہ کو تقویت ملتی ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں: ''مقدمہ تاریخِ زبانِ اردو'':

شوکت سبزواری کی طرح ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے بھی اردو زبان کو کم و بیش دہلی اور اس کے گرد و نواح میں بولی جانے والی بولیوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالہ سے انہوں نے کہا:

''مسلمانوں کی فتحِ دہلی سے قبل زبان کا جو کینڈا تھا وہ نہ تو برج بھاشا ہے نہ کھڑی بولی، بلکہ اس عہد کی قدیم اپ بھرنش،

روایات میں جکڑی ہوئی زبان ہے جس پر راجستھانی کا اثر نمایاں ہے۔''

ڈاکٹر مسعود راجستھانی اثرات کی حامل جس اپ بھرنش (ایک مقامی بولی) کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ بھی اول تو دہلی کے گردونواح میں بولی جاتی تھی اور دوم چونکہ راجستھانی پر بذاتِ خود پنجابی کے اثرات نمایاں ہیں اس لیے اس مبینہ بولی پر بھی یہی اثرات ہوں گے۔ بہرحال جدید لسانیات دانوں کے لسانی نظریات بھی ایک تو علاقایت سے بے بہرہ نہ ہو سکے اور دوسرا کسی نہ کسی طور ان نظریات میں پنجابی یا اس سے متاثرہ زبانوں کی چھاپ نظر آتی ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک منظرِ عام پر آنے والے تمام نظریات میں حافظ محمود شیرانی کے نظریہ کو فوقیت حاصل ہے۔

سبق نمبر:۳۔

اردو زبان وادب کا ارتقا

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۔

اردو کا ابتدائی دور:

اردو کو خالصتاً برِصغیر کی زبان کہا جائے یا بیرونی حملہ آوروں کی فتوحات کا ثمرہ، اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے فروغ اور جداگانہ تشخص کی تشکیل میں مسلمانوں کا حصہ ناقابلِ فراموش ہے۔ اردو زبان وادب پر فارسی اور عربی کے اثرات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اہلِ اسلام کے انہیں اثرات کا شاخسانہ تھا کہ انیسویں صدی کے نصف آخر سے ہندو اردو کو مسلمانوں کی نمائندہ زبان تصور کرنے لگے تھے۔

اردو زبان کے ارتقا پر طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے بطور خاص اردو زبان کو اپنایا۔ اس سلسلہ میں ان صوفیا اکرام کی کاوشیں فی الحقیقت قابلِ ستائش ہیں جنہوں نے اپنی تعلیمات کے پھیلاو اور تبلیغِ اسلام کے لیے اردو کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو سب سے پہلے ان صوفیا کرام کی خانقاہوں ہی میں پروان چڑھتی ہے۔ اردو زبان کے پہلے شاعر حضرت امیر خسروؒ بھی ایک صوفیِ کامل تھے۔ انہوں نے اپنے عارفانہ کلام کے لیے اردو ہی کو چنا۔ اسی طرح اردو کے پہلے نثر نگار دکن کے معروف صوفی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ ہیں۔ ان کا مذہبی رسالہ ''معراج العاشقین'' اردو کی پہلی نثری تصنیف ہے۔ ۱۴۹۶ء میں شمس العشاق شاہ میراں جی کا رسالہ ''خوب ترنگ'' بھی ایک ایسی ہی مثال ہے۔ اسی طرح شیخ عین الدین گنج العلم کے تین مذہبی رسالے بھی ابتدائی اردو نثر کی مثالیں ہیں۔ گویا اردو زبان کو سب سے پہلے صوفیا کرام نے فضیلت بخشی اور مقامی لب ولہجہ اور زبان کا کینڈا صوفیا اکرام کی تعلیمات کے نتیجہ میں مشرف با اسلام ہوا تو اردو کا روپ دھار گیا۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۴۔

اردو زبان وادب سترہویں صدی میں:

آج سے چار ساڑھے چار سو سال قبل کے اردو زبان وادب کے نمونوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان پر اردو یت کا گمان کم ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ سولہویں اور سترہویں صدی کے سرمایۂ اردو کی اہمیت اب محض تاریخی نوعیت کی ہی رہ گئی ہے۔ قدیم الفاظ اور غیر مانوس املائی طریق کے باعث ان نمونوں میں آج کے قاری کو کوئی تاثیر نظر نہیں آتی۔ اس کے باوجود اردو زبان وادب کے ارتقائی عمل سے آشنائی کے لیے ان نمونوں سے تعارفی آشنائی ضروری ہے۔

دکن کی شعری روایت:

اردو کے شعری ادب کا سب سے پہلا مرکز دکن ہے۔ وہاں کی دو اہم ریاستوں، گولکنڈا اور بیجا پور میں سب سے پہلے اردو کو پنپنے کا موقع ملا۔ دراصل سولہویں صدی کے نصف آخر اور سترہویں صدی کے آغاز میں گولکنڈا میں قطب شاہی اور بیجا پور میں عادل شاہی خاندانوں کی

حکومت تھی اوران کے فرمانروابذاتِ خودشاعر تھے۔ چنانچہ دربار میں شعرا کواہم مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دکن شعری روایت کا سب سے پہلامرکزبن کرابھرا۔اس دور کے اہم شعرامیں غواصی،نصرتی،کمال خاں رستمی، نظامی، مقیمی اور مشتاقی جیسے شعرا کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ان شعرا کے سامنے اردوشاعری کا کوئی مروجہ نمونہ نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے فارسی شعری روایت کے اتباع میں مقامی الفاظ کی گھلاوٹ سے نیا اسلوب اور آہنگ ایجاد کیا۔شعری روایت میں اس دور کا سب سے بڑا نام قلی قطب شاہ (متوفی ۱۶۱۱ئ) ہے۔ جسے اپنی زودگوئی اور تخلیقی طبع کی بدولت اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

نثری میدان میں اس دور کے واحد ادبی نثر نگار ملا وجہی کا نام آتا ہے۔ وجہی ایک قادرالکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ اسلوب نثر نگار بھی ثابت ہوا۔اس نے ۱۶۳۵ء میں فارسی داستان گوفتاحی نیشاپوری کی داستان ''دستور العشاق'' کے خلاصہ ''قصۂ حسن و دل'' کو ''سب رس'' کے نام سے اردو میں ڈھالا۔ وجہی کا مترجمہ متن آج کے قاری کو بالکل اجنبی معلوم ہوتا ہے۔لیکن یہی اجنبی اسلوب اپنے دور کی نہایت تخلیقی مثال تھی۔ المختصر، سترہویں صدی میں اردوادبی اعتبار سے اپنی جداگانہ حیثیت اختیار کرنے لگا اوراس سلسلہ میں سب سے پہلے دکن نے اسے سہارا دیا۔اسی لیے دکن کواردو کی ادبی روایت میں اولین مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۔

اردوشاعری کا عہدِ زرّیں (میر وسودا کا دور)

اردوشاعری دکن سے نکل کرولی دکنی اورسراج اورنگ آبادی جیسے شعرا کی بدولت اٹھارہویں صدی کے ساتھ دہلی پہنچی۔اٹھارہویں صدی کی پہلی دہائی میں ولی دکنی نے دہلی کا دورہ کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کی عشقیہ شاعری دہلی کی گلی گلی میں گونجنے لگی۔ دوسری طرف سراج اورنگ آبادی نے اپنے انداز میں اردوشاعری کو آگے بڑھایا یوں دکن میں پروان چڑھنے والی شاعری اٹھارہویں صدی تک شمالی ہند پہنچ گئی۔

ولی اوراورنگ آبادی کے بعداردوشاعری پرکم وبیش پندرہ،بیس سال تک ایہام کا رنگ غالب رہا۔یعنی اردوشعرانے شعوری طور پرایسی شاعری کی جس میں ایک سے زائد معنی نکالے جاسکیں۔ نیز ایسا اسلوب اختیار کیا گیا جومعنوی گہرائی سے زیادہ لفظی بازی گری کا نمونہ تھا۔ مرزامظہرجانِ جاناں اور حاتم جیسے شعرانے اس منفی رجحان کے خلاف آواز اٹھائی اوراردوشاعری کی اصلاح کی۔اُن کی اِن کاوشوں کے نتیجے میں اردوشعروادب میں ایساانقلاب آیا کہ ان کے بعد میر وسودااوران کے ہم عصروں نے اردوشاعری کوکسی بھی عالمی معیاری ادبی سرمائے کے بالمقابل لاکھڑا کیا۔اسی عظمت کے اعتراف میں میر وسودا کے دورکواردوشاعری کا عہدِ زرّیں کہا جاتا ہے۔

چونکہ میراورسودا سمیت اس دور کے تمام اہم شعرا کا عرصہ حیات ۱۷۲۰ء سے ۱۸۱۰ء کے درمیان بنتا ہے اس لیے میر وسودا کا دورزمانی اعتبار سے ۱۷۴۰ء سے ۱۸۱۰ء تک محیط قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی کی تیسری دہائی میں پیدا ہونے شعرا نے متوقع طور پر ۱۷۴۰ء تک شعری میدان میں قدم رکھا ہوگا۔ میرتقی میر اور مرزا رفیع سودا بلاشبہ اس دور کے امام ہیں۔ میر نے یوں تو ہر معروف صنفِ شعر میں طبع آزمائی کی البتہ اردوغزل کوانہوں نے ناقابلِ تقلید معیار عطا کیا۔انہیں اپنی اس عظمت کا علم بھی تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا:

سارے عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا

مستند ہے مرا فرمایا ہوا

دوسری طرف مرزا رفیع سودا نے بھی مختلف اصنافِ شعر میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی تخلیقیت کے اصل جوہر قصیدہ گوئی میں ابھر کر سامنے آئے اور تمام ناقدین متفق ہیں کہ سودا نے اردو قصیدہ کو فارسی قصیدہ کے برابر لا کھڑا کیا۔ اپنے اسی افتخار کا بیان کرتے ہوئے سودا نے کہا:

انوری، سعدی و خاقانی و مداح ترا

رکھتے ہیں زیرِ فلک طبل و علم چاروں ایک

خواجہ میر درد اسی دور کے ایک اور اہم شاعر ہیں۔ درد نے اردو کی متصوفانہ روایت کو زندہ کیا۔ یہ درست ہے کہ ان سے پہلے بھی اردو شاعری میں عشقِ حقیقی کا بیان مل جاتا تھا مگر جس شد و مد سے درد نے صوفیانہ موضوعات کا پرچار کیا، ان سے پہلے مفقود تھا۔ چنانچہ میر درد کو اردو شاعری کی صوفیانہ روایت کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ میر حسن نے مثنوی نگاری کے میدان میں کمال دکھایا۔ ان کی مثنوی سحرالبیان بلاشبہ جادوئی اسلوب کی حامل ہے۔ گویا میر و سودا کے دور میں اردو شاعری موضوعی اور فنی ہر دو اعتبارات سے بلندیوں کو چھو گئی۔ اس دور کے دیگر شعرا میں انعام اللہ خاں یقین، قائم چاند پوری، میر اثر اور میر سوز جیسے قادر الکلام شعرا کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ شعرا بھی اپنی تخلیقیت اور قادر الکلامی میں کسی سے کم نہ تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت کو اول الذکر چار عظیم شعرا کی بلند نوائی اور ادبی شکوہ گہنا گیا۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۔

فورٹ ولیم کالج: اردو نثر کا نقشِ اول:

اگرچہ شاعری کی طرح اردو نثر کی تاریخ بھی سولہویں صدی سے شروع ہو جاتی ہے لیکن انیسویں صدی کے طلوع سے قبل اردو نثر محض ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر ہی زندگی ارتقائی عمل سے گزرتی رہی۔ سترہویں صدی میں صوفیا کرام سے ہٹ کر ادبی میدان میں صرف ملا وجہی کی ''سب رس'' ہی ایسی مترجمہ تصنیف ہے جسے ادبی نثر کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اٹھارہویں صدی بھی اس اعتبار سے زیادہ زرخیز ثابت نہیں ہوتی۔ ۱۷۳۲ء میں فضل علی فضلی نے ملا واعظ حسین کاشفی کی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ کیا۔ جبکہ میر عطا حسین خاں تحسین نے فارسی زبان میں لکھے گئے ''قصہ چہار درویش'' کو ۱۷۷۵ء میں ''نو طرزِ مرصع'' کے عنوان سے اردو زبان میں ڈھالا۔

ان ادبی مثالوں کے علاوہ قرآن پاک کے ابتدائی تراجم اور اٹھارہویں صدی کی آخری دہائی میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی لغات اور اردو زبان کے قواعد پر ایک کتابچہ جیسی غیر ادبی تصانیف کی بدولت اردو نثر آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر تک انگریز ہندوستان پر حکومت کی باقاعدہ تیاری کرنے لگے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ یہ جانتے تھے کہ کسی بھی قوم پر حکومت کے لیے اس کی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کو جاننا اور سیکھنا از حد ضروری ہے۔ چنانچہ انگلستان سے آنے والے انتظامی افسران اور فوجیوں کو اردو زبان سکھانے اور انہیں ہندوستانی تہذیب سے آشنا کرنے کے لیے انگریزوں نے کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس کے شعبۂ ہندوستانی کے سربراہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ تھے۔ اگرچہ اس ادارے کا اصل مقصد محض انگریزوں کو ہندوستانی زبانوں

اور تہذیب سے متعارف کروانا تھا لیکن گلکرسٹ کی ذاتی دلچسپی کے باعث فورٹ ولیم کالج اردو نثر کا پہلا مرکز بن گیا۔

گلکرسٹ نے اہلِ مغرب کو زبانِ اردو سکھانے کے لیے قواعدِ اردو کے کتابچوں کے ساتھ ساتھ بہت سی فارسی، عربی اور سنسکرت داستانوں اور غیر افسانوی کتب کا اردو ترجمہ کروایا۔ اس مقصد کی خاطر اس نے مترجمین کی ایک جماعت بنائی جس کا کام ہی مختلف زبانوں کی معیاری نثر کو اردو میں منتقل کرنا تھا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اردو نثر جس میں گزشتہ دو سو سال میں درجن بھر معیاری کتب تلاش کرنا بھی محال تھا، اردو نثر کے مثالی نمونوں سے بھر گئی۔ سب سے اہم ترین بات یہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے نثر نگاروں نے آئندہ کے مصنفین کے لیے ایک معیار فراہم کر دیا۔ یوں جدید اردو نثر کا آغاز ہوا جس کی اساس سادگی و سلاست اور نفسِ مضمون کے آسان اور بے تکلف اظہار پر تھی۔

فورٹ ولیم کالج کے معروف ترین نثر نگار میر امن دہلوی ہیں۔ میر امن کی دو کتابیں ''باغ و بہار'' اور ''گنجِ خوبی'' انکی یادگار ہیں۔ انکے علاوہ حیدر بخش حیدری کی ''توتا کہانی'' اور ''آرائشِ محفل''، میر بہادر علی حسینی کی ''نثرِ بینظیر'' اور ''اخلاقِ ہندی''، مظہر علی ولا کی ''بیتال پچیسی'' اور خلیل علی خاں اشک کی ''داستان امیر حمزہ''، فورٹ ولیم کالج کی قابلِ صد ستائش یادگاریں ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۔

اردو زبان و ادب: انیسویں صدی میں:

انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے اردو ادب اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ شعری روایت کا آغاز دکنی شعرا نے فراہم کر دیا جس پر ولی اور ان کے جانشینوں نے ایک مضبوط عمارت تعمیر کی۔ بعد ازاں میر و سودا اور ان کے ہم عصروں نے اردو کی شعری روایت کو امر کر دیا۔

دہلوی اور لکھنوی دبستان:

انیسویں صدی تک اردو کی شعری روایت ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے اس قدر مضبوط ہو گئی تھی کہ اس میں رجحان سازی اور مختلف رجحانات کی شعوری پیروی بھی شروع ہو گئی تھی۔ انہیں مختلف رجحانات نے مختلف دبستانوں کو جنم دیا۔ ان دبستانوں میں دہلوی اور لکھنوی دبستان نمایاں ہیں۔ اپنے اپنے خاص پس منظر کے باعث لکھنؤ اور دہلی کے شعرا کے یہاں فکری اور فنی دونوں سطح پر بہت بُعد پایا جاتا تھا۔ دہلی میں آئے دن کے ہنگاموں کے باعث زندگی بہت مغموم اور رنجور ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی لیے دہلوی شعرا فکری حوالے سے کسی قدر غم پسند ہو گئے تھے۔ میر و سودا کے دور کے شعرا کے یہاں بالعموم غم کی یہ لہر واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

فنی اور فکری حوالے سے دہلوی دبستان کی نمایاں خصوصیات سادگی و سلاست، بے ساختگی، داخلیت، درد و غم، اور صوفیانہ موضوعات ہیں۔ اس دبستان کی ترویج میں میر و سودا کے عہد نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ لکھنوی دبستان کو کافی حد تک دہلوی دبستان کی ضد قرار دیا جا سکتا ہے۔ شہرِ دہلی کی تباہی اور لکھنؤ کی خوش حالی نے دونوں شہروں کے باسیوں کے مزاج میں بہت اختلاف پیدا کر دیا۔ لکھنو چونکہ مرکز سے دور تھا اس لیے وہاں بیرونی حملہ آوروں کی رسائی دہلی سے کہیں کم تر ہوتی تھی۔ چنانچہ دہلی سے بہت سے لٹے پٹے قافلے لکھنو پہنچ کر پناہ لیتے۔ انہیں قافلوں میں بہت سے شعرا بھی شامل تھے۔ لکھنوی دبستان کی نمایاں خصوصیات عیش و نشاط کے موضوعات کا بیان، لفظی بازی گری، اسلوبیاتی تصنّع، معاملاتِ عشق و محبت کا اظہار اور پر شکوہ لب و لہجہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ لکھنوی دبستان کی متذکرہ

خصوصیات کی تشکیل میں پہلے انشا اور مصحفی اور بعد ازاں خواجہ حیدر علی آتش اور امام بخش ناسخ اور ان کے شاگردوں نے اہم کردار ادا کیا۔

انیسویں صدی کے شعری ادب کی شناخت: غالب و مومن کا دور:

اٹھارہویں صدی میں میر و سودا کے دور کی بدولت اردو شاعری اپنی الگ شناخت قائم کر چکی تھی۔ انیسویں صدی میں اسے چند مزید ایسے عظیم شعرا میسر آئے جنہوں نے اردو شاعری کو عالم گیریت عطا کی۔ اس سلسلہ میں اہم ترین نام اسد اللہ خان غالب کا ہے۔ غالب نے اردو شاعری کو نئے اسلوب اور جدید موضوعات سے نوازا۔ ان کے علاوہ مومن خان مومن، شیخ ابراہیم ذوق، بہادر شاہ ظفر، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، مولانا الطاف حسین حالی، شاہ نصیر اور ایسے دیگر شعرا نے اس دور کو امر کیا۔ شعری روایت کے اس دور کو غالب و مومن کا دور کہا جاتا ہے۔ زمانی اعتبار سے اس دور کو ۱۸۱۰ء سے ۱۸۷۰ء تک محدود کیا جا سکتا ہے۔

علی گڑھ تحریک: اردو نظم و نثر میں وسعت:

۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کی حکومت جاتی رہی اور انگریز برِ صغیر پر قابض ہو گئے۔ اس دور میں سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی مختلف خدمات میں ایک اہم ترین کارنامہ علی گڑھ سکول کا قیام ہے جو بعد ازاں کالج اور پھر بیسویں صدی میں یونیورسٹی کے درجہ کو پہنچا۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلبا نے مسلمانوں کی ادبی اور سیاسی زندگی میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔ علی گڑھ کے انہیں طلبا کی کاوشوں اور سر سید احمد خاں کے رفقا کی جدوجہد کو علی گڑھ تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اردو نظم و نثر کی ترقی میں بھی علی گڑھ تحریک کا کردار بہت اہم ہے۔ اس تحریک سے اردو شاعری میں جدت آئی اور اردو نثر نئے موضوعات اور سانچوں سے آشنا ہوئی۔ اس تحریک کے زیرِ سایا سر سید نے اردو نثر میں مضمون نویسی کا آغاز کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اصلاحِ شعر کے ساتھ ساتھ اردو میں ادبی تنقید کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی نے اردو زبان کو ادبی تاریخ کا فن سکھایا۔ مولوی نذیر احمد نے ناول نگاری کی طرح ڈالی۔ یوں اردو نثر کا دامن وسیع تر ہو گیا اور اس میں مختلف موضوعات کے اظہار کی گنجائش نکل آئی۔

ذیلی موضوع نمبر ۱۸۔

اردو ادب بیسویں صدی میں:

بیسویں صدی اپنے ساتھ نئے رجحانات لائی۔ علی گڑھ تحریک نے جہاں اردو ادب کو وسعت بخشی، وہیں اس سے ایک بڑا مسئلہ یہ ہوا کہ سر سید کی ضرورت سے زیادہ مقصدیت پسندی نے اردو ادب کو کافی حد تک بے رنگ کر دیا۔ چنانچہ مغربی ادب کے زیرِ اثر اردو ادب میں رومانوی تحریک کا آغاز ہوا۔ نتیجتاً ادب برائے مقصد کی بجائے ادب برائے ادب کا نعرہ بلند ہوا اور طے پایا کہ ادب کا اہم ترین مقصد طبعِ حساس کی تسکین ہونا چاہیے۔

رومانوی تحریک:

اردو ادب میں رومانوی رجحان کا آغاز سر عبدالقادر کے رسالہ مخزن سے ہوا جس میں مغربی ادب پاروں کے تراجم کے ساتھ ساتھ اردو ادیبوں کی ایسی تحریریں شائع ہوتی تھیں جن میں احساسات و جذبات کے اظہار، جمال پرستی اور فطرت پسندی کو فوقیت حاصل ہوتی تھی۔

موضوعی تبدیلی کے ساتھ ساتھ فنی اعتبار سے بھی اردو ادب میں رومانوی تحریک سے بہت تغیرات آئے۔ سجاد حیدر یلدرم نے اردو افسانے کی بنیاد رکھی اور حفیظ جالندھری نے گیت نگاری کو فروغ دیا۔ وہ اسلوب جسے علی گڑھ کے پیروکاروں نے اس قدر سادہ کر دیا تھا کہ اس میں ادبی شان مفقود ہونے لگی تھی، ایک مرتبہ پھر شگفتہ بیانی سے آراستہ ہو گیا۔

رومانوی تحریک کے نمایاں ادیبوں میں سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی اور ایسے دیگر نام لیے جا سکتے ہیں۔

ترقی پسند تحریک:

علی گڑھ تحریک کی طرح رومانوی تحریک بھی اپنے نظریہ میں انتہا پسند ثابت ہوئی۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو محض مقصدیت پسند بنا دیا تھا تو رومانوی ادیبوں نے اسے کم و بیش مقصدیت پسندی سے بالکل بے بہرہ کر دیا۔ مزید یہ کہ بیسویں صدی کے عالمی تغیرات اور برِصغیر کے بدلتے ہوئے حالات بھی رومانوی تحریک کے لیے موزوں نہ رہے۔ معاشرے میں سماجی شعور کی بیداری اور روسی انقلاب سے حالات کچھ یوں بدلے کہ بہت سے ادیب یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ ادب کس کام کا جو قارئین کو سماجی شعور نہ دے پائے اور اس میں معاشرتی صورتِ حال کا عکس نظر نہ آئے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں سجاد ظہیر، رشید جہاں، محمود ظفر اور احمد علی نے ''انگارے'' کے نام سے ایک افسانوی مجموعہ شائع کیا جو رومانوی اسلوب سے بالکل مختلف تھا۔ اس مجموعہ میں شامل افسانوں میں حقیقت نگاری کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ یہ انقلابی اسلوب بعد ازاں ترقی پسند تحریک کی اساس بنا۔

ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ ترقی پسندوں کا منشور یہ تھا کہ ایسا ادب تخلیق کیا جائے جو معاشرہ کی اصل تصویر پیش کرے اور محکوموں، مجبوروں اور زیریں طبقات کا ترجمان ہو۔ چنانچہ طبقاتی کشمکش، انقلاب پسندی، بغاوت، حقیقت نگاری اور مزاحمتی اسلوب ترقی پسند تحریک کے اساسی نکات قرار پائے۔

ترقی پسند تحریک کے نمایاں ناموں میں پریم چند، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، مجید امجد، ن م راشد، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ایسے دیگر نام لیے جا سکتے ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف اول تک اردو ادب، عالمی ادب میں اپنی شناخت قائم کر چکا تھا۔ نظم و نثر کے تمام مروجہ اسالیب اور سانچے اردو ادب میں نظر آنے لگے تھے۔ چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد جہاں عالمی ادبیات کے تراجم کا رجحان بڑھا وہیں اردو فن پاروں کو بھی بڑی تعداد میں عالمی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ یوں آج اردو ادب مقامی قارئین کے ساتھ ساتھ عالمی قارئین کے لیے بھی کشش کا باعث ہے۔

سبق نمبر: ۴

اردو زبان کی اہمیت

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۔

اردو کی نظریاتی اہمیت:

پاکستانی قوم کے لیے اردو کی نظریاتی اہمیت بنیادی نوعیت کی ہے۔ چونکہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس لیے اس نظریاتی بنیاد کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔

''نظریہ سے مراد ایک ایسا فکری نظام ہے جو رسوم و رواج، عقائد و اقدار اور رجحانات و مزاج کی بنیاد پر ایک معاشرے یا گروہ کو دوسرے معاشرے یا گروہ سے ممیز کرتا ہے۔''

گویا ہمارے ملک و قوم کے رسوم و رواج، عقائد و اقدار اور رجحانات و مزاج ہمارے نظریہ کی اساس ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اردو زبان متذکرہ تمام عناصر کی محافظ ہونے کے ناطے نظریاتی اعتبار سے ہمارے لیے ناقابلِ فراموش ہے۔ اردو کی اس اہمیت کو مذہبی اور تاریخی دونوں حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اردو کی مذہبی اہمیت:

مذہبی حوالے سے بات کی جائے تو یہ بات مسلّم الثبوت ہے کہ اردو کے فروغ میں سب سے پہلے صوفیا کرام نے کردار ادا کیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اردو کے پہلے شاعر امیر خسرو ہیں جو ایک صوفی کامل تھے۔ انہوں نے جہاں تبلیغِ اسلام کے لیے موسیقی کا سہارا لیا وہیں اپنی قوالیوں اور صوفیانہ کلام کے لیے اردو زبان کا انتخاب کیا۔ اسی طرح اردو کے پہلے نثر نگار خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ہیں جنہوں نے اپنی تعلیمات کے پرچار کے لیے اپنی کتاب ''معراج العاشقین'' کے لیے اردو زبان کو چنا۔ اردو کے ابتدائی دور سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خطّے میں جس قدر مذہبی سرمایہ اردو زبان میں ہے، کسی اور زبان میں نہیں ملتا۔ ذیلی نکات اس حقیقت پر دال ہیں:

۱۔ صوفیا کرام کے اقوال اور تعلیمات پر مشتمل کتب سب سے زیادہ اردو زبان میں ہیں۔

۲۔ اس خطّہ میں سیرۃ النبی ﷺ پر لکھی گئی کتابوں کی زبان بالعموم اردو ہے۔

۳۔ فقہی مسائل اور اسلامی قوانین پر ہمارے یہاں سب سے زیادہ اظہارِ خیال اردو زبان میں کیا جاتا ہے۔

۴۔ جدید مسائل اور اسلامی قوانین کی روشنی میں تجویز کیے جانے والے اجتہادی حل اسی زبان میں ملتے ہیں۔

۵۔ مسلمان فاتحین کی شان دار داستانوں کا بیان اسی زبان میں موجود ہے۔

۶۔ اسلامی سیاسیات اور تہذیب و ثقافت پر سب سے زیادہ کتب اردو زبان میں ملتی ہیں۔

۷۔ حمدیہ اور نعتیہ کلام کے لیے بالعموم اردو زبان کو وسیلۂ اظہار بنایا جاتا ہے۔

یہ تمام نکات اس امر کا ثبوت ہیں کہ مذہبی حوالے سے مملکتِ خداداد کے باسیوں کے لیے اردو کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔

اردو کی تاریخی اہمیت:

برِصغیر کے باسی اردو کی تاریخی اہمیت کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ یوں تو ہندوستان ہمیشہ سے بیرونی حملہ آوروں کی زد میں رہا ہے لیکن یہاں کی تاریخ اور معاشرت پر شائد ہی مسلمانوں سے زیادہ کسی قوم نے اثرات مرتب کیے ہوں۔ اردو زبان انہیں انمٹ اثرات میں سے ایک ہے۔ بذاتِ خود مسلمانانِ ہند کے لیے بھی اردو کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ بہت سے مقامات پر اردو یہاں کے مسلمانوں کی شناخت کا ایک بڑا حوالہ بن کر ابھری۔ تاریخی حوالے سے اردو کی اہمیت درج ذیل نکات کی روشنی میں دیکھی جا سکتی ہے:

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ اردو وہ زبان ہے جو مسلمانوں کی غیر موجودگی میں شائد تخلیق ہی نہ ہوتی۔ یقیناً یہی وجہ ہوگی کہ صوفیا کرام نے اردو کو اپنایا اور اسی زبان میں تعلیماتِ اسلام کا پرچار کیا۔

۲۔ تمام تر سلاطینِ دہلی شمالی ہند کے راستے مرکز تک پہنچے۔ ابتدائی دور میں اردو اس مخلوط زبان کے طور پر شمالی ہند کے راستے آنے والے مسلمان حملہ آور افواج کے لیے وسیلۂ اظہار بنی۔ جیسا کہ حافظ محمود شیرانی کا دعویٰ ہے کہ یقیناً پنجاب سے مرکز کی طرف بڑھنے والے فوجی اپنے ساتھ کوئی زبان لے کر دہلی پہنچے ہوں گے۔ اردو اسی مخلوط زبان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس سے فطری لگاؤ ہے۔

۳۔ سلاطینِ دہلی کے بعد مغلیہ سلطنت کا سورج ابھرا تو اردو کے نقوش بھی ابھرنے لگے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ میر امن دہلوی، سرسید اور آزاد سمیت تمام ابتدائی محققین اور مورخین اردو کو مغلوں کی آمد سے موسوم کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہلی میں مغلوں کی مضبوط حکومت کے نتیجے میں نئی زبان کے کے لیے فضا ہموار ہوئی۔ چنانچہ اردو کا ظہور مغلیہ سلطنت سے بھی وابستہ ہے۔

۴۔ مغلوں کا آفتابِ شان وشوکت رو بہ زوال ہوا تو انگریزوں نے برِصغیر پر حکومت کے خواب دیکھنا شروع کیے۔ انہوں نے بھی ہندوستان کی نمائندہ زبان کے طور پر اردو ہی کو چنا۔ یہی وجہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں دیگر زبانوں کے مقابلے میں اردو کو زیادہ فوقیت ملی۔ نیز بعد ازاں انگریزوں نے فارسی کی جگہ اردو کو عدالتوں میں نافذ کیا۔

۵۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کے حق میں جدوجہد کا آغاز کیا تو ۱۸۶۷ء میں بنارس میں ہونے والے اردو ہندی تنازعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسلمان اور ہندو بطور قوم مزید اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا فطری لگاؤ اردو سے تھا جبکہ ہندو اسے اپنی زبان کے طور پر اپنانے کو تیار نہ تھے۔ گویا اردو دوقومی نظریہ کا بنیادی حوالہ بن کر ابھری۔

۶۔ بعد ازاں تحریکِ پاکستان میں مسلمانوں نے ہمیشہ اردو ہی کو فوقیت دی۔ چنانچہ مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کی ایک علامت اردو زبان بنی۔

مذکورہ بالا نکات کی بنیاد پر یہ طے کرنا مشکل نہیں رہتا کہ اس خطّے کے مسلمانوں کے لیے اردو کی تاریخی اہمیت کیا ہے۔ یہی تاریخی اور مذہبی اہمیت دراصل ہمارے لیے اردو کی نظریاتی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۰۔

اردو بطور قومی زبان:

قیامِ پاکستان کے بعد اردو کو اہلِ پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا۔اس کی اہم ترین وجہ یہی تھی کہ اردو کو ہماری نمائندہ زبان تصور کیا جاتا تھا۔

اردو بانئ پاکستان کی نظر میں:

بانئ پاکستان قائدِ اعظمؒ نے مختلف مقامات پر اردو کی قومی حیثیت کو اجاگر کیا۔ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

''پاکستان کی قومی زبان صرف اور صرف اردو ہی ہوگی، اردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں۔ کیونکہ ایک زبان ہی کامل اتحاد اور یگانگت پیدا کر سکتی ہے۔''

گویا بانئ پاکستان اردو کو اہلِ وطن کے اتحاد کی علامت سمجھتے تھے۔ یہ حقیقت اردو کی قومی اہمیت پر دال ہے۔

بیرونی دنیا میں ہماری قومی شناخت:

ہماری قومی زبان ہونے کے ناطے اردو بیرونی دنیا میں ہماری قومی شناخت کا ذریعہ ہے۔ظاہر ہے ہماری شناخت اسی زبان کو ہونا چاہیے جو حقیقی معنی میں ہماری نمائندگی کرتی ہو۔اس حوالہ سے وضاحت کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے فرمایا:

''اردو میں دوسری صوبائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی تہذیب وثقافت کا بہترین سرمایہ موجود ہے۔اور اردو ہی دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے زیادہ قریب تر ہے''

گویا بانئ پاکستان کی نظر میں اسلامی تشخص کی اساس پر اردو بیرونی دنیا میں ہماری شناخت ہونی چاہیے۔

اردو رابطے کا ذریعہ:

پاکستان میں چالیس سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن اردو سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔اسی لیے ملک کے طول و عرض میں رابطے کی زبان کے طور پر اردو ہی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے علاقائی زبانیں مقامی افراد کے مابین ابلاغ کا ذریعہ تو ہوسکتی ہیں لیکن بین الصوبائی روابط کے لیے کسی مرکزی زبان کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ پاکستان میں یہ مرکزی حیثیت اردو کو حاصل ہے۔

اردو ابلاغِ عام کا ذریعہ:

پاکستان میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہونے کے باعث ذرائع ابلاغ سب سے زیادہ انحصار اردو زبان پر ہی کرتے ہیں۔ پاکستان کے تمام قومی سطح کے اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی چینل اردو زبان میں ہی ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے سیاسی و سماجی اجتماعات میں ابلاغی ذریعہ کے طور پر اردو ہی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۔

اردو بطور سرکاری زبان:

دستوری حوالے سے بات کی جائے تو اردو پاکستان کی سرکاری زبان بھی ہونی چاہیے تھی۔ بدقسمتی سے تمام تر اصولی فیصلوں کے باوجود عملی

میدان میں اردو کو سرکاری سطح پر موثر انداز میں نافذ نہیں کیا جا سکا۔ قائدِ اعظمؒ نے قیامِ پاکستان کے وقت فرمایا تھا:

''ملک کی سرکاری زبان بھی اردو ہونی چاہیے۔ یہ وہ زبان ہے جس کی برِصغیر کے لاکھوں مسلمانوں نے پرورش کی ہے اور اسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سمجھا جاتا ہے۔''

قائد کا فرمان اس حوالے سے اہمیت کا حامل ہے کہ وہی زبان ملک کی دفتری زبان ہونی چاہیے جس میں ہر طبقے کے لوگ آسانی سے اظہارِ خیال کر سکیں۔ تاہم تمام تر ارادوں کے باوجود آج تک عملاً ایسا نہیں ہو سکا۔

اردو کی موجودہ حیثیت:

پاکستان کے مختلف دساتیر میں اس حوالے سے منصوبہ بندی کے اصولوں میں بار ہا یہ فیصلہ کیا گیا کہ مستقبل میں اردو کو سرکاری سطح پر نافذ کیا جائے گا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں طے کیا گیا کہ آئندہ پندرہ سال میں اردو کو دفاتر میں نافذ کر دیا جائے گا۔ ۱۹۷۹ء میں اس حوالے سے عملی اقدامات کے لیے مقتدرہ قومی زبان کا ادارہ قائم کیا گیا تاکہ ضروری اصلاحات وضع کی جا سکیں۔ ۱۹۸۴ء میں وفاقی حکومت کے اداروں میں دفتری کام اردو میں کرنے کی ہدایات بھی جاری ہوئیں لیکن عملی طور پر اس حکم کا اطلاق آج تک نہیں ہو سکا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اپریل ۱۹۶۷ء میں آزاد جموں و کشمیر کی حکومت نے دفاتر میں اردو نافذ کرنے کا پہلا حکم نامہ جاری کیا۔ جس کے بعد دفاتر میں اردو بطور سرکاری زبان نافذ بھی ہو گئی لیکن پاکستان میں یہ فیصلہ تا حال محض آئینی کتابوں میں بند ہے۔ اردو زبان کی نظریاتی اور قومی اہمیت کے پیشِ نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ آئینی فیصلوں کو عملی تعبیر بھی دی جائے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۲۔

اردو کی ادبی و ثقافتی اہمیت:

وہ معاشرتیں ہمیشہ مضبوط، زندہ اور صحت مند روایات کی حامل ہوتی ہیں جن کا ادبی سرمایہ اور ثقافتی روایات صحت مند ہوں۔ مسلمانانِ ہند اس اعتبار سے خاصے بھرپور واقع ہوئے ہیں۔ برِصغیر میں آمد کے نتیجے میں انہوں نے ایک طرف اپنے ادب و ثقافت کے اثرات یہاں کے ادب و ثقافت پر مرتب کیے تو دوسری طرف یہاں کے ادب و ثقافت سے بہت کچھ لیا۔ اردو زبان اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فارسی اور عربی کے اثرات کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا مرکب ہونے کے باعث اردو میں اسلامی اور مقامی رنگوں کی آمیزش دیکھی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ادب بھی یہاں کی دیگر زبانوں سے زیادہ صحت مند ہے۔ نیز ہمارا ثقافتی سرمایہ تحریری طور پر سب سے زیادہ اسی زبان میں محفوظ ہے۔

اردو کی ادبی اہمیت:

۱۔ اردو زبان کا کلاسیکی سرمایہ ہماری تاریخی روایات کا علمبردار بھی ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کے نظریات، ان کے بدلتے حالات، ان کے رجحانات اور تاریخی روایات کی زندہ تصاویر اردو ادب کی کلاسیکی تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۲۔ چونکہ اردو زبان نے دیگر زبانوں سے بہت کچھ حاصل کیا اس لیے اس کے ادب میں دیگر ادبیات کی جھلک بھی موجود ہے۔ نیز انیسویں

صدی کے بعد مغربی اثرات نے بھی اردو ادب کو متاثر کیا چنانچہ اردو ادب میں عالمی ادبیات کا انجذاب بھی اس ادب کو برِ صغیر کے دیگر ادبیات سے وسیع تر کر دیتا ہے۔ علی گڑھ تحریک سے رومانوی اور ترقی پسند تحریک تک تمام تر رجحانات مغربی ادبی رجحانات اور رویوں کی دین ہی تھے۔

۳۔ اردو ادب کی اہمیت اس امر میں بھی پوشیدہ ہے کہ اس کا ادب عالمی دنیا میں ہماری شناخت کا ایک اہم حوالہ بن چکا ہے۔ اردو ادب کے عالمی زبانوں میں تراجم نے اردو کے ساتھ ساتھ ہماری قومی شناخت کو بھی عالم گیریت بخشی ہے۔

اردو کی ثقافتی اہمیت

کسی بھی معاشرت کے ثقافتی سرمائے کی سب سے بڑی محافظ زبان ہی ہوتی ہے۔ یہی معاملہ ہماری ثقافتی روایات اور اردو کے ساتھ ہے۔

۱۔ ہمارا لوک ورثہ جس حد تک اردو زبان میں ہے، کسی اور زبان میں نہیں ملتا۔

مختلف علوم وفنون کی ترجمانی اردو زبان میں سب سے زیادہ اردو زبان میں کی گئی ہے۔

۳۔ فنِ موسیقی اور فنِ مصوری سمیت دیگر مقامی فنونِ لطیفہ کی تحصیل کیلئے جس قدر تحریری سرمایہ اردو زبان میں دستیاب ہے، کسی اور مقامی زبان میں موجود نہیں۔

المختصر ادبی اور ثقافتی ہر دو حوالوں سے اردو کی اہمیت مسلّم ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۳۔

اردو کی تعلیمی اہمیت:

تعلیمی عمل میں زبان کلیدی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ مدرس کی تدریس اور معلم وطلبا کے مابین رابطے کا اہم ترین ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔ طلبا اسی زبان میں آسانی سے تعلیم حاصل کر پاتے ہیں جو یا ان کی مادری زبان ہو یا وہ اس زبان پر فطری طور پر قدرت رکھتے ہوں۔ پاکستان ایک مخلوط معاشرہ کا حامل ہے۔ اس میں لسانی اعتبار سے بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بالعموم چار طرح کے طبقات موجود ہیں:

۱۔ وہ، جن کی مادری زبان اردو ہے اور وہ عموماً ابلاغ کے لیے اسی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔

۲۔ وہ، جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن وہ باہم میل جول کے لیے اس زبان میں تبادلہ خیال کر لیتے ہیں۔

۳۔ وہ، جن کی مادری زبان مخلوط نوعیت کی ہے اور وہ اسی مخلوط زبان میں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ البتہ اس مخلوط زبان پر اردو کے اثرات زیادہ ہیں۔

۴۔ وہ، جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے اور انہیں بالعموم اس کے استعمال کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔

یہ تقسیم ہم پر یہ حقیقت آشکار کرتی ہے کہ ملک میں خواہ کسی کی مادری زبان اردو ہے یا نہیں، اسے سمجھنے والے دیگر زبانوں سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ منطقی طور پر پاکستان میں تعلیمی عمل کے لیے اردو کا استعمال سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔ درج ذیل نکات اسی حقیقت پر دال ہیں:

۱۔اردو زبان ہماری قومی یکجہتی کی علمبردار ہے اس لیے ہمیں طلبا کو اسی زبان میں تعلیم دینی چاہیے۔
۲۔ایک زبان میں تعلیمی عمل طبقاتی امتیازات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔
۳۔غیر ملکی زبان میں تحصیلِ علم طلبا کے لیے سیکھنے کا عمل مشکل تر بنا دیتا ہے۔
چنانچہ حکومت کو ایسے اقدامات لینے چاہئیں جن کے نتیجہ میں اردو کو پاکستان کی واحد تعلیمی زبان کا درجہ مل سکے۔ یہ عمل ہمارے طلبا کے لیے بھی افادیت کا حامل ہوگا اور ہماری قومی یک جہتی کا ترجمان بھی بنے گا۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۴۔

اردو بطور صحافتی زبان:

جہاں دیگر حوالوں سے اردو کی اہمیت مسلّم ہے وہیں صحافتی اعتبار سے اردو کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔خبروں کی فراہمی ہو یا خبروں تک رسائی، دونوں صورتوں میں زبان اہم ترین حیثیت رکھتی ہے۔اسی لیے صحافتی اور ابلاغی ادارے اپنی مقبولیت کی غرض سے معروف ترین زبان کا انتخاب کرتے ہیں۔
چونکہ اردو انگریزوں کی آمد تک برِصغیر کی مقبول ترین زبان بن چکی تھی اسی لیے جلد ہی ضرورت محسوس کی گئی کہ اردو زبان میں صحافتی عمل شروع ہونا چاہیے۔اس غرض سے ہری ہردتہ نے ۱۸۲۲ء میں 'جامِ جہاں نما' کا اجرا کیا۔ یہ اردو زبان میں شائع ہونے والا پہلا اخبار تھا۔ اسی اخبار کی بدولت پہلی مرتبہ ان قارئین کو بھی خبروں تک رسائی حاصل ہوئی جو انگریزی سے نابلد تھے۔
'جامِ جہاں نما' کے بعد ۱۸۵۰ء میں 'کوہِ نور' نامی ہفت روزہ معرضِ اشاعت میں آیا۔اسی دور میں منشی نول کشور نے روز نامہ'اودھ اخبار' کی داغ بیل ڈالی۔ ۱۸۵۰ء تک اردو صحافت کے رجحانات کافی حد تک بڑھ چکے تھے اور بہت سے اخبارات اردو زبان میں شائع ہونے لگے تھے۔

۱۸۷۰ء میں سرسید نے انگلستان کا دورہ کیا تو وہاں سے واپسی پر 'علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ' اور 'رسالہ تہذیب الاخلاق' کا اجرا کیا۔ یہ دونوں رسائل انگلستانی رسائل "spectator" اور "tatler" کی پیروی میں شائع کیے گئے۔ بیسویں صدی میں تحریری آزادی کے سلسلہ میں مولوی ثناﺀ اللہ نے ۱۹۰۲ء میں ہفت روزہ ''وطن'' شائع کیا۔مولانا ظفر علی خاں نے ۱۹۰۳ء میں معروف روز نامہ ''زمیندار'' کا اجرا کیا۔ مذکورہ دونوں اخبارات کے مالکان نہایت قوم پرست واقع ہوئے تھے چنانچہ ان اخبارات سے اردو صحافت صحیح معنی میں پھلنے پھلولنے کا موقعہ ملا۔

۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں مولانا محمد علی جوہر نے ''ہمدرد'' اور ''الہلال'' شائع کیے۔ان تمام اخبارات ورسائل کے نتیجے میں مسلمانوں کی تحریک میں ایک نئی روح پیدا کردی۔ قیامِ پاکستان کے وقت بھی روز نامہ جنگ، روز نامہ نوائے وقت، چٹان اور ایسے دیگر اردو اخبارات نے اردو صحافت کی روایات کو آگے بڑھایا۔اس مختصر منظر نامہ کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ برِصغیر کی معروف ترین زبان ہونے کے ناطے صحافتی سرگرمیوں کے لیے بھی نظرِ انتخاب بالعموم اردو پر ہی ٹھہری۔ یہ عمل اس حقیقت کا شارح ہے کہ صحافتی اعتبار سے بھی اردو کی اہمیت طے شدہ

ہے۔یہی وجہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کا ہر نیا ادارہ وسیلۂ اظہار کے لیے اردو ہی کو چنتا ہے۔

سبق نمبر:۵۔

تدریسِ زبان کے اصول

زبان کی موثر تدریس کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ تدریسِ زبان کے کلیدی اصول کیا ہیں۔ یہاں ان اصول وضوابط کی مختصراً نشاندہی کی گئی ہے جو بالخصوص ابتدائی سطح کی تعلیم میں معلم کوملحوظِ خاطر رکھنے چاہییں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۵۔

آمادگی اوردلچسپی:

آمادگی اور دلچسپی، تدریسی عمل کی بنیاد ہے۔ہم اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں سکھا سکتے جب تک وہ سیکھنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔تدریسِ زبان کے سلسلہ میں لسانی نفسیات کی حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ بالخصوص بچوں کو زبان سکھانے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں ذہنی سطح پر تیار کیا جائے کہ انہیں موثر طور پر سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا سیکھنا ہے۔چنانچہ تدریسی عمل میں ''آمادگی'' سے مراد کسی کام کے لیے آزادانہ طور پر تیار ہونا ہے۔''

اس اعتبار سے آمادگی کے دو پہلوؤں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

(الف) ذہنی آمادگی (ب) جسمانی آمادگی

(الف) ذہنی آمادگی سے مراد یہ ہے کہ متعلم ذہنی طور پر کسی دباؤ کے بغیر تحصیلِ زبان کے لیے آمادہ ہو۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ بچہ ہر قسم کے گھریلو دباؤ سے آزاد ہو اور گھر والوں کے خوف کی بجائے، اپنے شوق سے تحصیلِ زبان کے لیے آمادہ ہو۔

۲۔ متعلم استاد کے خوف سے پڑھنے کے لیے مجبوراً تیار نہ ہوا ہو۔

۳۔ بچے کو اپنی عمر کے مطابق ارتکاز پر قدرت ہو۔یعنی بچہ اپنی عمر کے مطابق کسی خاص عمل پر ایک خاص وقت تک توجہ دے سکتا ہو۔

(ب) جسمانی آمادگی کا مطلب یہ ہے کہ متعلم جسمانی اعتبار سے تعلیمی عمل کے لیے تیار ہو۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ تعلیمی تقاضوں کے مطابق، متعلم کے سمعی وبصری اعضا صحت مند ہوں۔

۲۔ متعلم کو تقلید اور نقل نویسی پر قدرت ہو۔ابتدائی سطح پر معلم تختۂ تحریر کے استعمال سے بہت سی مشقیں کرواتے ہیں، چنانچہ ضروری ہے کہ بچے جسمانی طور پر صحت مند ہوں تاکہ وہ سامنے لکھی گئی تحریر کو موثر انداز میں پڑھ سکیں، سمجھ سکیں اور اپنی کاپی پر نقل کرسکیں۔

۳۔ بچے اپنی عمر کے مطابق مطلوبہ وقت تک ایک جگہ پر کسی قسم کے جسمانی دباؤ کے بغیر موجود رہ سکیں۔ وہ بچے موثر طور پر سیکھ نہیں سکتے جو

تھوڑی ہی دیر میں تھک جائیں یا تھکاوٹ کا احساس ان کی توجہ کو متاثر کرنے لگے۔

آمادگی کے حصول کی چند تدابیر:

واضح رہے کہ جسمانی آمادگی کے سلسلہ میں معلم زیادہ بااختیار نہیں ہوتا کیوں کہ متعلم جسمانی طور پر صحت مند نہ ہو تو اس کا حل معالج ہی کر سکتا ہے۔ البتہ ذہنی طور پر بچوں کو آمادہ کرنے کے لیے معلم درج ذیل تدابیر اختیار سکتا ہے:

۱۔ کھیل اور مقابلے کی فضا قائم کر کے معلم آمادگی اور دلچسپی کا حصول ممکن بنا سکتا ہے کیونکہ کھیل اور جذبۂ مسابقت ہر عمر میں انسان کے لیے پر کشش ہوتا ہے۔

۲۔ سمعی و بصری معاوانات کا درست اور برمحل استعمال تدریسی عمل کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔

۳۔ بچوں کو تعلیمی عمل میں جس قدر شریک کار رکھا جائے، اتنا ہی بچے سیکھنے کے لیے زیادہ آمادہ ہوتے ہیں۔

۴۔ کہانیاں، لطائف اور دلچسپ واقعات، بچوں کو متعلقہ سبق کی طرف راغب کر سکتے ہیں۔

المختصر، آمادگی اور دلچسپی کے بغیر بچے تحصیلِ زبان کی طرف راغب نہیں ہو سکتے چنانچہ تدریسِ زبان کا پہلا اصول یہ ہے کہ بچوں کو زبان سیکھنے کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر آمادہ کیا جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۶۔

تدریسی مواد کا انتخاب:

تدریسِ زبان کا دوسرا اصول تدریسی مواد سے متعلق ہے۔ ہم جو کچھ بھی سکھاتے ہیں، کسی مخصوص نصاب کے ذریعے ہی سکھاتے ہیں۔ ہمارا منتخب کردہ نصاب اور تدریسی تدابیر، تدریسی مواد کے زمرے میں آتے ہیں۔

تدریسِ زبان کے مواد کی انفرادیت:

تدریسِ زبان کا مواد اس اعتبار سے انفرادی نوعیت کا حامل ہے کہ دیگر علوم میں تدریسی مواد اختصاصی نوعیت کا ہوتا ہے، مثلاً ریاضی، کیمیا، طبیعات، دینیات یا تاریخ پڑھاتے وقت صرف متعلقہ موضوعات کو تدریسی مواد کے طور پر منتخب کیا جاتا ہے جبکہ تدریسِ زبان میں دیگر علوم سے متعلقہ مواد کی شمولیت کے بغیر تدریسی عمل مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی سطح سے اعلیٰ سطح کے کسی بھی تعلیمی درجے میں زبان کے تدریسی مواد کا مطالعہ کر لیجیے، ہر درجہ پر یہ حقیقت آشکار ہو گی کہ تحصیلِ زبان کا عمل مختلف علوم کے مواد کے ذریعے ہی تکمیل پذیر ہوتا ہے۔

تدریسِ زبان کے لیے انتخابِ مواد کے اصول:

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں تدریسِ زبان کے لیے مواد کا انتخاب کرتے وقت درج ذیل اصولوں کی پاسداری ضروری ہے۔

۱۔ نظم و نثر اور قواعد و انشا کے اسباق میں تناسب مدِ نظر رہنا چاہیے۔ ضرورت سے زائد منظومات، نثر پارے اور جماعتی سطح سے عدم مطابقت رکھنے والے قواعد یا انشائی اسباق بچوں کی بیزاری کا باعث بن سکتے ہیں۔

۲۔ تعلیمی عمل کے لیے تدریسی مواد کا انتخاب کرتے وقت ہمیشہ آسان سے مشکل کے اصول کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ ابتدائی سطح پر نظم یا نثر

پاروں کے انتخاب کے وقت یہ حقیقت ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ بچے اپنی منشا اور دلچسپی سے ہٹ کر کسی سبق کو خوش دلی سے قبول نہیں کرتے۔

۳۔تدریسی مواد کے سلسلہ میں طریقِ تدریس کی بھی اہمیت ہے۔لازم ہے کہ منتخب کردہ مواد کی تدریس کے لیے درست تدریسی طریقے کا انتخاب بھی کیا جائے ورنہ تدریسی مواد کا درست انتخاب بھی مطلوبہ نتائج کا حامل نہیں ہو پائے گا۔

۴۔تدریسی مواد میں تدریسی معاونات کی اہمیت بھی ناقابلِ فراموش ہے۔تعلیمی سطح کے مطابق تدریسی معاونات کا درست اور موثر استعمال تحصیلِ زبان کے عمل کو مضبوط تر کر دیتا ہے۔

المختصر،تدریسِ زبان کے لیے تدریسی مواد کے انتخاب میں مذکورہ نکات کا خیال رکھنا ضروری ہے تا کہ زبان کے تدریسی عمل کو بہتر انداز میں مکمل کیا جا سکے۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۷۔

زبانی کام پر ارتکاز:

زبان کی تدریس کا تیسرا اہم ترین اصول زبانی کام پر ارتکاز ہے۔یعنی بالخصوص ابتدائی سطح پر تحصیلِ زبان کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ زبانی کام کروایا جائے۔

تحصیلِ زبان کے چار بنیادی عناصر ہیں۔ان میں سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا شامل ہیں۔ابتدائی سطح پر بچہ پڑھنے اور لکھنے کے مقابلہ میں سننے اور بولنے سے زیادہ سیکھتا ہے۔جماعت دوم تک بچہ ایک اندازے کے مطابق ساٹھ سے اسّی فیصد تک سن اور بول کر سیکھتا ہے جبکہ بعد ازاں سننے اور بولنے کے مقابلے میں پڑھنے اور لکھنے کا عمل بڑھتا جاتا ہے۔ثانوی سطح تک پہنچتے پہنچتے سننے اور بولنے کا عمل تیس سے چالیس فیصد تک رہ جاتا ہے اور پڑھنے اور لکھنے کا عمل ساٹھ سے ستر فیصد تک بڑھ جاتا ہے۔اس کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نصابی ضروریات پڑھنے اور لکھنے کی زیادہ متقاضی ہو جاتی ہیں۔

زبانی کام پر ارتکاز کے اسباب:

ابتدائی سطح پر زبانی کام پر ارتکاز کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔بچوں کے لیے زبانی کام زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔چونکہ دلچسپی اور آمادگی زبان کی تدریس کا اولین اصول ہے اس لیے اس عنصر کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے۔

۲۔زبانی کام لکھنے اور پڑھنے کے مقابلے میں آسان ہے کیونکہ لکھنے اور پڑھنے کا عمل زیادہ توانائی کا متقاضی ہوتا ہے اس لیے بچے اس عمل سے جلدی تھک جاتے ہیں یا تنگ آ جاتے ہیں۔

۳۔فطری طور پر سیکھنے کا عمل زبانی کام ہی سے شروع ہوتا ہے۔بچہ سب سے پہلے سننا اور بولنا ہی سیکھتا ہے چنانچہ اس کا فطری میلان ابتدائی سطح پر سننے اور بولنے پر ہوتا ہے۔

۴۔زبانی کام بچے پر تحصیلِ زبان کی عملی افادیت واضح کرتا ہے۔بچہ یہ جان لیتا ہے کہ عملاً سن اور بول کر ہی ابلاغی عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔

چنانچہ ابلاغی عمل کی مضبوطی کے لیے زبانی مہارت ضروری ہے۔

۵۔ بچوں کا تلفظ اور ادائیگی زبانی کام ہی سے درست اور موثر ہوتی ہے۔ ہم جس قدر بولتے اور سنتے ہیں اس قدر ہی ہمیں اپنے تلفظ اور ادائیگی کو بہتر کرنے کا موقع ملتا ہے۔

زبانی کام کی مذکورہ افادیت کے پیشِ نظر زبان کی تدریس کے سلسلہ میں زبانی کام پر ارتکاز کیا جانا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۸۔

لسانی عادت سازی:

زبان کی تدریس کا چوتھا اہم اصول لسانی عادات سازی ہے۔

''لسانی عادات سازی سے مراد وہ زبانی عمل ہے جس پر موثر قدرت حاصل کر لینے کے بعد بچہ صحیح لہجہ، درست تلفظ اور روانئ بیان کے ساتھ اپنی بات کہنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔''

یعنی لسانی عادات سازی کا مطلب یہ ہے کہ بچہ صحیح لہجہ میں بول سکے، اس کا تلفظ درست ہو جائے اور اسے بولنے میں الجھاؤ یا مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

شخصیت کے نکھار اور پیشہ وارانہ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ متذکرہ امور پر عبور حاصل ہو۔

لسانی عادت سازی کے تقاضے:

متذکرہ لسانی عادات میں مہارت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ:

۱۔ بچوں کو مناسب ماحول مہیا کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لسانی حوالے سے گھریلو ماحول نا قابلِ فراموش ہے لیکن اس سلسلہ میں اساتذہ کو یہ امر ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے کہ درست لسانی عادات سازی میں انہیں ان کمیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ بھی کرنا ہے جو گھریلو ماحول میں رہ جاتی ہیں۔

۲۔ لسانی عادات سازی میں اساتذہ کا اپنا درست لب ولہجہ شدید اہمیت کا حامل ہے۔ بچہ اساتذہ کو معیار تصور کرتا ہے اور ان کی تقلید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زبان کی تدریس کرنے واکے اساتذہ کا اپنا لب ولہجہ درست اور معیاری ہو۔

۳۔ لسانی عادات سازی میں ترقی کے سلسلہ میں سمعی معاونات کی اہمیت نا قابلِ فراموش ہے۔ بچوں کو زبان کے معیاری لب ولہجہ سے آگہی کے لیے انہیں معیاری مقررین کی تقاریر اور گفتگو سنائی جا سکتی ہے۔

۴۔ زبان کی تدریس کے دوران استاد کو یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اگر ایک مرتبہ بچہ استاد کے خوف میں مبتلا ہو گیا تو وہ لسانی مشقوں میں موثر طور پر شریک نہیں ہو پائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ تدریسی عمل مشفقانہ انداز میں آگے بڑھایا جائے اور غلطیوں کی نشاندہی کرتے وقت پیار، نرمی اور شفقت سے کام لیا جائے۔

لسانی عادات سازی کے متعلق دو مختلف نظریات:

لسانی عادات سازی کے حوالے سے ماہرینِ تعلیم دو مختلف آرا رکھتے ہیں۔ایک مکتبۂ فکر کا خیال ہے کہ لسانی عادات میں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مستقلاً ان کی مشق کی جائے کیونکہ مشق کے بغیر لسانی عادات میں بہتری نہیں آسکتی۔جبکہ دوسرے مکتبۂ فکر کا یہ دعویٰ ہے کہ لسانی عادات کا تعلق فطری عوامل سے ہے اس لیے ان میں بہتری یا ترقی کے لیے کسی قسم کی کوشش یا مشق کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں اول الذکر مکتبۂ فکر کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہر بچہ مختلف فطری ماحول اور پس منظر سے تعلق رکھتا ہے اور درجنوں مثالوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ مختلف افراد نے اپنی کوشش اور مستقل کاوش سے لسانی عادات سازی میں ترقی کی۔ چنانچہ ہمیں لسانی عادات سازی پر شعوری طور پر توجہ دینی چاہیے۔

لسانی عادات سازی کے فوائد:

لسانی عادات سازی کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔لسانی حوالے سے ابتدائی نوعیت کی مشکلات اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔جس کے نتیجہ میں بچوں کی گفتگو اور تفہیمی صلاحیت بہتر ہو جاتی ہے۔

۲۔لسانی عمل میکانکی انداز میں وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔گویا مستقل مشق اور توجہ کے نتیجے میں بچے مختلف الفاظ اور جملہ سازی کے عادی ہو جاتے ہیں۔

۳۔لسانی عادات سازی میں ترقی کے نتیجہ میں شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے کیونکہ صاف، رواں اور موثر گفتگو کرنے والا شخص ہر ایک کے لیے متاثر کن ہوتا ہے۔

۴۔چونکہ بات کرنے کیلئے زیادہ سوچنا نہیں پڑتا اس لیے بچہ جلد ہی حاضر جواب ہو جاتا ہے۔

۵۔مخصوص الفاظ، جملے اور لب ولہجہ، شخصیت کی پہچان بن جاتا ہے۔

۶۔موثر لسانی عادات ادبی میلان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۹۔

مشق واعادہ:

زبان کی تدریس کا پانچواں کلیدی اصول مشق واعادہ ہے۔

> ''مشق کے معنی بار بار کرنا ہیں جبکہ اعادہ کا مطلب ہے دوہرائی۔یعنی کسی کام کو اس طرح بار بار کرنا یا دہرانا کہ اس پر مہارت حاصل ہو جائے اور وہ یاد ہو جائے، مشق واعادہ کہلاتا ہے۔''

مشق واعادہ کی اہمیت:

زبان کی تدریس ہی نہیں بلکہ کسی بھی مضمون کی تدریس میں مشق واعادہ کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل نکات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

۱۔کسی بھی کام میں کامل مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلسل مشق کے ذریعے اس پر عبور حاصل کیا جائے۔زبان کے تدریسی عمل میں مشق واعادہ سے بعینہ یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مسلسل مشق کے نتیجے میں بچوں کو مختلف لسانی مہارتوں پر عبور میں معاونت ہوتی ہے۔

۲۔بار بار کی مشق سے بچوں کی یادداشت بہتر ہوتی ہے۔اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ بار بار دہرانے سے سبق یاد ہو جاتا ہے اور اس کا دوسرا محرک یہ ہے کہ مستقل ذہنی ورزش سے ذہنی حرکیات تیز تر ہو جاتی ہیں۔

۳۔مسلسل مشق واعادہ سے لسانی عادات وافعال فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہیں اور مذکورہ لسانی افعال از خود ادا ہونے لگتے ہیں۔گویا لسانی افعال میں روانی آجاتی ہے۔

مشق واعادہ کو نظر انداز کرنے کے اسباب:

متذکرہ اہمیت کے باوجود بدقسمتی سے بالعموم یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ ہمارے اساتذہ مشق واعادہ کے عمل کو نظر انداز کر جاتے ہیں جس کے چند اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔مشق واعادہ کو نظر انداز کرنے کا سب سے اہم محرک طویل نصاب ہے۔ ہمارے یہاں نصاب ساز بالعموم تدریسی اصولوں کو فراموش کرتے ہوئے نصاب اس قدر طویل بنا دیتے ہیں کہ اساتذہ کے لیے مناسب حد تک مشق واعادہ کرنا ممکن نہیں رہتا۔ مسلسل مشق واعادہ کے نتیجے میں نصاب کی تکمیل نہیں ہو پاتی اور مشق واعادہ کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں تدریسی مقاصد کا حصول متاثر ہو جاتا ہے۔

۲۔نصاب کی طوالت کے علاوہ یہ حقیقت بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ بسا اوقات اساتذہ مشق واعادہ پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ان کی ساری توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ نصاب مکمل ہو جائے۔گویا وہ اس امر سے غافل رہتے ہیں کہ دیکھا جائے کہ ان کی تدریس کے نتیجے میں طلبہ نے کیا حاصل کیا۔

۳۔مشق واعادہ کے نظر انداز ہونے کا ایک محرک بذاتِ خود طلبہ ہیں۔ بالعموم دیکھنے میں آیا ہے کہ طلبہ مشق واعادہ میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے چنانچہ اساتذہ بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

مشق واعادہ کے طریقے:

ان حقائق کے باوجود مشق واعادہ کی اہمیت سے انحراف ممکن نہیں چنانچہ ذیل میں ان مختلف طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر عمل کرتے ہوئے وقت کے ضیاع کے بغیر اساتذہ مشق واعادہ کی سرگرمی کا اہتمام کر سکتے ہیں

۱۔نئے سبق کے آغاز سے قبل پچھلے سبق کا اعادہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔سبق کے اختتام پر مشق واعادہ کا اہتمام ممکن ہے۔

۳۔ہفتہ وار مشق واعادہ کے ذریعے اسباق کی مشق اور دہرائی ممکن ہے۔

یہ حقیقت یاد رکھنے کی ہے کہ مشق واعادہ کے بغیر تدریسی مقاصد کا موثر حصول ممکن نہیں ہے۔حفظِ قرآن کے سلسلہ میں آج بھی تمام مدارس میں سبق، سبقی اور منزل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔سبق میں روز کے سبق کی مشق کی جاتی ہے۔ سبقی میں پارے کے آغاز سے موجودہ سبق تک

کی دہرائی ہوتی ہے اور منزل میں طویل دہرائی ہوتی ہے۔ گویا مشق واعادہ کے بغیر تدریسِ زبان میں کامیابی کا تصور محال ہے۔

ذیلی موضوع نمبر ۳۰۔

منطق کی بجائے نفسیاتی طریقِ تدریس:

زبان کی تدریس کا ایک اہم ترین اصول منطق کی بجائے نفسیاتی طریقِ تدریس ہے۔

منطقی طریق کی بنیاد استدلال اور منطق پر ہوتی ہے جبکہ نفسیاتی طریق سے مراد وہ طریقہ ہے جسے کسی دلیل کے بغیر ذہن جلد قبول کر لیتا ہے۔ دونوں کے فرق کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے دونوں کا الگ الگ مطالعہ ضروری ہے

منطقی طریق کی ترتیب:

منطقی طریقہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عقل ترتیب کی متقاضی ہوتی ہے اس لیے ہر اعتبار سے سادگی سے پیچیدگی کی طرف بڑھنا چاہیے۔

چنانچہ منطقی طریق کے مطابق زبان کی تدریس کی ترتیب یوں ہوگی:

۱۔ سب سے پہلے بچے کو حروفِ تہجی سکھائے جائیں گے۔

۲۔ اس کے بعد اعراب سکھانے کا مرحلہ ہوگا۔ جس میں اَب، جَب، تَب، اِس، اُس وغیرہ جیسے الفاظ کی مدد سے بچوں کو حرکات سے آشنا کیا جائے گا۔

۳۔ الفاظ سکھانے کے مرحلے پر پہلے وہ الفاظ سکھائے جائیں گے جن میں حروف ٹوٹے بغیر لفظ مکمل ہو جاتا ہیں مثلاً: آم، آگ، رات، دن، آرا، وغیرہ۔

۴۔ اس کے بعد ان الفاظ کی باری آئے گی جن میں حروف ٹوٹ کر الفاظ مکمل کرتے ہیں مثلاً: بابا، باجا، انار، آڑو، وغیرہ۔

۵۔ حروف اور الفاظ کی تشکیل کا مرحلہ مکمل ہونے کے بعد جملہ سازی کا مرحلہ آئے گا۔ اس مرحلہ پر بھی سادگی سے پیچیدگی کے اصول کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔

۶۔ بالآخر ہم عبارت کی تحریر و تقریر کے مرحلے تک پہنچ جائیں گے۔

نفسیاتی طریق کی ترتیب:

نفسیاتی طریق ترتیب پر سہولت اور فطری تقاضوں کو فوقیت دیتا ہے۔ اس کی مجوزہ ترتیب یوں ہوگی:

۱۔ تصویروں اور اشیا کی مدد سے سب سے پہلے اسما اور جملے سکھائے جائیں گے۔ مثلاً ''سیب'' دکھا کر یہ پوچھنا کہ: ''یہ کیا ہے؟'' اور پھر اس جملے کی تکرار کرنا: ''یہ سیب ہے۔'' یوں بچے کو فطری طور پر جملہ سازی آجائے گی۔

۲۔ جملاتی تکرار کے بعد جملہ کے الفاظ کی الگ الگ تکرار کی جائے گی۔ گویا پانچ دس مرتبہ ''سیب'' دہرانے سے بچے کو سیب کی پہچان بھی ہو جائے گی اور وہ اس پھل کے نام سے بھی آشنا ہو جائے گا۔

۳۔ الفاظ کی تکرار کے بعد الفاظ کو توڑ کر حروف تک پہنچا جائے گا۔

المختصر،نفسیاتی طریقہ بچے کی ذہنی سطح کے مطابق زبان کی تدریس کی بات کرتا ہے جبکہ منطقی طریقہ استدلال پر زور دیتا ہے۔واضح رہے کہ عملی طور پر دونوں میں سے کوئی بھی طریقہ مکمل استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ دونوں کے امتزاج سے زبان کی تدریس کی جاتی ہے۔مثلاً ابتدائی سطح پر ہم بیک وقت،حروفِ تہجی بھی سکھاتے ہیں اور تصاویر یا اشیا کی مدد سے الفاظ اور جملوں کی پہچان بھی کروائی جاتی ہے۔بہر حال یہ امر ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ بچے کے سیکھنے کا زیادہ دارومدار اس کی نفسیاتی مطابقت پر ہوتا ہے۔

سبق نمبر:۶۔
تدریسی طریقے۔۱

دورانِ تدریس بچوں کی سہولت، مقاصدِ تعلیم کے حصول اور سبق کی موثر تکمیل کے لیے مختلف انداز اور طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ انداز یا طریقے، ''تدریسی طریقے'' کہلاتے ہیں۔

''تدریس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی علم دینا یا منتقل کرنا کے ہیں۔ وہ انداز یا طریقہ جو علم کے انتقال کے لیے بروئے کار لا یا جاتا ہے، تدریسی طریقہ کہلاتا ہے۔''

ابتدائی سے اعلیٰ سطح تک مختلف علوم کی تدریس کے لیے مختلف تدریسی طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہاں بالخصوص ان طریقوں کا تذکرہ رہے گا جن کا تعلق ابتدائی سطح پر زبان کی تدریس سے ہے۔ تاہم تعارفی سطح پر وہ طریقے بھی آئیں گے جنہیں عموماً ثانوی یا اعلیٰ سطحی تعلیم میں استعمال کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ تدریسی طریقے اپناتے وقت اس امر کو بھی پیشِ نظر رکھا جاتا ہے کہ طلبہ جس زبان کی تحصیل کر رہے ہیں وہ ان کی مادری زبان ہے یا ثانوی زبان ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بہت سے طریقے ثانوی زبان کی تدریس کے لیے موثر نہیں جبکہ بہت سے طریقے مادری زبان کے لیے مفید نہیں ہوتے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی کی جائے گی کہ کونسا طریقہ کس سطح اور کن طلبہ کے لیے موزوں ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۳۱۔

خطابیہ طریقِ تدریس:

''خطابیہ طریقِ تدریس سے مراد وہ تدریسی طریقہ ہے جس کے مطابق کمرائے جماعت میں استاد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی گفتگو کے ذریعے علم اور معلومات منتقل کرتا ہے۔''

خطابیہ طریقِ تدریس کی خصوصیات:

۱۔ اس طریقِ تدریس میں استاد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ گویا سلسلۂ تعلم کا زیادہ دارومدار استاد پر ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے پڑھاتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ ''جو چاہنا اور جس قدر چاہنا'' سے مراد ہرگز نہیں کہ معلم نصاب کی حدیں پھلانگ سکتا ہے۔ دراصل کہنا یہ مقصود ہے کہ استاد سبق کی مقدار کے حوالے سے خود مختار ہوتا ہے۔

۲۔ طلبہ کی حیثیت محض وصول کنندگان کی ہوتی ہے۔ وہ دورانِ گفتگو نہ تو کوئی سوال کر سکتے ہیں نہ کسی نکتے کا اضافہ کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ انہیں جو کچھ بھی حاصل کرنا ہے سن کر یا تختۂ تحریر پر موجود نکات کا سہارا لے کر کرنا ہے۔ گویا تعلمی عمل میں طلبہ کی حیثیت خاصی حد تک ثانوی ہو جاتی ہے۔

۳۔خطابیہ طریقِ تدریس میں تبادلۂ خیال کی گنجائش بالکل نہیں ہوتی۔گویا یہ یک طرفہ سلسلۂ تعلم ہے۔استاد صحیح ہو یا غلط،طلبہ کسی بات سے متفق ہوں یا نہ،کوئی خاص طالبعلم کسی بات کو سمجھ پایا ہو یا نہ،دورانِ گفتگو مداخلت ممکن نہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۳۲۔

خطابیہ طریقِ تدریس کے فوائد:

خطابیہ طریقہ کو اگر درست انداز میں استعمال کیا جائے تو اس سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔معلم کا ولولہ انگیز انداز موضوع میں دلچسپی کا باعث بن سکتا ہے۔یوں بہت سے خشک موضوعات معلم کے پر کشش انداز کے باعث دلچسپ بن سکتے ہیں۔

۲۔چونکہ معلم خطابیہ انداز میں مکمل خود مختار ہوتا ہے اس لیے وہ طلبہ کی ضرورت کے مطابق مطلوبہ مواد بہتر انداز میں مرتب کر سکتا ہے۔

۳۔لیکچر کے ذریعے زیادہ معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں کیونکہ شروع سے آخر تک معلم ہی کو بولنا ہوتا ہے اس لئے بلا رکاوٹ زیادہ معلومات کی ترسیل ممکن ہو جاتی ہے۔

۴۔لیکچر میتھڈ یا خطابیہ طریقہ کے ذریعے زیادہ لوگوں سے مخاطب ہوا جاسکتا ہے۔طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہو جانے کی صورت میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے درجنوں طلبہ سے مخاطب ہوا جاسکتا ہے۔

۵۔خطابیہ انداز میں ہر لمحہ استاد کی گرفت تعلمی عمل پر قائم رہتی ہے جس کے نتیجے میں وقت کے ضیاع کا خدشہ نہیں رہتا۔

۶۔یہ طریقہ بالخصوص ان طلبہ کے لیے بہت زیادہ مفید ہے جو سمعی تفہیم کے زیادہ قائل ہوں۔یعنی وہ طلبہ جو سن کر جلدی سمجھ لیتے ہیں،ان کے لیے خطابیہ طریقہ زیادہ مفید ہے۔

۷۔کسی موضوع کے تعارف کے لیے خطابیہ طریقہ زیادہ موزوں ہے۔تعارف کروانے کے لیے وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے اور وضاحت کا موثر ترین طریقہ خطابیہ انداز ہے۔

۸۔دورانِ تدریس ہمیں بہت سے ایسے موضوعات پڑھانا ہوتے ہیں جنہیں دکھایا نہیں جاسکتا۔مثلاً، مجرد حقائق بہر حال قابلِ مشاہدہ نہیں ہوتے اس لیے ان کی تفہیم کے لیے موثر وضاحت ہی کام آتی ہے جو خطابیہ طریقے میں زیادہ بہتر ہو سکتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۳۳۔

خطابیہ طریقِ تدریس کے نقصانات:

خطابیہ طریقہ کے تقاضے پیشِ نظر رکھے بغیر اسے اپنایا جائے تو تعلمی عمل اس سے بری طرح متاثر ہوتا ہے۔گویا اس صورت میں خطابیہ انداز کے بہت سے نقصانات سامنے آتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔چونکہ معلم محض اپنی بات کر کے کمرائے جماعت سے نکل جاتا ہے اس لیے اس طریقے میں فیڈ بیک بہت کمزور ہو جاتی ہے۔استاد پڑھاتا

چلا جاتا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ طلبہ اس کی بات کس حد تک سمجھ رہے ہیں۔

۲۔طلبہ کی شرکت تعلمی عمل میں ثانوی نوعیت کی ہوتی ہے اس لیے وہ عدم دلچسپی کا شکار ہو جاتے ہیں۔لہٰذا تعلیمی مقاصد متاثر ہوتے ہیں۔

۳۔خطابیہ انداز میں معلم اور طلبہ میں رابطہ کا ہمیشہ فقدان رہتا ہے جس کے نتیجے میں معلم مختلف طلبہ کے انفرادی مسائل سے آگاہ نہیں ہو پاتا۔

۴۔خطابیہ انداز میں معلومات کی فراموشی کا خطرہ رہتا ہے کیونکہ طلبہ مستقلاً توجہ مرتکز نہیں رکھ پاتے اس لیے بھولنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

۵۔ظاہراً یہ شائبہ ہوتا ہے کہ تمام طلبہ کو سیکھنے کے یکساں مواقع مل رہے ہیں جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔صرف وہ طلبہ معلم کے خطاب سے مستفید ہو رہے ہوتے ہیں جو یا تو لیاقت میں بہتر ہوتے ہیں یا وہ سمعی تفہیم کے زیادہ قائل ہوتے ہیں۔کند ذہن طلبہ عموماً اس طریقہ میں استاد کو مبہوت ہو کر تکتے چلے جاتے ہیں۔

۶۔اس طریقہ میں فکر انگیزی کا فقدان ہوتا ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ فکر انگیزی کے لیے تبادلۂ خیال بنیادی لوازمہ ہے جبکہ خطابیہ انداز میں تبادلۂ خیال کی گنجائش کم ہی نکالی جاتی ہے۔

۷۔یہ طریقہ کمزور مقررین کے لیے ناقابلِ عمل ہے۔درحقیقت یہ طریقہ صرف ان معلمین کیلئے مفید ہے جو گفتگو پر ملکہ رکھتے ہوں۔

۸۔یہ طریقہ ہر طالبعلم کے لیے مفید نہیں ہے۔کچھ طلبہ سن کر سیکھ لیتے ہیں جبکہ کچھ طلبہ تجربے اور مشاہدے پر یقین رکھتے ہیں۔گویا یہ طریقہ آخر الذکر طلبہ کیلئے مفید نہیں ہے۔

خطابیہ انداز میں بہتری کی تجاویز:

متذکرہ مسائل اور نقصانات کے باوجود خطابیہ انداز کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔درج ذیل نکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس طریقِ تدریس سے مطلوبہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں:

۱۔جماعت سوم تک اس طریقے کو استعمال نہ کیا جائے۔

۲۔خالصتاً خطابیہ انداز استعمال کرنے کی بجائے، ملا جلا طریقہ اختیار کیا جائے۔یعنی طلبہ کو شریک کار کرنے کی کوشش کی جائے اور سوالات کی اجازت دی جائے۔

۳۔ہر موضوع کی تدریس کے لیے خطابیہ انداز اختیار نہ کیا جائے بلکہ صرف ان موضوعات پر اس طریقے کا اطلاق کیا جائے جن کے لیے یہ موزوں ہے۔

۴۔گفتگو کرتے وقت جہاں تک ممکن ہو دلچسپ اندازِ تخاطب استعمال کیا جائے اور خیال رکھا جائے کہ کہیں طلبہ اکتاہٹ کا شکار تو نہیں ہو رہے۔

۵۔اس سلسلہ میں عموماً سفارش کی جاتی ہے کہ کہانی کا سا انداز اختیار کیا جائے کیونکہ بچے واقعات سننا پسند کرتے ہیں اور واقعاتی انداز میں

سکھائی گئی بات زیادہ بہتر طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۳۴۔

مظاہراتی طریقِ تدریس:

مظاہراتی طریقہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ ''ہم محض 'کر کے' سیکھتے ہیں''۔ گویا سیکھنے کی بنیاد عملی تجربہ پر ہے۔ اس اعتبار سے مظاہراتی طریقِ تدریس کی تعریف یوں ہو سکتی ہے:

''مظاہراتی طریقہ اس امر کا مدعی ہے کہ طلبہ زیرِ نگرانی عملی سرگرمیوں کے بغیر نہیں سیکھ سکتے۔''

زیرِ نگرانی عملی سرگرمی سے یہ مراد ہے کہ تمام تر سرگرمیاں معلم کی رہنمائی میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ بچوں کے گمراہ ہونے کا امکان نہیں رہتا۔

مظاہراتی طریقہ اور زبان کی تدریس:

تحصیلِ علم چونکہ مکمل طور پر ایک عملی سرگرمی ہے کہ اس لیے بالخصوص ابتدائی سطح پر زبان کی تدریس کے لیے مظاہراتی طریقے سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔ بعد کی جماعتوں میں اگرچہ مظاہراتی طریقے سے تحصیلِ زبان کے ہر سبق میں استفادہ نہیں کیا جا سکتا تاہم ابتدائی سطح پر اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

اتنی بات ہر کوئی جانتا ہے کہ موثر گفتگو کے لیے بولنا، مضبوط انشا کے لیے لکھنا اور درست لب و لہجہ کے لیے پڑھنا بہت ضروری ہے اور یہ تمام سرگرمیاں عملی نوعیت کی ہیں۔

مظاہراتی طریقِ تدریس کے مراحل:

مظاہراتی طریقِ تدریس کو مختلف مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ ہر اعتبار سے تدریسی و تعلیمی مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔ ان مراحل کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے۔

۱۔ توضیح و تشریح

(الف) سب سے پہلے اس امر کی جامع مگر مختصر وضاحت کی جائے کہ کس نوعیت کی سرگرمی ہونے جا رہی ہے۔

(ب) اس سلسلہ میں واضح کیا جائے کہ عملی سرگرمی کس نوع کے اقدامات پر مشتمل ہو گی۔

(ج) متعلمین کو واضح طور پر بتایا جائے کہ مجوزہ سرگرمی کے اساسی اور ثانوی مقاصد کیا ہیں۔

(د) بچوں کو سوال و جواب کا مناسب وقت اور موقع دیا جائے تاکہ وہ بچے جو معلم کی وضاحت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے اُن کو بہتر تفہیم کا موقع مل جائے۔

۲۔ مظاہراتی مرحلہ:

(الف) تمام تر مطلوبہ وضاحت کے بعد معلم مثالی مظاہرہ پیش کرے۔

(ب) لازم ہے کہ پیش کردہ مظاہرہ، کی گئی وضاحت کے عین مطابق ہو۔

(ج) کسی بھی غیر متوقع تبدیلی کی فی الفور وضاحت کی جائے۔

۳۔طلبہ کا زیرِ نگرانی مظاہرہ:

(الف) طلبہ کو مثالی مظاہرہ کے فوراً بعد مظاہرہ کی دعوت دی جائے کیونکہ مثالی مظاہرہ اور طلبہ کے مظاہرہ کے درمیان زیادہ وقت آ جانے کی صورت میں معلومات کے فراموش ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

(ب) یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بچے مظاہرے میں غلطیاں بھی کریں گے اور کچھ نکات فراموش بھی کر جائیں گے۔معلم کا فرض ہے کہ اغلاط کی تصحیح مشفقانہ انداز میں کرے تا کہ کسی کی حوصلہ شکنی نہ ہونے پائے۔

۴۔جائزہ اور پیمائش:

(الف) طلبہ کے مظاہرے کے بعد لازم ہے کہ ان کے مظاہرے کی پڑتال کی جائے کیونکہ اس سے مقابلہ کی فضا پیدا ہوتی ہے اور بچے بہتر سے بہتر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ب) بروقت جائزہ اور پیمائش سے بچوں کو اپنی انفرادی صلاحیتوں اور جماعت میں اپنے مقام کا اندازہ ہو جاتا ہے جس سے بہتری کی گنجائش نکلتی ہے۔

(ج) وہ بچے جو مظاہرے میں بہتر طور پر کارکردگی نہیں دکھا پاتے، ان میں بھی بہتری امکان پیدا ہوتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۳۵۔

مظاہراتی تریقِ تدریس کے فوائد:

متذکرہ وضاحت اس امر پر دال ہے کہ مظاہراتی طریقہ سے زبان کی تدریس میں بہت سے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔منظم طریقہ

مظاہراتی طریقہ انتہائی منظم نوعیت کا تدریسی طریقہ ہے۔جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے کہ یہ طریقہ چار مختلف مراحل سے گزر کر مکمل ہوتا ہے اس لیے ترتیب و تنظیم اس طریقے کی روح ہے۔

۲۔وقت اور وسائل کا بہترین استعمال:

مظاہراتی طریقہ وقت اور وسائل کا بہترین استعمال سکھاتا ہے۔

(الف) اس طریقہ سے وقت میں ترتیب آجاتی ہے کیونکہ معلم جانتا ہے کہ مختصر وقت میں اسے تمام مراحل کو پورا کرنا ہے۔

(ب) ایک وقت میں متنوع سرگرمیوں کی وجہ سے متعلمین کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

(ج) معلم اپنی گفتگو سے بچوں کو اپنی بات سمجھا سکتا ہے۔

(د) بات سمجھانے کے لیے تصاویر یا اشیا کا سہارا لے سکتا ہے۔

(ہ) سمعی و بصری معاونات کے ذریعے تفہیمی عمل کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

۴۔ بہتر نتائج:

مظاہراتی طریقہ کے استعمال سے بہتر نتائج کی توقع کی جاتی ہے کیونکہ:

(الف) اس طریقہ میں جو کچھ کہا جاتا ہے عین وہی کچھ کر کے بھی دکھایا جاتا ہے۔ گویا قول و فعل میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(ب) بچے وضاحت کے بعد معلم کا مظاہرہ دیکھتے ہیں تو انہیں معلم کی وضاحت کا مشاہداتی ثبوت مل جاتا ہے۔

(ج) اگلے مرحلہ میں جب بچے خود مظاہراتی مرحلے سے گزرتے ہیں تو انہیں معلم کی وضاحت کا تجرباتی ثبوت میسر آ جاتا ہے۔ یوں کہی ہوئی بات مکمل طور پر پایائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۳۶۔

مظاہراتی طریقِ تدریس کے نقصانات:

متذکرہ فوائد کے باوجود مظاہراتی طریقہ کے چند مسائل بھی ہیں جنہیں اس طریقہ کے نقصانات سے تعبیر بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ محض چند اسباق کے لیے موزوں

مظاہراتی طریقہ ہر طرح کے اسباق کے لیے موزوں نہیں ہے۔ زبان کے حوالے سے بات کی جائے تو اسباق تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(الف) وقوفی یا معلوماتی اسباق میں ہجے سکھانا اور قواعد کا علم یا عبارت آرائی پر عبور شامل ہے۔

(ب) ذوقی و استحسانی اسباق میں نظم و نثر کے اسباق کی تدریس ہوتی ہے۔

(ج) مہارتی و مشقی اسباق میں لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ گویا لسانی مہارتوں کے حوالے سے عملی سرگرمیاں کروائی جاتی ہیں۔

مظاہراتی طریقے کے ذریعے ان تمام اسباق کی تدریس ممکن نہیں ہے۔ مثلاً تمام تر قواعد، اس طریقہ سے نہیں سکھائے جا سکتے۔ غیر افسانوی نثر پارے اس طریقے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

۲۔ صرف مختصر جماعت کے لیے قابلِ عمل:

مظاہراتی طریقہ محض کم تعداد والی جماعتوں کے لیے موزوں ہے۔ اگر جماعت میں طلبہ زیادہ ہوں تو:

(الف) تمام طلبہ کو مظاہرے میں شامل کرنا ممکن نہیں رہتا۔

(ب) کمزور بچوں کو مشقوں کے لیے مطلوبہ وقت میسر نہیں آ پاتا۔

(ج) معلم تمام بچوں پر انفرادی سطح پر یکساں توجہ دینے سے قاصر رہتا ہے۔

۳۔ تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی:

ہمارے یہاں بدقسمتی سے تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی ہے جبکہ مظاہراتی طریقہ اس امر کا متقاضی ہے کہ اساتذہ اس نوع کے طریقِ تدریس

میں مکمل مہارت حاصل رکھتے ہوں بصورتِ دیگر:

(الف) مبہم توضیح وتشریح کے نتیجہ میں طلبہ معلم کی بات درست اور مکمل طور پر نہیں سمجھ پائیں گے۔

(ب) معلم کا اپنا مثالی مظاہرہ معیاری نہیں ہوگا۔

(ج) معلم موثر طور پر بچوں کے مظاہرے کی نگرانی نہیں کر پائے گا۔

(د) غیر تربیت یافتہ استاد کی طرف سے مرتب کردہ جائزہ کو بھی تسلی بخش تصور نہیں کیا جا سکتا۔

مظاہراتی طریق میں بہتری کی تجاویز:

متذکرہ مسائل کے پیشِ نظر سفارش کی جاتی ہے کہ مظاہراتی طریقِ تدریس کو اپناتے وقت درج ذیل نکات کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے:

۱۔ ہر سبق کو زبردستی اس طریقہ کے استعمال سے نہ پڑھایا جائے۔

۲۔ بڑی تعداد کی جماعتوں میں اس طریقے کا اطلاق نہ کیا جائے۔

۳۔ اس طریقہ کو اپنانے سے قبل اساتذہ کو مطلوبہ تربیت فراہم کی جائے۔

ان نکات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مظاہراتی طریقِ تدریس سے درست طور پر مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

سبق نمبر: ۷
تدریسی طریقے۔ ۲

ذیلی موضوع نمبر: ۷۔۳۔

فکری طریقِ تدریس:

ابتدائی سطح سے اعلیٰ سطحی تعلیم میں فکری طریقِ تدریس کو ایک موثر طریقے کے طور پر اپنایا جاتا ہے۔

''فکری طریق کی بنیاد فکر انگیزی پر ہے۔ یعنی طلبہ کو کسی موضوع، سوال یا مسئلے کے حوالے سے سوچنے پر اکسانا۔''

گویا اپنی رائے نافذ کرنے کی بجائے بچوں کو سوچنے پر ابھارنا، تاکہ وہ اپنی سوچ اور سطح کے مطابق کسی موضوع کے حوالے سے اپنی رائے مرتب کر سکیں، کسی سوال کا جواب تلاش کر سکیں اور کسی مسئلے کا حل نکالنے پر قادر ہو سکیں۔

فکری طریقِ تدریس کی ترتیب:

کسی بھی جامع تدریسی طریقے کی طرح فکری طریقِ تدریس کی ایک خاص ترتیب ہے جسے اپنائے بغیر اس تدریسی طریقے سے درست طور پر مستفید نہیں ہوا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں ذیلی ترتیب کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ موضوع، سوال یا مسئلہ کا تعارف:

کسی بھی موضوع، سوال یا مسئلہ پر بات کرنے کے لیے سب سے پہلے اس کا مناسب حد تک تعارف کروانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں معلم کو ذیلی نکات کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے:

(الف) معلم سب سے پہلے با آوازِ بلند موضوع، سوال یا مسئلے کا اعلان کرے تاکہ سب بچے جان جائیں کہ وہ کس حوالے سے گفتگو کرنے جا رہے ہیں۔

(ب) متذکرہ اعلان کے بعد معلم اعلان کردہ موضوع، سوال یا مسئلہ کو جلی حروف میں تختۂ تحریر پر لکھے تاکہ وہ بچے جو درست طور پر معلم کے الفاظ نہیں سن پائے، تختۂ تحریر پر لکھی ہوئی تحریر کے ذریعے موضوعِ گفتگو کو جان لیں۔

(ج) موضوع، سوال یا مسئلہ کے اعلان کے بعد معلم زیرِ بحث موضوع کا مختصر تعارف کروائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بالخصوص ابتدائی سطح پر بچے ہر موضوع پر تعارفی آگہی کے بغیر گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ معلم موضوع کے حوالے سے بنیادی نکات کی وضاحت کرے لیکن فیصلہ کن رائے ہرگز نہ دے تاکہ بچوں کا ذہن معلم کی رائے تک محدود نہ ہو پائے۔

۲۔ طلبہ کی آرا:

معلم کے ابتدائی تعارف کے بعد موضوع، سوال یا مسئلہ کو طلبہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور طلبہ آزادانہ طور پر اس کے حوالے سے اپنی آرا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ذیلی نکات کا خیال رکھنا چاہیے:

(الف) طلبہ کی آرا کو ہر ممکن حد تک مختصر ہونا چاہیے تا کہ کم وقت میں زیادہ آرا سامنے آسکیں۔

(ب) آرا کی ترتیب پر زور نہ دیا جائے۔ ترتیب پر زور دینے کے نتیجہ میں طلبہ الجھ کر رہ جائیں گے اور وہ بہت سی باتیں یا آرا جو بے ہنگم انداز میں طلبہ کے ذہن میں آتی ہیں، جماعت کے سامنے نہیں آپائیں گی۔

(ج) کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ کو رائے دینے پر ابھارا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ آرا سامنے آسکیں اور وہ طلبہ جو گفتگو کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں، وہ بھی بات کرنے پر آمادہ ہوسکیں۔

(د) غیر متعلقہ یا غلط رائے پر حوصلہ شکنی قطعاً نہ کی جائے۔ ایسا کرنے سے طلبہ آئندہ ایسے مباحث میں شرکت سے گھبرانے لگیں گے۔

(ہ) ہر ممکن حد تک تمام طلبہ کی آرا تختۂ تحریر پر درج کی جائیں یا چارٹ کا استعمال کیا جائے تا کہ تمام طلبہ کی آرا ریکارڈ پر آجائیں۔ اس سے طلبہ کو شرکت کا احساس بھی رہے گا اور وہ دوسروں کی آرا کو بھی ذہن نشین کر پائیں گے۔

۳۔ تکمیل کے لیے آرا کی ترتیب:

تیسرے مرحلہ میں گفتگو کو سمیٹنے کی غرض سے آرا کو ترتیب دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ذیلی نکات ذہن نشین رہنے چاہئیں:

(الف) پہلے اہم اور متعلقہ آرا کی فہرست سازی کی جائے تا کہ غیر متعلقہ اور غیر اہم آرا الگ ہو جائیں۔

(ب) فہرست سازی میں اختصاصی سے عمومی کی طرف سفر کیا جائے۔ یعنی پہلے بنیادی معلومات کو ترتیب دیا جائے اور بعد میں اضافی معلومات درج کی جائیں۔

(ج) آخر میں مجموعی تصحیح کی جائے اور سب طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

متذکرہ ترتیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، فکری طریقِ تدریس سے بہت سے مقاصد کا حصول ممکن ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۳۸۔

فکری طریقِ تدریس کے فوائد:

جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ: ''فکری طریقے کی بنیاد فکر انگیزی پر ہے۔ یعنی طلبہ کو کسی موضوع، سوال یا مسئلہ کے حوالے سے سوچنے پر اکسانا۔''

مستقل غور و فکر کی مشق سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ نئے خیالات کی تشکیل:

دوسروں کی آرا سننے کے نتیجہ میں بہت سی وہ باتیں بھی ذہن میں آجاتی ہیں جو بصورتِ دیگر معلوم ہونے کے باوجود ہمارے ذہن میں نہیں آتیں۔

مثلاً ابتدائی سطح پر اگر مضمون ''میرا وطن'' بذریعہ فکری طریقِ تدریس پڑھانا مقصود ہو تو معلم بچوں کو متذکرہ موضوع کے حوالے سے آرا دینے پر ابھارے گا اور بچے ذیلی صورت میں اپنی آرا یا معلومات کا اظہار کریں گے:

طالبعلم ا: ''پاکستان میرا وطن ہے''

طالبعلم ۲: ''پاکستان چودہ اگست ۱۹۴۷ کو آزاد ہوا''

طالبعلم ۳ ''قائدِ اعظم پاکستان کے بانی ہیں''

طالبعلم ۴: ''علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں''

یوں طلبہ کے ذہن میں فراموش شدہ باتیں اور نکات بھی آتی جائیں گی۔

۲۔ شراکت کی حوصلہ افزائی:

چونکہ فکری طریق کی بنیاد ہی طلبہ کی شراکت ہے اس لیے شراکتی عمل کی حوصلہ افزائی ہونا ایک فطری عمل ہے۔شراکت کی حوصلہ افزائی سے درج ذیل مثبت نتائج حاصل ہوتے ہیں:

(الف) جماعت میں خاص و عام طلبہ کی تفریق ختم ہوجاتی ہے اور تمام طلبہ برابری کی سطح پر عملِ تعلم میں شریک ہوتے ہیں۔

(ب) رائے دیتے وقت، طلبہ کو غلطی کرنے کا خوف نہیں رہتا۔ بہت سے طلبہ اپنے اسی خوف سے جماعتی گفتگو میں شرکت نہیں کرتے۔ البتہ جب انہیں اس بات کی یقین دہانی ہوجائے کہ مسئلہ غلط یا درست رائے کا نہیں، ان کے رائے دینے کا ہے، تو وہ بلا خوف وخطر بات کرتے ہیں۔

(ج) غلطی کا خوف ختم ہوجانے کے نتیجہ میں طلبہ میں بولنے کی جرات پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت بذاتِ خود بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ہم اپنی بات اس وقت تک دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے جب تک ہمیں بولنے پر مہارت حاصل نہ ہو اور جب تک ہم بلا خوف وخطر روانی سے اپنی بات کہنے پر قادر نہ ہوں۔

(د) یوں طلبہ، تعلمی عمل میں شرکت کرتے ہیں۔

۳۔ مسابقت کی فضا:

فکری طریقِ تدریس کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس سے طلبہ میں مسابقت اور مقابلہ کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہتے ہیں یوں ذیلی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(الف) پچھلے نشستوں پر بیٹھنے والے خاموش طلبہ بھی مقابلہ میں شریک ہونے کی غرض سے گفتگو میں حصہ لینے لگتے ہیں یوں تمام طلبہ تعلمی عمل میں شریک ہوجاتے ہیں۔

(ب) مقابلہ کی فضا پیدا ہوجانے سے مجموعی جماعتی ماحول بہتر ہوجاتا ہے اور بچے لامحالہ پڑھائی کی طرف توجہ دینے لگتے ہیں

(ج) مقابلہ کی فضا پیدا ہونے سے طلبہ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے شوق میں اضافی مطالعے کی طرف راغب ہوتے ہیں تاکہ جماعت میں وہ معلم کے قریب تر ہوسکیں۔

۴۔ ذہن نشین کرنے میں معاون:

فکری طریق اسباق اور موضوعات کو ذہن نشین کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔اس کے بنیادی محرکات درج ذیل ہیں:

(الف) جماعت میں پیش کردہ آرااور معلومات طلبہ کی ذہنی اور جماعتی سطح کے مطابق ہوتے ہیں۔ظاہر ہے اپنی عمر اور ذہنی سطح کے مطابق معلومات کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔

(ب) گفتگو کے نتائج بھی طلبہ کی سطح کے مطابق ہوتے ہیں اسی لیے انہیں یاد رکھنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

(ج) ایک موضوع پر مسلسل گفتگو سے باتیں دہرائی بھی جاتی ہیں۔یہ عمل بھی ذہن نشینی میں معاون ہوتا ہے۔

المختصر فکری طریقِ تدریس کو درست طور پر اپنا کر،اس سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔یہ طریقہ ابتدائی سے اعلیٰ سطح کی تعلیم میں یکساں طور پر مفید ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۳۹۔

فکری طریقِ تدریس کے مسائل اور ان کا حل:

کسی بھی تصور یا طرزِ عمل کی طرح فکری طریقِ تدریس میں بھی کچھ مسائل پائے جاتے ہیں۔یہاں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان مسائل کے ازالہ کی تجاویز بھی دی گئی ہیں:

۱۔مرکزیت کا فقدان:

کہا جاتا ہے کہ فکری طریق میں بے ہنگم انداز میں طلبہ کو محض مستقلاً بولنے پر اکسایا جاتا ہے اور وہ کسی سود و زیاں کے بغیر بولتے جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ:

(الف) طلبہ کو رائے دینے کی آزادی ہوتی ہے۔وہ معلم کی حوصلہ افزائی کا یہ مطلب نکال لیتے کہ محض رائے دینا ہی کافی ہے۔

(ب) نتیجتاً بہت سی آرا بالکل بیکار اور غیر متعلقہ ہوتی ہیں جن سے سوائے وقت کے زیاں کے،اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔مقاصد کا سطحی حصول

فکری طریق کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس سے مقاصد کا سطحی حصول ہی ممکن ہو پاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ:

(الف) نتائج کا دارومدار طلبہ کی معلومات پر ہوتا ہے اگر طلبہ زیادہ معلومات نہ رکھتے ہوں تو نتائج کا معیار بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔

(ب) طلبہ کی گفتگو بالعموم لاسمتی کا شکار ہو جاتی ہے۔ایسے میں تعلیمی مقاصد کے تسلی بخش حصول کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

۳۔تفہیمی ابہام کا خدشہ

چند ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ بالخصوص ابتدائی سطح پر فکری طریقِ تدریس سے تفہیمی ابہام کا خدشہ رہتا ہے کیونکہ:

(الف) یہ طریقہ بسا اوقات انتہائی غیر مرتب ہو جاتا ہے اس لیے طلبہ بہت کچھ دیکھتے اور سنتے تو ہیں لیکن ان کو سمجھ کم باتیں ہی آپاتی ہیں۔

(ب) کمزور طلبہ کے لیے یہ طریقہ مزید مشکلات کا باعث بنتا ہے کیونکہ ذرا سی بے ترتیبی،ان کے لیے تفہیمی عمل مشکل تر کر دیتی ہے۔

بہتری کی تجاویز

ان مسائل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ابتدائی سطح کی تعلیم میں فکری طریقہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ذیلی نکات پر عمل کرتے ہوئے ہم بالائی مسائل کا حل نکال سکتے ہیں:

۱۔موضوع، سوال یا مسئلہ کا تعارف قدرے تفصیلی کروایا جائے تا کہ بچے سہی طور پر زیرِ بحث نکتہ کو سمجھ جائیں۔

۲۔معلم گاہے گاہے بچوں کی رہنمائی کرتا جائے تا کہ گفتگو زیادہ بے ہنگم نہ ہونے پائے۔ ایسا کرنے سے وہ دورانِ گفتگو بھی بہت سی وضاحتیں کر سکتا ہے۔

۳۔کمزور طلبہ کی زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے اور انہیں بولنے کا زیادہ موقع دیا جائے۔

۴۔غیر متعلقہ آرا الگ نوٹ کی جائیں تا کہ بچوں کی حوصلہ شکنی کے بغیر انہیں یہ علم ہو جائے کہ الگ لکھی جانے والی آرا غیر متعلقہ سمت کی طرف لے جاتی ہیں۔

۵۔بچوں کو اضافی مطالعہ پر ابھارا جائے تا کہ ان کی معلومات میں بہتری آئے اور وہ زیادہ مدلل گفتگو کر سکیں

مذکورہ نکات پر عمل کر کے ہم ہر سطح پر فکری طریقِ تدریس کو موثر طور پر اپنا سکتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۰۔

تحلیلی و ترکیبی طریقِ تدریس:

ابتدائی سطح کی تعلیم میں زبان کی تدریس کا ایک موثر طریقہ تحلیلی و ترکیبی طریقِ تدریس ہے۔

"تحلیل کے معنی حل کر دینا یا توڑ دینا کے ہیں جبکہ ترکیب کا لفظ 'مرکب' سے ہے جس کے معنی جوڑنے کے ہیں۔
اصطلاحاً تحلیلی و ترکیبی طریقِ تدریس سے مراد زبان سکھانے کا وہ طریقہ ہے جس میں حروف ، الفاظ، جملے اور عبارت توڑ جوڑ کے ذریعے سکھائی جاتی ہے۔"

تحلیلی طریقہ

تحلیلی طریقہ میں ساخت شکنی کے اصول کے تحت عبارت سے حرف تک کا سفر کیا جاتا ہے۔یعنی عبارت سے جملہ، جملہ سے لفظ اور پھر لفظ سے حرف تک پہنچتے ہیں۔مثلاً، لفظ سے حرف تک کا سفر یوں کیا جاتا ہے۔

بچے کو پہلے بابا، باجا وغیرہ سکھایا جائے گا بعد میں ان الفاظ کو توڑ کر 'با با' اور 'با جا' تک کی ساخت شکنی ہوگی۔ پھر ان اجزا کو مزید توڑ کر حروف سکھائے جائیں گے۔

ترکیبی طریقہ

ترکیبی طریقہ میں تحلیلی طریقہ کے بالکل الٹ چلا جاتا ہے۔ چنانچہ، ترکیبی طریقے کی ترتیب حرف سے عبارت کی طرف بڑھتی ہے۔

مثلاً، بچے کو پہلے حروفِ تہجی یاد کروائے جائیں گے بعد میں حروفِ تہجی کی اشکال یاد کروائی جائیں گی پھر الفاظ، جملوں اور عبارت کے مراحل آئیں گے۔

طریقِ بین وگو

طریقِ بین وگو بھی تحلیلی وترکیبی طریقے کی ایک شکل کہی جاسکتی ہے۔

''بین کے معنی ہیں دیکھنا اور 'گو' کا لفظ گویائی سے ہے جس کے معنی بولنے کے ہیں۔ چناچہ 'بین وگو' سے مراد ہے دیکھو اور بولو'

تحلیلی وترکیبی اور طریقِ بین وگو، دونوں میں ابتدائی سطح پر بچوں کو لکھنا پڑھنا اور بولنا سکھایا جاتا ہے۔ البتہ تحلیلی وترکیبی طریقے کا دائرہ کار لکھنے پڑھنے پر زیادہ مرتکز ہے جبکہ طریقِ بین وگو میں بولنے پر زور دیا جاتا ہے۔

مثلاً تحلیلی وترکیبی طریقے میں لفظ 'طوطا' لکھا ہوا دکھایا جائے گا اور پھر اس کی ترکیب یا تحلیل کے مراحل ہوں گے جبکہ طریقِ بین وگو میں طوطا لکھا نہیں جائے گا بلکہ تصویری صورت میں دکھا کر بچوں کو بولنے پر اکسایا جائے گا۔

یاد رہے کہ تحلیلی اور ترکیبی طریقے ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال نہیں ہوتے بلکہ لسانی مہارتوں میں پختگی کے لیے دونوں کا استعمال بین بین بھی کیا جاسکتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر۔۴۱

توضیح و تشریح:

کسی بھی تدریسی طریقے کا بنیادی مقصد تفہیمی عمل کو موثر بنانا ہوتا ہے۔

> ''عملی اور سمعی وبصری معاونات کے استعمال کے بغیر زبانی وضاحت اور تشریح کے ذریعے تفہیمی عمل کی تکمیل توضیح وتشریح کہلاتی ہے۔''

عملی یا سمعی وبصری معاونات کی ممانعت کا یہ مطلب ہے کہ معلم مظاہراتی طریقہ کا استعمال نہ کرے جو کہ عملی معاونت کی ذیل میں آتا ہے جبکہ طریقِ بین وگو کا استعمال بصری معاونت کی مثال ہوسکتی ہے۔ توضیح وتشریح میں معلم اپنی گفتگو سے تفہیمی عمل مکمل کرتا ہے۔

توضیح وتشریح کو موثر بنانے کے لیے درج ذیل نکات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ سبق کی تقسیم

معلم کو چاہیے کہ وہ نظم ونثر یا قواعد وانشا کو چھوٹے چھوٹے اجزا میں تقسیم کرلے تاکہ وضاحتی عمل آسان ہوجائے اور بچے اسے درست طور پر سمجھ لیں۔ اس سلسلہ میں سبق کی تقسیم دو طرح سے ہوسکتی ہے۔

اول یہ کہ سبق کو طوالت کے اعتبار سے اقتباسات یا صفحات میں تقسیم کیا جائے۔

دوم یہ کہ سبق کو موضوع کے حوالے سے توڑا جائے۔ ایسا کرنا طویل نثری اسباق یا منظومات میں زیادہ ممکن ہوتا ہے۔

۲۔ الفاظ معنی کی وضاحت

زبان کی تدریس میں الفاظ معنی کو ناقابلِ فراموش اہمیت حاصل ہے۔ نظم ونثر پڑھاتے وقت معلم کو چاہیے کہ وہ سبق کے منتخب اجزا میں شامل مشکل الفاظ الگ لکھ لے اور وضاحتی عمل سے قبل ان الفاظ کی وضاحت کردے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ بچے نظم ونثر سے زیادہ

لطف اندوز ہو پائیں گے دوسرا ان کے ذخیرہِ الفاظ میں عمدہ اضافہ ہوگا۔اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

(الف) تختۂ تحریر کا موثر استعمال کیا جائے۔تمام مشکل الفاظ اور ان کے معنی تختۂ تحریر پر درج کیے جائیں۔

(ب) الفاظ کے معنی کی وضاحت کرتے وقت آسان مثالوں کا استعمال کیا جائے۔

۳۔ پس منظر اور پیش منظر کی وضاحت

توضیح وتشریح کے عمل میں پس منظر اور پیش منظر کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ پس منظر یا پیش منظر کا تعلق صرف نظم یا نثر سے نہیں۔منقسم اقتباسات کا پس منظر اور پیش منظر بتانے سے غیر شعوری سطح پر اعادہ کا عمل ہوتا چلا جائے گا۔یوں ذہن نشین کرنے میں بچوں کو سہولت رہے گی۔

۴۔ اجزا کی تشریح

سبق کی تقسیم، الفاظ معنی کی وضاحت اور پس منظر و پیش منظر کی صراحت کے بعد طے کردہ اجزا کی تشریح کا مرحلہ آتا ہے۔اس سلسلہ میں دو امور کا مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(الف) منتخب جزو کا پہلے آسان لفظوں میں خلاصہ پیش کیا جائے۔نظم ہونے کی صورت میں بند یا منتخب اشعار کو آسان نثر میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(ب) سادہ و سلیس وضاحت کے بعد جامع وضاحت کا مرحلہ آتا ہے۔اس مرحلے پر معلم کو تمام متعلقہ مثالوں کا سہارا لینا چاہیے۔

۵۔ نظم و نثر کا مرکزی خیال

سبق کے اختتام پر ضروری ہے کہ:

(الف) پوری نظم یا نثر کا مختصر مرکزی خیال خلاصہ کی صورت میں پیش کیا جائے۔

(ب) یہ خلاصہ آسان اور سادہ زبان میں ہو۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۲۔

طریقِ ترجمہ:

تدریسی عمل میں ایک اہم طریقہ،طریقِ ترجمہ بھی ہے۔

''اصطلاحاً ترجمہ،ایک زبان کے متن کو دوسری زبان کے متن میں منتقل کرنے کے عمل کو کہتے ہیں،۔''

تدریسی عمل میں طریقِ طرجمہ کا استعمال صرف ثانوی زبان سکھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

تدریسی عمل میں طریقِ ترجمہ کی مختلف صورتیں

تحصیلِ زبان میں طریقِ ترجمہ کا استعمال مختلف سطوح پر مختلف انداز میں کیا جاتا ہے۔اس کی چند اہم صورتوں کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے:

۱۔ابتدائی سطح پر طریقِ بین و گو کا استعمال کرتے ہوئے طریقِ ترجمہ سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

مثلاً، اگر انگریزی بولنے والے بچے کو اردو سکھانا مقصود ہو تو مختلف اشیا دکھا کر پہلے رومن رسم الخط میں ''BAKRI'' لکھ کر بعد ازاں اردو رسم الخط میں 'بکری' لکھا جائے تو اس طرح انگریزی خواں بچے کو اردو میں مختلف اشیا کے نام سکھائے جا سکتے ہیں۔

۲۔ذخیرہِ الفاظ سے ایک قدم آگے بڑھ کر بات کی جائے تو رومن رسم الخط میں جملے لکھ کر جملہ سازی سکھائی جا سکتی ہے۔

مثلاً ''وہ باغ میں جاتا ہے۔'' "Wo baagh main jata hai"

۳۔مختصر مکالمات کی تکرار سے بھی ثانوی زبان کی تحصیل ممکن ہے۔اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ترجمہ شدہ مکالمات:

(الف) ایسے ہوں کہ ان سے بتدریج زبان سیکھنے والے کے ذخیرہِ الفاظ میں اضافہ ہو۔

(ب) مکالمات روزمرہ صورتِ احوال کے عین مطابق ہوں۔ایسا ہونے کی صورت میں ان جملوں کا مسلسل استعمال لسانی عادات سازی میں معاون ہوگا۔

۴۔مختلف اقتباسات کا ترجمہ کروا کر بھی ثانوی زبان کے طور پر اردو سکھائی جا سکتی ہے۔اس صورت میں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ تراجم سادہ سے بتدریج پیچیدہ کی طرف بڑھیں۔بصورتِ دیگر، ثانوی زبان کی تحصیل کا عمل مشکل تر ہو جائے گا۔

۵۔سمعی و بصری معاونات کا استعمال بھی طریقِ ترجمہ میں بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ تلفظ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور دوسری بات یہ کہ اشیا کو دیکھ کر یا جملہ سازی کو سن کر زبان سیکھنے کا عمل قدرے آسان ہو جاتا ہے۔

۶۔طریقِ ترجمہ کے ذریعے ثانوی زبان سکھانے کا روائتی طریقہ یہ رہا ہے کہ متعلمین کو ثانوی زبان کی صرف ونحو اور قواعد کے ذریعے زبان سکھانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔یہ طریقہ غلط نہیں ہے لیکن جدید ماہرین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ لسانی عادات میں ترقی اصول و ضوابط سے آگہی سے کہیں زیادہ عملی مشق سے ہوتی ہے۔اس لیے ترجمہ کے نظری اصولوں سے زیادہ ترجمہ کے عملی پہلوؤں پر زور دیا جانا چاہیے۔

مذکورہ نکات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، طریقِ ترجمہ کے ذریعے کسی بھی ثانوی زبان کی کامیاب تدریس ممکن ہے

سبق نمبر:۸۔
تدریسی طریقے ۳۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۳۔
مسئلی طریقِ تدریس:

تعلمی عمل کو موثر بنانے کے لیے ایک اہم طریقہ تدریس کا مسئلی طریقہ ہے۔اس طریقے کی بنیاد مسائل اوران کے حل پر ہے۔

''مسئلی طریقِ تدریس اس امر پر استدلال کرتا ہے کہ ہم مختلف مسائل سے گزر کر سیکھتے ہیں،اس لیے مسائل کی پیش کاری اوران کے حل پر اکسا کر تعلمی عمل کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔''

گویا، اس طریق میں بچوں کو مختلف مسائل سے گزار کر سکھایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں مسائل سے مراد کوئی مشکل یا دقت نہیں،'مسئلہ' کوئی بھی ایسی صورتِ حال ہوسکتی ہے جس میں بچوں کو کوئی خاص مقصد حاصل کرنے پر ابھارا جائے۔اسی طرح، کسی ہدف کے حصول پر ابھار کر بھی ہم دراصل مسئلی طریق سے گزر رہے ہوتے ہیں۔

مسئلی طریق اور زبان کی تدریس:

بالعموم مسئلی طریقہ سائنسی علوم کی تدریس میں زیادہ موثر اور موزوں ہوتا ہے البتہ زبان کی تدریس میں قواعد کی تدریس اور استحسانی اسباق میں اس طریقے کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔مثلاً، مرکبات یا واحد جمع کے اساسی اصول بتا کر بچوں کو کسی خاص اقتباس یا سبق سے مرکبات یا واحد جمع چننے کو کہا جاسکتا ہے۔ایسی صورت میں مرکبات اور واحد جمع کی شناخت ایک مسئلہ ہوگا۔

مسئلی طریق کی خصوصیات:

۱۔کامیاب اطلاق کے لیے ضروری ہے کہ پیش کردہ مسئلہ صاف اور واضح ہو۔یعنی اہداف کے تعاقب میں بچوں کو یہ ابہام نہ ہو کہ درحقیقت ہدف یا مسئلہ ہے کیا۔معلم کا فرض ہے کہ مسئلہ آسان اور واضح انداز میں طلبہ کے سامنے رکھا جائے۔

۲۔مسئلہ جماعتی سطح کے مطابق ہو۔معلم سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ جدت طرازی کے نشہ میں یہ بھول جائے کہ وہ کس سطح کے متعلمین کو پڑھا رہا ہے۔مزید یہ کہ اگر مسئلہ جماعتی سطح کے مطابق نہیں ہوگا تو نا صرف متعلمین ایسے تدریسی عمل سے تنگ آجائیں گے بلکہ تعلیمی مقاصد کا حصول بھی متاثر ہوگا۔

۳۔ضروری ہے کہ مسئلہ کی حدود وقیود کا تعین کیا جائے تا کہ بچے جانتے ہوں کہ انہیں کس حد تک حل تلاش کرنا ہے۔

۴۔مسئلہ عملی نوعیت کا ہو۔معلم کو ہر لحہ یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ زبان کی تحصیل ایک عملی سرگرمی ہے اس لیے اصول وضوابط یاد کروانے سے کہیں زیادہ زور اطلاقی صورت پر ہونا چاہیے۔یعنی یہ جان لینا کافی نہیں کہ تشبیہ کیا ہوتی ہے۔کسی خاص سبق میں تشبیہات کی تلاش اور شناخت اصل بات ہے۔اسی لیے مسئلہ کے عملی ہونے پر زور دیا جاتا ہے۔

۵۔مسئلہ دلچسپ ہو۔ظاہر ہے کہ طلبہ کسی ایسی سرگرمی میں بخوشی شریک نہیں ہوں گے جس میں انہیں دلچسپی نہ ہو۔دلچسپی اورآمادگی زبان کی تدریس کا پہلا اہم ترین اصول ہے جس کی یقین دہانی کے بغیر تدریسی عمل درست طور پر شروع ہی نہیں ہوسکتا۔

۶۔مسئلہ فکرانگیز ہو۔یعنی مسئلہ بچوں کوسوچنے پر ابھارے۔

۷۔مسئلہ افادیت کا حامل ہو۔گویا معلم بچوں کواس امر کی یقین دہانی کرائے کہ دیے گئے مسئلہ کوحل کر کے انہیں اپنی عملی زندگی میں فائدہ ہو گا۔اس حوالے سے ضروری ہے کہ بچوں کوواضح طور پر بتایا جائے کہ کسی خاص مسئلہ کے حل سے بچوں کوکون سا خصوصی فائدہ ہوگا۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۴۔

مسئلی طریق کے فوائد:

درست طور پر اطلاق کیا جائے تومسئلی طریق سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(الف) مطالعہ کی عادت

چونکہ مسئلی طریق کا زور اس امر پر ہوتا ہے کہ بچے اپنی کوشش اور کاوش سے مسئلہ کا حل تلاش کریں اس لیے یہ طریقہ اس بات کا ضامن ہے کہ اس سے بچوں میں مطالعہ کی عادت کوفروغ ملتا ہے۔مطالعہ کی عادت سے بچوں کی عمومی معلومات میں اضافہ ہوتا ہےاور وہ نصابی کتب سے ہٹ کرغیرنصابی کتب کا مطالعہ بھی کرنے لگتے ہیں۔

(ب) حاصل شدہ مواد کی ترتیب کا سلیقہ

مسئلی طریق میں بچوں کوزیرِ تحقیق موضوع کے حوالہ سے مختلف نوعیت کا مواد جمع کرنا پڑتا ہےاس لیےانہیں مواد کی جمع آوری کا سلیقہ آجاتا ہے۔وہ جان لیتے ہیں کہ اساسی اہمیت کے مواد کوکیوں کر جمع کیا جائے گااور نسبتاً کم اہم مواد کی جمع آوری کیسے ہوگی۔اسی طرح متعلمین یہ بھی جان لیتے ہیں کہ جمع شدہ مواد کوترتیب کیسے دیا جاتا ہے۔گویاانہیں حسنِ ترتیب کےفن سے آگہی حاصل ہوتی ہے۔

(ج) غیر جانبداری کا شعور

مسئلی طریق اس امر پر زور دیتا ہے کہ مسائل کے حل میں کسی بھی موڑ پرہمیں جانبداری کا شکارنہیں ہونا چاہیے۔ہمارا نکتۂ نظر معروضی ہونا چاہیے۔گویا قابلِ ترجیح یہ نہیں کہ ہم اپنی پسند، ناپسند پر فیصلہ کریں۔ضروری یہ ہے کہ ہم آزمائشی بنیاد پرفیصلہ کریں اورآزمائشی مرحلہ میں تعصب سے پرہیز کیا جائے۔

(د) کامل تفہیم

مسئلی طریق کاایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی تفہیم جامع اور مکمل ہوتی ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں۔پہلی یہ کہ مسئلہ کا حل متعلمین کے تجربات کا حل ہوتا ہے۔یعنی جوبھی نتیجہ آئے، متعلمین کی اپنی کاوش کا نتیجہ ہوتا ہے۔دوسرا یہ کہ یہ تفہیم ،فکرانگیزی کا ثمر ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ مسئلہ کے حل کے لیے بچوں کوسوچنا پڑتا ہےاور وہ نتیجہ جس پر ہم سوچ سمجھ کر پہنچیں، ہمیں ہمیشہ یاد رہتا ہے۔

(ہ) قوتِ مشاہدہ میں اضافہ

مسئلی طریق کا ایک بڑا فائدہ قوتِ مشاہدہ میں اضافہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ متعلمین کو مستقلاً سوچنے اور تفکر کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اور اس کا دوسرا سبب عملیت پسندی ہے۔ جو لوگ عمل پر زیادہ یقین رکھتے ہوں ان کی قوتِ مشاہدہ مقابلتاً بہتر ہوتی چلی جاتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۴۵۔

مسئلی طریق کے مراحل:

زبان کی تدریس میں مسئلی طریق کا استعمال اگرچہ محدود نوعیت کا ہے بہرحال اس کا اطلاق کر کے ہم زبان کی تدریس میں بھی بہت سے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ زبان کی تدریس میں زیرِ نظر طریقہ کا استعمال مختلف طرح سے کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً، وقوفی یا معلوماتی اسباق میں مختلف قواعد کا علم اس طریقہ سے دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ذوقی یا استحسانی اسباق میں نظم و نثر کی تفہیم کے لیے بھی اس طریقہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں درج ذیل مراحل کی ترتیب لازمی ہے:

(الف) مسئلہ کا تعارف

سب سے پہلے مرحلہ میں معلم مسئلہ کا تعارف کرواتا ہے۔ یعنی اس مرحلے میں سبق کا تعارف کروایا جاتا ہے تاکہ بچوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کیا پڑھنے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں معلم کو چاہیے کہ مختصر سوال و جواب کے ذریعے بچوں کو دلی طور پر زیرِ مطالعہ سبق میں درپیش مسئلہ کی طرف راغب کرے۔

(ب) مسئلہ کی حدود کا تعین

سبق اور اس میں موجود مسئلہ سے آشنائی کے بعد معلم بچوں کو مسئلہ کی حدود سے آگاہ کرتا ہے۔ اس مرحلہ پر معلم بچوں کو بتاتا ہے کہ وہ حل تک رسائی کے کس حد تک ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً لغت کے استعمال سے آگہی، مہارتوں یا ضرب الامثال کے معنی، اشیا سے آگہی۔ یوں بچوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں کس حد تک تیاری کرنی چاہیے۔

(ج) مواد کی جمع آوری

مسئلہ کا حل تلاشنے کے لیے بچے مختلف نوعیت کا مواد جمع کرتے ہیں اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ انہیں ہر لحظہ استاد کی رہنمائی حاصل ہو تاکہ بار بار کی سردردی سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے۔ بصورتِ دیگر بچے غیر متعلقہ مواد بھی جمع کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں وقت اور توانائی کا زیاں ہوتا ہے۔ ابتدائی جمع آوری میں ضروری نہیں کے ترتیب کا لحاظ رکھا جائے۔ البتہ مواد جمع ہو جانے کے بعد معلم کو اپنی نگرانی میں مواد کو ترتیب دلانی چاہیے۔ بالخصوص ابتدائی سطح پر بچوں کی نگرانی بہت ضروری ہے۔ ورنہ مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو پائیں گے

واضح رہے کہ معلم کو صرف بطور نگران کام کرنا چاہیے۔ اسی طرح تفویض کردہ مسئلہ کے حل پر بھی متعلم کو خود کام پر اکسایا جائے۔ یہ حقیقت بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ بچوں کے والدین یا بڑے بہن بھائی خود ان کا کام کر دیتے ہیں۔ اس رویے کی ہر صورت میں حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سرگرمی کا مقصد محض سرگرمی کروانا نہیں ہے، ہم ایسی سرگرمیوں سے بچوں کی تربیت کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہر صورت میں صرف بچوں کے اپنے کام کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

(د)نتائج کی تیاری

مواد کی جمع آوری کے بعد تجزیے کا مرحلہ آتا ہے،اسی مرحلے پرنتائج سامنے آنے لگتے ہیں۔اسی مرحلہ کو ہم نتائج کی تیاری کا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔نتائج کی تیاری کے دوران بچوں کومختلف نوع کے تجزیاتی عمل سے گزارا جاسکتا ہے مثلاً:

۱۔ان سے مختلف سوال کیے جاسکتے ہیں۔

۲۔سمت کے غلط ہونے کی صورت میں تبادلہ خیال کیا جاسکتا ہے۔

۳۔اسی طرح غلطی ہونے کی صورت میں تصحیح کی جاسکتی ہے۔اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ مشفقانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

(ہ)جائزہ وپیمائش

مسئلہ کی پیش کاری اورتلاش وجستجو کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس سرگرمی سے بچوں کومطلوبہ مہارت حاصل ہوبھی پائی یانہیں۔اس سلسلہ میں بچوں کوجائزہ وپیمائش کے عمل سے گزارا جاتا ہے۔جائزہ وپیمائش کے لیے زبان کی تدریس میں:

۱۔بچوں سے الفاظ کے معنی پوچھے جاسکتے ہیں۔

۲۔مشکل الفاظ کے جملے بنوائے جاسکتے ہیں۔

۳۔نظم کی صورت میں اشعار کی تشریح کروائی جاسکتی ہے۔

۴۔نثر کی صورت میں، یعنی سرگرمی میں مرکزی کردار بچوں کودیا جائے۔

۵۔اقتباس کی سلیس کروائی جاسکتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۶۔

منصوبی طریقِ تدریس:

مسئلی طریق کی طرح منصوبی طریق بھی ابتدائی سطح پرزیادہ موثر نہیں ہوتا۔البتہ، جماعت سوم وچہارم کے بعد اس طریقے کا جزوی اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

''منصوبہ وہ عملی سرگرمی ہے جوکسی مسئلہ کی پیداوار ہو، جسے بچے آزادانہ طور پرخود سرانجام دیں اور جس کے لیے ذرائع اورساز وسامان درکار ہو۔''

منصوبہ کی بالائی تعریف سے تین پہلوسامنے آتے ہیں:

اول:منصوبہ کسی مسئلہ کی پیداوار ہو۔گویا بچوں کواحساس دلایا جائے کہ زیرِ نظر منصوبہ افادی نوعیت کا حامل ہے۔

دوم:بچے آزادانہ طور پرمنصوبہ کی تکمیل کریں

سوم:منصوبہ کی تکمیل کے لیے ذرائع اورساز وسامان درکار ہو

منصوبے کی خصوصیات:

کامیاب تدریسی عمل کے لیے منصوبہ کو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے:

(الف) مسئلہ کی پیداوار:

جیسا کہ پہلے بھی سفارش کی گئی کہ منصوبہ کے لیے کسی مسئلہ کا حامل ہونا ضروری ہے۔ بچوں کو جب تک یہ احساس نہ دلایا جائے کہ فلاں منصوبے کی تکمیل سے ان کا فلاں مسئلہ حل ہوسکتا ہے، اس وقت تک وہ فطری طور پر مجوزہ منصوبہ کی طرف راغب نہیں ہو پائیں گے۔ یہی افادی پہلو، ان کی دلچسپی بڑھانے میں کام آتا ہے۔

(ب) مستقل مطالعہ اور سرگرمی:

ہر تدریسی عمل کی بنیادی استقلال ہے۔ہم ہر حوالے سے متعلم کو مستعد اور چاک و چوبند دیکھنا چاہتے ہیں اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

اول: مجوزہ منصوبہ بچوں کو مستقل مطالعہ کی طرف راغب کرے۔

دوم: مطالعاتی تسلسل کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ منصوبہ بچوں کو تساہل پسند نہ بنائے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ منصوبہ مستقل سرگرمی کا حامل ہو۔

(ج) منصوبہ کی تشکیل اور طلبہ:

منصوبہ کی تکمیل میں بچوں کو حتی المقدور آزاد اور با اختیار ہونا چاہیے۔اس عمل سے ان کے اعتماد میں اضافہ تو ایک فطری اور اساسی عمل ہے، اس اختیار سے ان کی تخلیقی سلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں گی اور انہیں منصوبے کی ترتیب کا سلیقہ بھی آجائے گا۔

(د) درپیش مسئلہ کے حل کی نوعیت:

ضروری ہے کہ درپیش مسئلہ کی نوعیت نظری کی بجائے عملی ہو۔نظری نوعیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں صرف کسی موضوع کے حوالے سے اصول وضوابط کا علم ہو۔دوسری طرف عملی نوعیت کے معنی ہیں کہ ہمیں کسی مہارت کا پتہ چلے۔

تحصیلِ زبان میں وہی منصوبہ کامیاب ہوگا جو متعلمین کو عملیت پسندی کی طرف لے جائے گا۔

ذیلی موضوع نمبر: ۷۴۔

منصوبی طریق کے مراحل:

تدریسی عمل میں منصوبے دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔انفرادی منصوبہ ۲۔گروہی منصوبہ

انفرادی منصوبہ سے مراد وہ منصوبہ ہے جسے ایک طالبعلم تنہا مکمل کرتا ہے۔

گروہی منصوبہ اس منصوبے کو کہا جاتا ہے جس کی تکمیل میں ایک سے زائد طلبہ مل کر کام کرتے ہیں۔

دونوں طرح کے منصوبوں کے مراحل یکساں ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مقاصد کا تعین

منصوبی طریقہ کا سب سے پہلا مرحلہ مقاصد کا تعین ہے۔یعنی سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ جو منصوبہ تجویز کیا گیا ہے اس کی افادیت کیا ہے اور اس کی تکمیل سے کیا حاصل ہو گا نیز کس نوعیت کی مہارت کا حصول مقصود ہے۔

اس سلسلہ میں معلم کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔معلم ہی اس امر کی راہنمائی کرتا ہے کہ طے کردہ مقاصد کس حد تک متعلقہ ہیں اور کس حد تک ان کا حصول ممکن ہے۔

۲۔ تفصیلی خاکہ کی تشکیل

مقاصد کا تعین کر لینے کے بعد تفصیلی خاکہ کی تشکیل کا مرحلہ آتا ہے۔اس مرحلہ پر درج ذیل نکات مدِ نظر رہنے چاہییں:

(الف) اس امر پر عمومی غور و فکر کیا جائے کہ ہم کیا کرنے جا رہے ہیں۔ ماہرینِ تعلیم متفق ہیں کہ عملاً کام شروع کرنے سے پہلے زیرِ نظر منصوبے پر غور و فکر کیا جائے۔ ہم جس قدر موضوع کے ساتھ بسر کرتے ہیں یعنی جس قدر موضوع پر سوچتے ہیں اس قدر ہی نئے نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ان نکات کی روشنی میں ہی تکمیلی اقدامات کا تعین ہوتا ہے۔

(ب) کوشش کی جائے کہ پیشگی ان مسائل کا علم ہو جائے جو منصوبہ کی تکمیل میں مشکلات کا باعث بن سکتے ہیں۔

(ج) ان کوتاہیوں یا کمزوریوں پر نظر رکھی جائے جو دورانِ عمل ہماری نظروں سے اوجھل رہ گئی ہوں۔

(د) منصوبے کی عملی کارروائی سے قبل کمرۂ جماعت میں بار بار منصوبے پر تبادلہ خیال کیا جائے تاکہ غیر شعوری طور پر فراموش ہو جانے والے نکات پر نظر کی جا سکے۔

۳۔ عملی تشکیل

عملی تشکیل کے مرحلہ پر پہلے سے تشکیل کردہ خاکہ کو عملی صورت دی جاتی ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل نکات کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(الف) اس امر کی یقین دہانی کر لی جائے کہ کیا مطلوبہ ذرائع اور ساز و سامان دستیاب کر لیا گیا ہے؟ کیونکہ مطلوبہ ساز و سامان کی دستیابی کے بغیر منصوبہ کی تکمیل کا تصور محال ہے۔

(ب) عملی تشکیل کے مقاصد پر نظر رہنا بھی ضروری ہے۔ یہ بات عموماً دیکھنے میں آئی ہے کہ عملی تشکیل کے وقت مقاصد کو نظر انداز کر کے ہم متعین مقاصد کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔

(ج) عملی تشکیل کے مرحلہ پر استاد کا کردار محدود نوعیت کا رہنا چاہیے۔اسے ہر چیز پر نظر رکھنی چاہیے لیکن حتی المقدور متعلمین کو بااختیار رکھنا چاہیے۔

۴۔ نتائج کا جائزہ

منصوبے کی تکمیل ہو جانے پر یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ منصوبہ کیا تھا؟ منصوبے کے مقاصد کیا تھے؟ اس سلسلہ میں طلبہ نے کیسا کام کیا؟ اور کیا منصوبے کے مقاصد حاصل ہو پائے؟

ان تمام سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لیے بھی طلبہ کو میدانِ عمل میں اتارا جانا چاہیے۔ گویا جائزہ یا پڑتال کے مرحلے پر بھی طلبہ کو

بااختیار کیا جائے۔
یہاں معلم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ طلبہ کو پڑتال یا جائزہ کے اساسی معیارات سے آگاہ کرے تاکہ وہ اپنے طور پر جائزہ لیتے ہوئے بھی عمومی اور مروجہ معیارات کو پیشِ نظر رکھیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۸۔

منصوبی طریقے کے مسائل:

منصوبی طریقہ دیکھنے میں بہت پرکشش نظر آتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے بچے عملیت پسندی کی طرف بڑھتے ہیں جس سے تعلیمی مقاصد بہتر طور پر حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اس طریقہ میں بہت سے مسائل بھی سامنے آتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ موزوں منصوبوں کی دستیابی

منصوبوں کی دستیابی اس طریقِ تدریس کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔اس کا ایک اہم ترین سبب غیر تربیت یافتہ اساتذہ ہیں۔ ہمارے یہاں اساتذہ کی تربیت کا عموماً خیال نہیں رکھا جاتا جس کے نتیجے میں اساتذہ کے لیے معیاری منصوبوں کی تلاش ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔طلبہ کی ذہنی سطح بھی معیاری منصوبوں کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ بچوں کے لیے معیاری منصوبوں کو سمجھنا ایک مشکل کام بن جاتا ہے۔نتیجتاً اساتذہ کو آسان منصوبوں کی تلاش کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ منصوبے تو بن جاتے ہیں لیکن تعلیمی مقاصد کا حصول نہیں ہو پاتا۔
طلبہ کا گھریلو پس منظر بھی اس سلسلہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ہر متعلم کا گھریلو پس منظر تعلیم یافتہ نہیں ہوتا جس کے باعث ان کی ذہنی سطح اپنی عمر اور جماعت سے کم تر رہ جاتی ہے۔

۲۔ نظم وضبط

منصوبی طریق میں نظم وضبط قائم رکھنا ایک مشکل کام ہے۔اس کا ایک سبب یہ ہے کہ اس طریقہ میں طلبہ کی آزادانہ سرگرمی پر زور دیا جاتا ہے۔آزادانہ سرگرمی کے باعث بچے نظم وضبط کی خلاف ورزیوں پر اتر آتے ہیں۔فطری طور پر ہر بچہ پابندیوں کو توڑنا چاہتا ہے اور جب اسے کسی سرگرمی میں آزادی کا احساس ہو جائے تو اس بات کے امکانات کم ہو جاتے ہیں کہ وہ نظم وضبط کی پاس داری کریگا۔ظاہر ہے جس سرگرمی میں مرکزی کردار ہی متعلمین کا ہوگا اس میں ضوابط کی پاسداری ایک مسئلہ رہے گی۔

۳۔ نصابِ تعلیم کا تسلسل

منصوبہ جات چونکہ بالعموم طویل ہوتے ہیں اور ہمارے نصاب میں منصوبہ جات کے لیے زیادہ وقت مہیا نہیں کیا جاتا اس لیے نصابِ تعلیم کا تسلسل بھی ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔
نصاب اس قدر طویل ہوتا ہے کہ اگر اساتذہ اس کی موثر تکمیل کرنا چاہیں تو منصوبوں کے لیے مناسب وقت نہیں نکلتا اور اگر منصوبوں پر توجہ دی جائے تو نصاب مکمل نہیں ہو پاتا۔

چونکہ نصاب سازی میں منصوبہ جات پر زیادہ توجہ نہیں دیا جاتی اس لیے نصاب کے مطلوبہ تقاضے بھی منصوبہ جات کے رستہ میں ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

منصوبوں جات میں شریک طلبہ کو زیادہ دلچسپی منصوبوں میں ہوتی ہے اس لیے وہ نصاب سے بے توجہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

یہ تمام عوامل ہل کر نصاب کے تسلسل کو متاثر کرتے ہیں۔

۴۔ نظام الاوقات میں بگاڑ

منصوبہ کی تکمیل تسلسل کی متقاضی ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہوتا کہ روز محض تیس چالیس منٹ منصوبے کے لیے مختص کردیے جائیں۔ چنانچہ نظام الاوقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

اس کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ والدین کے لیے بچوں کی سکول سے آمدورفت ایک مشکل کام بن جاتی ہے اور دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ طویل دورانیہ، منصوبہ پر صرف کرکے بچے وقت کی پابندی سے بے اعتنائی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

بہتری کی تجاویز

ان مسائل کے باوجود انتظامی نوعیت کے چند اقدامات کرلیے جائیں تو منصوبی طریقہ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ان مجوزہ اقدامات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ اساتذہ کو مناسب ترتیب فراہم کی جائے اور انہیں بالخصوص منصوبی طریقہ اور بالعموم دیگر تدریسی طریقوں سے آشنا کیا جائے تاکہ وہ معیاری منصوبے ترتیب دے سکیں۔

۲۔ نصابِ تعلیم میں ضروری ترامیم کی جائیں اور معیاری منصوبوں کے تکمیلی وقت کو مدِنظر رکھے ہوئے نصابی طوالت پر نظرِ ثانی کی جائے نیز نصاب میں منصوبہ جات کو مناسب جگہ دی جائے۔

۳۔ درست ہے کہ یہ طریقہ بچوں کو بااختیار بناتا ہے لیکن بچوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھ کر اور اساتذہ کی نگرانی کو موثر بناکر نظم وضبط اور نظام الاوقات کی تنظیم کے مسئلہ پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

سبق نمبر:۹۔
تدریسی طریقے ۴۔

ذیلی موضوع نمبر:۴۹۔

گروہی طریقِ تدریس:

''تدریس کا وہ طریقہ جس میں ایک سے زائد اساتذہ مل کر تدریسی عمل مکمل کرتے ہیں، گروہی طریقِ تدریس کہلاتا ہے''

تدریس کا گروہی طریقہ ایک جدید طریقہ ہے۔ ماہرینِ تعلیم کا خیال ہے کہ ایک سے زائد اساتذہ کو ایک مضمون کی تدریس پر مامور کر کے تعلمی عمل کو موثر اور دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔

گروہی تدریس کی مختلف صورتیں:

۱۔ ابتدائی تعلیم میں معلم اور معاون معلم کی موجودگی، گروہی تدریس کی ایک صورت ہے۔ جماعت اول سے پہلے پلے گروپ اور نرسری میں معلم کے ساتھ ایک معاون معلم کی موجودگی سے تدریسی اور انتظامی امور تقسیم کر دیے جاتے ہیں مثلاً:

(الف) معلم تعلیمی عمل پر نظر رکھنے کا ذمہ دار قرار پاتا ہے۔

(ب) معاون معلم نظم و ضبط قائم رکھنے کے فرائض انجام دیتا ہے۔

(ج) معاون معلم، معلم اور طلبہ دونوں کی مدد کرتا ہے۔

۲۔ ایک سے زائد اساتذہ اور ایک کمرۂ جماعت، گروہی طریق کی ایک جدید صورت ہے۔ اس طریقہ میں ایک سے زائد اساتذہ مل کر سبقی تقسیم کے ذریعے تعلمی عمل مکمل کرتے ہیں، جس کی عملی صورت یہ ہو سکتی ہے:

(الف) پہلا معلم سبق کا تعارف کرواتا ہے۔

(ب) دوسرا معلم سبق کی قرات کرتا ہے۔

(ج) تیسرا معلم الفاظ معنی کی وضاحت کرتا ہے۔

(د) چوتھا معلم تشریح اور وضاحت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

(ہ) آخر میں تمام معلمین اور طلبہ کے مابین تبادلۂ خیال ہوتا ہے۔

۳۔ ایک سے زائد معلمین اور مختلف جماعتی کمرے بھی گروہی تدریس کی ایک صورت ہے۔ اس میں تعلمی عمل ذیلی انداز میں مکمل کیا جاتا ہے:

(الف) سبق کو معلمین آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

(ب) طلبہ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

(ج) معلمین اور طلبہ اپنے اپنے گروہوں کے مطابق تفویض کردہ کمروں میں چلے جاتے ہیں۔

(د) معلمین اپنے اپنے تفویض کردہ سبقی ٹکڑوں کی تدریس کرتے ہیں۔

یوں سبق کے مختلف ٹکڑے بیک وقت طلبہ کے مختلف گروہوں کو پڑھائے جاتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۰۔

گروہی تدریس کے فوائد:

(الف) اساتذہ کو حاصل ہونے والے فوائد:

۱۔ گروہی طریقہ کو اختصاصی طریقہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں اساتذہ کو سب کچھ نہیں پڑھانا پڑتا۔ ہر معلم ہر شعبہ یا صنف میں یکساں مہارت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس طریقہ میں یہ سہولت موجود ہے کہ تدریس کے لیے اساتذہ اپنی مہارت کے مطابق اسباق یا سبقی ٹکڑوں کا انتخاب کر سکتے ہیں

۲۔ اس طریقہ میں اساتذہ کے لیے سیکھنے کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

۳۔ سیکھنے کے زیادہ مواقع میسر آنے کی وجہ سے اساتذہ کی تدریسی صلاحیتوں میں بہتری آتی ہے۔

۴۔ چونکہ اساتذہ مل کر تدریسی عمل مکمل کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لیے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ افہام وتفہیم سے کام کرنا پڑتا ہے۔ایسا کرنا نظم وضبط کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ گروہی تدریس سے اساتذہ کو تنظیم وترتیب کی عادت پڑتی ہے۔

۵۔ ایک سے زائد اساتذہ ہونے کے باعث طویل نصاب کے باوجود اساتذہ کو نصابی تکمیل میں بوجھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ سب معلمین مل کر نصاب کو تقسیم کر لیتے ہیں۔یوں ذمہ داری تقسیم ہوجاتی ہے۔

۶۔ گروہی تدریس سے اساتذہ کو اپنے تفویض کردہ کام پر ارتکاز کا زیادہ موقع ملتا ہے۔انہیں تمام نصاب کی بجائے صرف اپنے تفویض کردہ کام پر توجہ دینی پڑتی ہے۔

۷۔ اس طریقہ میں اساتذہ کا طلبہ سے رابطہ مضبوط ہوتا ہے۔

۸۔ طلبہ سے بہتر رابطہ کی وجہ سے فیڈ بیک میں بہتری آتی ہے کیونکہ اساتذہ اپنی کارکردگی پر طلبہ سے بہتر رابطہ کے بغیر نظرثانی نہیں کر سکتے۔

۹۔ ایک ہی مضمون مل کر پڑھانے سے اساتذہ ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اوران بہتر تعلقات کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے اپنے تدریسی مسائل پر مشاورت کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ کام تقسیم ہوجانے اورطلبہ سے بہتر تعلقات کی وجہ سے جائزہ وپیمائش کے معیار میں بہتری آتی ہے۔

(ب) طلبہ کو حاصل ہونے والے فوائد:

۱۔ بسا اوقات بچے ایک استاد سے پڑھنے کے دوران بوریت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس طریق کی گروہی نوعیت کے باعث طلبہ مذکورہ یکسانیت کا شکار نہیں ہوتے۔

۲۔ یکسانیت کے خاتمہ کے باعث طلبہ تدریسی اور تعلمی عمل میں زیادہ دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

۳۔ مختلف اساتذہ سے پڑھتے ہوئے طلبہ کو سبق ذہن نشین کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے کیونکہ ہر استاد اگرچہ اپنے تفویض کردہ ٹکڑوں کو پڑھانے پر ارتکاز کرتا ہے لیکن ہر ٹکڑے کو پڑھانے کے لیے کم از کم سبق کا تعارف ضرور کرواتا ہے۔ یوں یاد کرنے کا مرحلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے۔

۴۔ ایک سبق کو اگرچہ مختلف اساتزہ پڑھا رہے ہوتے ہیں تاہم ہر استاد اپنی اپنی سمجھ کے مطابق سبق کا تعارف کرواتا ہے جس سے تفہیمی عمل آسان تر ہو جاتا ہے۔

۵۔ ایک سے زائد اساتذہ ہونے کے باعث متعلمین کے سامنے مختلف نکتہ نظر آجاتے ہیں۔ یوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بچوں میں ذہنی وسعت پیدا ہوتی ہے۔

۶۔ مختلف نکتہِ نظر کے باعث بچوں کو سیکھنے کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔

۷۔ طلبہ کا اساتذہ سے زیادہ بہتر تعلق قائم ہوتا ہے کیونکہ ایک سے زائد اساتذہ ہونے کی صورت میں فی معلم طلبہ کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

۸۔ اساتذہ کی طرح طلبہ کو بھی تنظیم و ترتیب کی عادت پڑتی ہے۔

۹۔ ایک سے زائد اساتذہ ہونے کی صورت میں جماعت کی تعلیمی فضا بہتر ہو جاتی ہے اور تمام اساتذہ خوشگوار موڈ میں درس و تدریس کرتے ہیں۔

۱۰۔ جہاں اساتذہ اس امر پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں کہ گروہی تنظیم سے ان پر بوجھ کم ہو جاتا ہے اور وہ بہتر طور پر جائزہ و پیمائش کی ذمہ داری ادا کر پاتے ہیں وہیں طلبہ کے لیے بھی یہ امر اطمینان بخش ہوتا ہے کہ انہیں ان کے کیے ہوئے کام کا سہی اور درست نتیجہ ملتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۱۔

گروہی تدریس کے مسائل:

(الف) اساتذہ سے متعلقہ مسائل:

۱۔ گروہی تدریس ایسے اساتذہ کے لیے قدرے ناقابلِ عمل ہے جو اپنی شخصیت اور رویے میں غیر لچکدار ہیں۔

۲۔ اس طریقہ میں سبقی تیاری میں خاصہ وقت صرف ہو جاتا ہے۔

۳۔ گروہی تدریس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اسباق کی تقسیمی تدریس اور بیک وقت سبقی ٹکڑوں کی تدریس سے تدریسی عمل کسی حد تک عدم تسلسل کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴۔ وہ اساتذہ جو خود پر رائے زنی یا تنقید برداشت نہیں کر سکتے، وہ ایک دوسرے کے سامنے تدریس سے گھبراتے ہیں۔

۵۔ تدریسی اعتبار سے کمزور اساتذہ اپنی صلاحیتوں کے انکشاف کے خوف سے گروہی تدریس کو پسند نہیں کرتے۔

۶۔ گروہی تدریس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک سے زائد اساتذہ ہونے کے باعث اساتذہ میں اختیارات کی تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ صورت چند اساتذہ کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

۷۔ گروہی تدریس میں منصوبہ سازی اور تیاری میں چونکہ زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اس لیے اساتذہ زیادہ معاوضہ کی توقع کرتے ہیں۔

۸۔ گروہی تدریس ہر طرح کے اسباق کے لیے موزوں نہیں ہے۔ خاص طور پر ابتدائی سطح پہ بہت سے ایسے اسباق ہوتے ہیں جن کا اختصار سبقی تقسیم کا متقاضی نہیں ہوتا۔

(ب) طلبہ سے متعلقہ مسائل:

ا۔ ایک سے زائد اساتذہ ہونے کے باعث طلبہ کی توجہ سبق سے زیادہ اساتذہ کی سرگرمیوں پر ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں بچوں کی توجہ سبق کی طرف نہیں رہتی۔

۲۔ ابتدائی سطح پر ایک سے زائد اساتذہ ہونے کے باعث بچوں کو لامرکزیت کا احساس رہتا ہے۔

۳۔ اساتذہ کے نکتۂ نظر میں اختلاف ہونے کی صورت میں بچوں کے لیے تفہیمی عمل مشکل ہو جاتا ہے۔

۴۔ گروہی تدریس میں ایک خامی یہ کہی جاتی ہے کہ بچوں کی توجہ تمام نصاب پر نہیں رہتی۔ وہ گروہی تدریس کو سمجھنے میں خاصہ وقت ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

۵۔ وہ بچے جو نفسیاتی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں، ان کے لیے ایک سے زائد اساتذہ کی موجودگی نفسیاتی الجھاؤ کا باعث بن جاتی ہے۔

بہتری کی تجاویز:

ا۔ گروہی تدریس کو موثر طور پر استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ کی تربیت کی طرف توجہ دی جائے۔

۲۔ ہر استاد پر زور نہ دیا جائے کہ وہ گروہی تدریس کا حصہ بنے۔ صرف ان اساتذہ کو گروہی تدریس پر مامور کیا جائے جو بذاتِ خود اس کی طرف مائل ہوں۔

۳۔ ہر طرح کے طلبہ کو گروہی تدریس کے ذریعے تعلیم نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ طلبہ کی ذہنی سطح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہی گروہی تدریس کا استعمال کیا جانا چاہیے۔

۴۔ گروہی تدریس کو ہر سبق کی تدریس کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اسباق جو گروہی تدریس کے لیے مناسب نہ ہوں، ان میں اس طریقہ کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۵۲۔

امتزاجی طریقِ تدریس:

''مختلف تدریسی طریقوں کے امتزاج سے اختیار کیا جانے والا وہ تدریسی طریقہ جس میں کسی خاص طریقہ کی

پیروی کی بجائے تمام طریقوں سے استفادہ کیا جائے، امتزاجی طریقِ تدریس کہلاتا ہے۔"

امتزاجی طریقِ تدریس کی بنیاد:

امتزاجی طریقِ تدریس کی بنیاد درج ذیل نکات پر ہے۔

۱۔ بہت سے معلمین کسی ایک طریقِ تدریس کی ہمیشہ پاسداری کو خشک اور مشکل تصور کرتے ہیں چنانچہ امتزاجی طریقِ تدریس ایسے اساتذہ کو تدریسی طریقہ میں لچک فراہم کرتا ہے۔ وہ اپنی سہولت کے مطابق تدریسی تدریسی عمل کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔

۲۔ فطری طور پر ہم لگے بندھے سانچوں کی بجائے آزادانہ عمل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تدریسی طریقہ فطری میلان کے عین مطابق ہے۔

۳۔ درس وتدریس کا بنیادی مقصد طے شدہ تعلیمی مقاصد کا حصول ہے نہ کہ کسی خاص تدریسی طریقہ کی پاسداری۔ چونکہ امتزاجی طریقہ کسی خاص تدریسی طریقہ کی بجائے موثر تدریس پر زور دیتا ہے اس لیے اس کے ذریعے تعلیمی مقاصد کا حصول بہتر طور پر ممکن ہے۔

امتزاجی طریقِ تدریس کی خصوصیات:

امتزاجی طریقِ تدریس کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ طریقہ تمام اسباق کے لیے موزوں ہے۔

۲۔ اس طریقہ کا اطلاق ہر جماعت پر باآسانی کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اس طریقہ میں اساتذہ کے لیے سہولت ہے۔ وہ اپنی شخصیت اور مزاج کے مطابق تدریسی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔

۴۔ اس طریقہ میں طلبہ کی دلچسپی کے مطابق تدریسی طریقہ میں تبدیلی کی گنجائش نکل آتی ہے۔

۵۔ اس طریقہ میں تدریسی معاونات کا برمحل استعمال ممکن ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کسی خاص طریقہ میں بسا اوقات اپنی مرضی سے مطلوبہ تدریسی معاونات کا استعمال ممکن نہیں ہوتا۔

۶۔ اساتذہ کسی خاص تدریسی طریقہ کی پاسداری کی پریشانی کے بغیر نصاب کے مقاصد پر نظر رکھتے ہیں۔

۷۔ خالصتاً نصاب کے مقاصد پر نظر رکھنے کی وجہ سے نصاب کی موثر تکمیل ہو پاتی ہے۔

۸۔ لچکدار تدریسی طریقہ استعمال کرتے ہوئے طلبہ کی ہر اعتبار سے ذہنی اور جسمانی تربیت ممکن ہوتی ہے۔

امتزاجی طریقہ کے تقاضے:

لچکدار یا ملا جلا تدریسی طریقہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو چاہے اور جیسے چاہے پڑھا لے، اسے ہم امتزاجی طریقہ کہہ لیں گے۔ اس طریقہ کہ چند تقاضے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اس طریقہ کے درست استعمال کے لیے تربیتِ اساتذہ از حد ضروری ہے۔ کیونکہ تربیت یافتہ معلمین ہی اس امر کو طے کر سکتے ہیں کہ کب کونسا طریقہ درست ہوگا۔

۲۔ امتزاجی طریقہ چونکہ لچکدار ہے اور اس امر کا مدعی ہے کہ اساتذہ آزادانہ طور پر تدریسی معاونات کا استعمال کر سکتے ہیں اس لیے اس

بات کا خدشہ بھی رہتا ہے کہ اساتذہ غیر ضروری طور پر تدریسی معاونات کا استعمال کرنے لگیں۔ چنانچہ اساتذہ کو تدریسی معاونات کے درست اور برمحل استعمال سے آگہی بھی ہونی چاہیے۔

۳۔ تدریسی لچک اس امر کا تقاضا بھی کرتی ہے کہ اساتذہ طلبہ کی ذہنی اور نفسیاتی سطح سے آگہی رکھے ہوں تا کہ وہ اس کے مطابق تدریسی طریقہ کا تعین کر سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۵۴۔

امتزاجی طریقہ کی ترتیب اور مراحل:

امتزاجی طریقہ سے مراد من مرضی کا تدریسی عمل یا محض سہولت کے پیشِ نظر اختیار کیا جانے والا تعملی عمل نہیں ہے۔ اس کی مطلوبہ ترتیب یا مراحل کی پاسداری کے بغیر اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر امتزاجی طریقہ کے مجوزہ مراحل درج ذیل ہیں:

امتزاجی طریقہ کے مراحل:

۱۔ تیاری

(الف) زیرِ بحث موضوع یا مسئلہ کا تعارف تیاری کے مرحلے کا پہلا زینہ ہے۔ چنانچہ تعارف نپا تلا ہونا چاہیے۔

(ب) تعارف کو بسا اوقات محض اعلانِ سبق سمجھ لیا جاتا ہے۔ اعلانِ سبق کی اہمیت نا قابلِ فراموش ہے لیکن صرف اعلانِ سبق اور دو ایک ابتدائی جملوں سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ موضوع یا مسئلہ کی مطلوبہ وضاحت کی جائے۔

(ج) اس مرحلہ پر مقاصد اور متوقع نتائج معلم کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ یہ عمل معلم کو فیصلہ سازی اور اندازہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔

(د) تیاری کے مرحلے پر دورانِ تدریس زیرِ استعمال آنے والے تدریسی معاونات اور دیگر مطلوبہ عناصر بھی ترتیب دیتا ہے۔ چنانچہ اسی مرحلہ پر مطلوبہ تدریسی مواد کا خاکہ بناتا ہے۔

(ہ) مطلوبہ تدریسی مواد کا خاکہ بنا لینے اور اس کی دستیابی کے بعد معلم اس مواد کے استعمال کا طریقہ و ترتیب وضع کرتا ہے اور پھر تدریسی عمل سے گزرتا ہے۔

(و) آخر میں تیاری کے اس مرحلے پر اقدام جائزہ کا معیار متعین کرنا ہے۔ گویا طے کیا جاتا ہے کہ تدریسی عمل کو کن اصولوں کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔

۲۔ تشکیلی مرحلہ

تیاری کے مرحلہ کے بعد معلم تدریسی عمل کے میدان میں اترتا ہے۔ یعنی تدریس کا عملاً آغاز ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر ذہن نشین رہنے والے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(الف) تشکیلی مرحلہ پر معلم مختلف سرگرمیاں ترتیب دیتا ہے۔ ان میں سے چند سرگرمیاں اس کے اپنے گرد گھومتی ہیں اور کچھ کا محور و مرکز

بچے ہوتے ہیں۔

(ب) وسعتِ نظری اور بہتر نتائج کے لیے معلم بچوں کو اضافی مطالعہ پر ابھارتا ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ معلم کو بچوں کی ذہنی سطح کا درست علم ہو۔

(ج) معلم بچوں کی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس سے اسے تدریسی عمل پر نظرِ ثانی کرنے کا موقع بھی ملتا ہے اور متعلمین کے جائزہ اور پیمائشی سلسلہ میں بھی معاونت ہوتی ہے۔

(د) متذکرہ مشاہداتی عمل انفرادی سطح پر بھی ہوتا ہے اور گروہی سطح پر بھی۔ گویا معلم خود بھی مشاہداتی عمل سے گزرتا ہے اور بچوں کو بھی مشاہدے پر اکساتا ہے۔

(ہ) مختلف سرگرمیوں اور مشاہداتی عمل سے حاصل ہونے والی معلومات کو جمع کیا جاتا ہے اور حاصل شدہ معلومات کو ترتیب دیا جاتا ہے۔

۳۔ تکمیلی مرحلہ

(الف) تکمیلی مرحلہ میں بچے، معلم کی نگرانی اور آزادانہ طور پر کی جانے والی سرگرمیوں کے نتائج پیش کرتے ہیں۔

(ب) اس سلسلہ میں مذاکرات اور مباحث کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ سب بچوں اور گروہوں کے انفرادی اور اجتماعی طور پر حاصل شدہ نتائج سب کے سامنے آجائیں۔

۴۔ جائزہ

امتزاجی طریقہ کے آخری مرحلہ میں جائزہ اور پیمائش کا عمل ہوتا ہے۔

(الف) اس مرحلہ پر اولاً حاصل شدہ نتائج پر بحث کی جاتی ہے تاکہ تمام بچے جان جائیں کہ کوئی بچہ کس درجہ پر کیوں ہے۔ یہاں طلبہ کو اپنا موقف پیش کرنے اور دوسروں کو اپنے موقف کا دفاع کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔

(ب) آخر میں معلم حتمی نتائج کا اعلان کرتا ہے اور حاصل ہو جانے والے اور حاصل نہ ہونے والے مقاصد کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ آئندہ ان کے حصول کی کوشش بھی کی جاسکے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۵۴۔

تدریسی طریقوں کی درجہ بندی:

گزشتہ اوراق میں تدریسی عمل کو موثر بنانے والے مختلف تدریسی طریقوں کا مختصراً جائزہ لیا گیا۔ ان تدریسی طریقوں کو ارتکاز کی بنیاد پر دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ارتکاز کا مطلب یہ ہے کہ کس تدریسی طریقہ میں کون مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ چونکہ تدریسی عمل بنیادی طور پر معلم اور متعلم کے گرد گھومتا ہے اس لیے تدریسی طریقوں کو دو گروہوں، 'معلم ارتکاز تدریسی طریقے' اور 'طلبہ ارتکاز تدریسی طریقے' میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

معلم ارتکاز تدریسی طریقے:

''معلم ارتکاز تدریسی طریقوں سے مراد وہ طریقے ہیں جن میں تدریسی عمل کی زیادہ تر ذمہ داری معلمین پر ہوتی ہے کیونکہ وہ یا تدریسی عمل پر پوری طرح حاوی ہوتے ہیں یا تدریسی عمل ان پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔''

ان تدریسی طریقوں میں 'خطابیہ طریقِ تدریس'، 'تحلیلی وترکیبی طریقِ تدریس'، 'توضیحی وتشریحی طریقہ'، 'طریقِ ترجمہ'، اور 'گروہی طریقِ تدریس' شامل ہیں۔

خطابیہ طریقہ: کم از کم جماعت سوم کے بعد موزوں ہے۔

تحلیلی وترکیبی طریقہ: جماعت اول اور دوم کے لیے موزوں ہے۔

توضیحی وتشریحی طریقہ: جماعت دوم سے موزوں ہے۔

طریقِ ترجمہ: اس کا اطلاق ثانوی زبان سیکھنے والے طلبہ پر ہوتا ہے۔

گروہی طریقہ: ابتدائی اور ثانوی جماعتوں، دونوں میں قابلِ عمل ہے۔

طلبہ ارتکاز تدریسی طریقے:

''طلبہ ارتکاز تدریسی طریقوں میں وہ طریقے شامل ہیں جن میں تدریسی عمل کا زیادہ دارومدار طلبہ پر ہوتا ہے۔''

ان طریقوں میں 'مظاہراتی طریقِ تدریس'، 'مسئلی طریقِ تدریس'، 'منصوبی طریقِ تدریس' اور 'فکری طریقِ تدریس'، شامل ہیں۔

مظاہراتی اور فکری طریقے: تمام جماعتوں کے لیے موزوں ہیں۔

مسئلی اور منصوبی طریقے: جماعت پنجم سے موزوں ہیں۔۔

معلم اور متعلم ارتکاز طریقہ:

'امتزاجی طریقہ' کو معلم اور متعلم ارتکاز طریقہ کہا جاتا ہے۔اس میں تدریسی عمل یکساں طور پر دونوں پہ منحصر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ ہر جماعت کے لیے موزوں ہے۔

اگر امتزاجی طریقہ کا موثر استعمال کیا جائے تو یہ تمام طریقوں کا نمائندہ بھی بن جاتا ہے اور سب سے موثر بھی۔

سبق نمبر:۱۰

تدریسی معاونات ا۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۵۔

تدریسی معاونات کی اہمیت:

''تدریسی معاونات سے مراد وہ اشیائ، ذرائع اور ساز و سامان ہے جو معلم، تدریسی عمل کو زیادہ سے زیادہ موثر اور قابلِ تفہیم بنانے کیلئے استعمال کرتا ہے۔''

کامیاب تدریس کی بنیاد دلچسپی، آمادگی اور تحریک پر ہے اور تدریسی معاونات ان تینوں عوامل کے حصول کا اہم ذریعہ ہیں۔

تدریسی معاونات کی اہمیت:

ا۔ معاونات کا استعمال تدریسی عمل کو دلچسپ اور پر کشش بنا دیتا ہے۔ ابتدائی جماعتوں سے اعلیٰ تعلیم کے ہر مرحلہ پر دلچسپی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تدریسی عمل کو خشک ہونے سے [illegible]ار رکھنے کے عمل میں تدریسی معاونات کا کردار نا قابلِ فراموش ہے۔

۲۔ ابتدائی جماعتوں میں الفاظ کے معنی سمجھانے کے لیے تصاویر، اشیا کے ماڈل اور حرکی و بصری معاونات کا استعمال بہت موثر ہوتا ہے۔ معاونات کے استعمال سے ہی بالخصوص چھوٹے بچوں کے تصورات واضح ہو پاتے ہیں۔ یوں معنی کی مکمل سمجھ معاونات ہی سے آتی ہے۔

۳۔ ہم اپنے اردگرد کی اشیا سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں اور ان کی مثالوں سے سمجھائی گئی باتیں آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ اردگرد کی اشیاء اور مظاہر کا استعمال بھی تدریسی معاونات کے زمرے میں آتا ہے۔

۴۔ بصری اور سمعی معاونات کے استعمال سے بالخصوص ابتدائی سطح پر الفاظ کے ہجے اور تلفظ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۵۔ موثر تدریسی معاونات موثر تدریسی عمل کو تشکیل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں تحصیلِ زبان کا مرحلہ بہتر نتائج کا حامل ہو جاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۶۔

تختۂ تحریر:

''جماعت کے کمرے کے مرکزی مقام پر آویزاں سفید، سیاہ یا کسی بھی رنگ کا وہ بڑا تختہ جو لکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، تختۂ تحریر کہلاتا ہے۔''

تختۂ تحریر کی اہمیت:

ا۔ تدریسی معاونات میں تختۂ تحریر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے استعمال میں وقت کی بھی بچت ہے اور پیسے کی بھی۔ معلم کو بار بار بات بھی دہرانی نہیں پڑتی اور معیاری تختۂ تحریر بھی سستے داموں تیار ہو جاتا ہے۔

۲۔ تختۂ تحریر بنیادی معلومات کی وضاحت کے لیے بھی آسان ترین ذریعہ ہے۔ ہر معلم کو سب سے پہلے مضمون، تاریخ اور سبق کا عنوان

بتانا ہوتا ہے جو تختۂ تحریر پر لکھا جا سکتا ہے۔

۳۔ تختۂ تحریر پر موجود اندراجات کی وضاحت آسان ہو جاتی ہے۔ جب حروف کے ہجے بچوں کے سامنے جلی حروف میں لکھے ہوں یا اہم نکات سامنے موجود ہوں تو ابہام کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

۴۔ تدریسی عمل واضح اور غیر مبہم ہو تو فطری طور پر بچے پڑھائی میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۷۔

تختۂ تحریر کا استعمال:

اگرچہ تختۂ تحریر کا استعمال دورِ قدیم سے ہو رہا ہے اس کے باوجود ہمارے بہت سے اساتذہ تختۂ تحریر کے استعمال میں بنیادی امور کا خیال نہیں رکھتے جس کے باعث مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو پاتے۔ تختۂ تحریر کا استعمال کرتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ تختۂ تحریر پر ہمیشہ کشادہ اور بڑا بڑا لکھا جائے تاکہ سب سے پچھلی نشست پر موجود متعلم بھی با آسانی تحریر پڑھ سکے۔

۲۔ خوشخط اور صاف صاف لکھا جائے تاکہ متعلمین کو تحریر سمجھنے کے لیے زیادہ توانائی صرف نہ کرنی پڑے۔

۳۔ لکھتے وقت خیال رکھا جائے کہ چاک یا بورڈ مارکر کی آواز پیدا نہ ہو۔ اس سے متعلمین کی توجہ کام سے ہٹنے کا خدشہ رہتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۸۔

زبانی توضیح وتشریح:

''سبق میں درپیش مشکل یا نامانوس اور غیر واضح یا مبہم مقامات کی زبانی وضاحت اور تشریح، زبانی توضیح وتشریح کہلاتی ہے۔''

زبانی توضیح وتشریح کو بھی تختۂ تحریر کی طرح ایک قدیم تدریسی معاونت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ محولہ بالا تعریف سے زبانی توضیح و تشریح کے دو اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ اول: مشکل یا نامانوس دوم: غیر واضح یا مبہم۔

مشکل یا نامانوس مقامات سے مراد وہ مقامات ہیں جن کے متعلق متعلمین کو کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔

غیر واضح یا مبہم مقامات ایسے مقامات کو کہتے ہیں جہاں متعلمین زیرِ تدریس موضوع کے حوالے سے کچھ جانتے تو ہیں لیکن ان کا تصور واضح اور حتمی نہیں ہوتا۔

ان دونوں مراحل پر زبانی توضیح وتشریح فوری اور موثر معاونت کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے۔ زبانی توضیح وتشریح کے لیے درج ذیل تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۵۹۔

۱۔ الفاظ کے معنی بتانا:

الفاظ کے معنی کی وضاحت توضیح وتشریح کی سب سے پہلی تدبیر ہے اور ابتدائی سطح کی ہر جماعت میں اس کے استعمال کی ضرورت پڑتی

ہے۔الفاظ کے معنی کی وضاحت کے لیے درج ذیل طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

(الف) الفاظ کا مترادف بتانا، مثلاً، شجاعت کا مترادف بہادری بتانا۔

(ب) الفاظ کا متضاد بتانا، مثلاً، شجاعت کا متضاد بزدلی ہے۔

(ج) الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنا، مثلاً، پاک فوج جرات و شجاعت کی مثال ہے۔

۲۔ عبارتوں کی وضاحت:

عبارتوں کی وضاحت، الفاظ کے معنی بتانے کے بعد کی منزل ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(الف) نظم یا نثر پارے کی ٹکڑوں میں وضاحت کی جائے۔

(ب) وضاحت کرتے ہوئے سادہ لفظوں کا استعمال کیا جائے۔

(ج) تلمیحات یا تشبیہات وغیرہ کی صورت میں جامع وضاحت کی جائے اور واقعات پر روشنی ڈالی جائے نیز مثالیں بھی دی جائیں مثلاً:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

غالب کے اس شعر کی وضاحت کے لیے 'ابنِ مریم' کی جامع وضاحت ضروری ہے۔اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ کی مسیحائی کا کوئی واقعہ سنایا جانا چاہیے۔

۳۔ اختتامی وضاحت:

سبق پڑھا دینے کے بعد آخر میں مختصراً سبق کا خلاصہ یا ماحصل بتایا جانا چاہیے۔اس سلسلہ میں ضروری نکات تختۂ تحریر پر بھی لکھے جاسکتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۰۔

اشیا،نمونہ جات اور تصاویر:

اشیا،نمونہ جات اور تصاویر کے استعمال سے:

۱۔ نئی معلومات کی فراہمی ممکن ہوجاتی ہے۔

۲۔ تصورات کی وضاحت اور تفہیم بہتر انداز میں ہوجاتی ہے۔

۳۔ مشاہداتی عمل ہونے کے باعث بچوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ زبانی وضاحت کے مقابلہ میں بچے زیادہ بہتر طور پر بات سمجھ پاتے ہیں۔

۵۔ بچوں کو مشاہدہ کی عادت پڑتی ہے اور وہ دیکھ کر سمجھنا سیکھتے ہیں۔

اشیا، تصاویر اور نمونہ جات وغیرہ کی متذکرہ اہمیت کے پیشِ نظر ان کے استعمال کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ اصل اشیا:

مختلف اشیا کے تصور کی وضاحت کے لیے انہیں جماعت کے کمرے میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً پھلوں یا سبزیوں کے تصور کی وضاحت کے لیے مختلف پھلوں سبزیوں میں سے مطلوبہ کو اصلاً بچوں کو دکھایا جاسکتا ہے۔

۲۔ نمونہ جات:

''نمونہ جات سے مراد بڑی چیزوں یا مقامات کی چھوٹی یا مختصر صورت گری کو نمونہ جات کہتے ہیں۔''

دراصل بہت سے مقامات پر بچوں کو عملاً لے جانا ممکن نہیں ہوتا اس لیے ان کے ماڈل یا نمونے بچوں کو دکھائے جاتے ہیں۔ مثلاً، فیصل مسجد، مینارِ پاکستان، شاہی قلعہ وغیرہ۔

۳۔ تصاویر اور پوسٹرز:

تصاویر اور پوسٹروں کے ذریعے بھی تفہیمی عمل کو موثر بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ

(الف) تصاویر یا پوسٹرز خوش شکل اور بڑے ہوں

(ب) موضوع کے عین مطابق ہوں

(ج) اساتذہ اپنے موضوعات سے متعلقہ تصاویر جمع کرتے ہوں

(د) اساتذہ کو سادہ تصاویر بنانے پر کسی حد تک قدرت بھی ہو

۴۔ نقشے اور خاکے

نقشوں اور خاکوں کے ذریعے بھی بچوں کو بہت کچھ سکھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً، خاکوں کو پہچان کر اور خاکوں میں رنگ بھر کر بچے دلچسپی سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۱۔

اشیا، نمونہ جات اور تصاویر کا استعمال:

اشیا، تصاویر اور نمونہ جات کا استعمال بلاشبہ تدریسی عمل کو موثر بناتا ہے تاہم اس کے لیے درج ذیل امور مدِ نظر رہنے چاہئیں:

۱۔ اشیا، تصاویر اور نمونہ جات مناسب حد تک بڑے ہوں۔

۲۔ خوش رنگ ہوں۔

۳۔ تصاویر اور اشیا بچوں کے سامنے بیک وقت نہ رکھی جائیں۔

۴۔ بچوں کی توجہ ان پر مرکوز کروائی جائے۔

۵۔ دلچسپ انداز اختیار کیا جائے۔

سبق نمبر:۱۱

تدریسی معاونات۔۲

ذیلی موضوع نمبر:۶۲۔

سمعی معاونات کی اہمیت اور مختلف صورتیں:

''سمعی معاونات سے مراد وہ امدادیں یا معاونات ہیں جن کے ذریعے صرف سماعت کے بل پر تدریسی عمل جاری کیا جاتا ہے۔'' گویا ان امدادوں میں بنیادی عنصر آواز کا ہوتا ہے۔

سمعی معاونات کی مختلف صورتیں:

(الف) گراموفون: سمعی معاونات کی روایتی صورت ہے۔ بیسویں صدی کی چھٹی، ساتویں دہائی کے بعد سے گراموفون کا استعمال پاکستان میں بتدریج گھٹنے لگا اور اب اس کا استعمال ہمارے یہاں متروک ہو چکا ہے۔

(ب) ٹیپ رکارڈر: سمعی معاونات کی ایک مستعمل صورت ہے۔ ابتدا میں بڑے بڑے ٹیپ رکارڈر استعمال ہوتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا سائز چھوٹا ہوتا گیا اور اب جیبی حجم کے ٹیپ رکاڈر بھی دستیاب ہیں۔ البتہ، ایم پی تھری اور فور پلیئر ز کے متعارف ہو جانے کے بعد ٹیپ رکارڈر کا استعمال بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ ٹیپ رکاڈر کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ ان میں گفتگو، کلام یا بات چیت ط بھی کی جا سکتی ہے۔

(ج) ریڈیو: سمعی معاونات کی ایک معروف مروجہ صورت ہے۔ ایف ایم کے متعارف ہونے کے بعد پاکستان میں ایک مرتبہ پھر ریڈیو سننے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس پر پیش کیے جانے والے پروگرام عوام کی تفریح کا ذریعہ بھی ہیں اور ان سے عام آدمی کو بہت سی مفید معلومات بھی دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح تحصیلِ زبان میں بھی ریڈیو سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

سمعی معاونات کی اہمیت:

۱۔ سمعی معاونات کے ذریعے بچوں کا تلفظ بہتر کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان معاونات میں تصویر نظر نہیں آتی اس لیے توجہ آواز پر مرتکز رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

۲۔ معیاری لب و لہجہ والے مقررین کی گفتگو سنا کر بچوں کی ادائیگی بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ ہمارے یہاں بہت سے شعرا کا کلام کیسٹوں اور سی ڈیز میں دستیاب ہے۔ معلمین اس مواد کو بچوں کی ادائیگی بہتر بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

۳۔ ٹیپ رکارڈر کے ذریعے معلومات اور گفتگ ط کی جا سکتی ہے، چنانچہ اس ط شدہ معلومات کو بار بار سن کر بھی تحصیلِ زبان کا عمل بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ رکاڈ شدہ مواد کو چونکہ بار بار سنا جا سکتا ہے۔ اس لیے سمعی معاونات کے ذریعے معلومات فراہم بھی کی جا سکتی ہے ط شدہ معلومات

کے علاوہ ریڈیو پروگرامات کے ذریعے بھی معلومات کی فراہمی کا کام لیا جاتا ہے۔

۵۔ سمعی معاونات کے درست اور برمحل استعمال سے بچوں کو سماعت پر ارتکاز کی عادت پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ دیکھے بغیر بھی صرف سن کر بات سمجھنے پر قدرت حاصل کر پاتے ہیں۔

۶۔ چھوٹے بچوں کے لیے خاص طور پر سمعی معاونات دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ وہ ان پر مختلف نظمیں سن کر آسانی سے تفریح کے انداز میں انہیں یاد کر لیتے ہیں۔

سمعی معاونات کے مسائل:

۱۔ سمعی معاونات کے استعمال میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ دورانِ استعمال بہت سے بچے عدم سرگرمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ نہ کچھ کر رہے ہوتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ پاتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں محض سماعت پر ارتکاز مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۔ کسی بھی سمعی معاونت کے استعمال میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ معلم اور متعلم کے درمیان رابطے کا فقدان پیدا ہو جاتا ہے۔ سمعی معاونت کے استعمال کے دوران دونوں ایک دوسرے کو دیکھ تو پاتے ہیں لیکن بالخصوص بچوں کے ذہن میں کون سے سوالات جنم لے رہے ہیں، ان کے متعلق معلم کچھ نہیں جان پاتا۔

۳۔ ریڈیو کے پروگرام تعلیمی ضروریات کے مطابق نہیں ہوتے اس لیے ضروری نہیں کہ ضرورت کے وقت ریڈیو پر کوئی مطلوبہ پروگرام میسر آ پائے۔

۴۔ چونکہ طلبہ کو تصویر نظر نہیں آ رہی ہوتی اس لیے چند طلبہ ابہام اور الجھاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بہتری کی تجاویز:

۱۔ نصاب میں جہاں کہیں سمعی معاونت کی ضرورت پڑے وہاں پہلے معلم سبق کی مکمل وضاحت کرے اور پھر معاونت کے طور پر سمعی امدادوں کا سہارا لیا جائے نیز معلم زیرِ استعمال آنے والی سمعی معاونت کا تعارف کروائے۔

۲۔ معاونتی استعمال کے فوراً بعد تبادلۂ خیال کیا جائے تاکہ بچوں میں موجود الجھاؤ یا ابہام کا خاتمہ کیا جا سکے۔

۳۔ تعلیم کے دیگر امور کی طرح، سمعی معاونات کا استعمال کرتے وقت بھی طلبہ کی ذہنی سطح کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۶۳۔

سمعی معاونات کا استعمال:

سمعی معاونات کا استعمال کرتے وقت درج ذیل امور ذہن نشین رہنا ضروری ہیں:

۱۔ معلم واضح اور جامع انداز میں سبق کا تعارف کروائے۔

۲۔ معلم آسان اور دلچسپ طریقے سے زیرِ استعمال آنے والی سمعی معاونت کا تعارف کروائے۔

۳۔ سمعی سرگرمی کا مقصد بھی طلبہ کو سرگرمی کے باقاعدہ آغاز سے پہلے بتایا جانا ضروری ہے۔

۴۔ سرگرمی سے قبل طلبہ کو یہ علم بھی ہونا چاہیے کہ پیمائشی مرحلہ پر ان سے اس سرگرمی کے حوالے سے کس نوعیت کے سوالات کیے جائیں گے۔

۵۔ سمعی معاونت کے استعمال کے فوراً بعد طلبہ کی آرا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ بچوں تک مطلوبہ معلومات پہنچ پائی یا نہیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۶۴۔

سمعی و بصری معاونات کی اہمیت اور مختلف صورتیں:

''وہ ذرائع یا اشیا جن کے استعمال کے لیے سمعی و بصری حسیات کی ضرورت ہوتی ہیں، سمعی و بصری معاونات کہلاتی ہیں۔''

سمعی وبصری معاونات کی صورتیں:

۱۔ متحرک فلمیں، سمعی و بصری معاونات کی ایک صورت ہیں۔ بچوں کے لیے بہت سی خصوصی معلوماتی اور تفریحی فلمیں بنائی جاری ہیں جن کے ذریعے مطلوبہ مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ ٹیلی ویژن، سمعی و بصری معاونات کی معروف اور معتبر صورت ہے۔ اس پر پیش کیے جانے والے بچوں کے تعلیمی پروگرامات تدریسی اعتبار سے بہت اہم ہیں۔

سمعی وبصری معاونات کی اہمیت:

۱۔ چونکہ سمعی و بصری معاونات میں آواز اور تصویر دونوں موجود ہوتے ہیں اس لیے یہ امدادیں زندگی کے قریب تر محسوس ہوتی ہیں۔

۲۔ بچوں کی نفسیات تفریح کے ساتھ تعلیمی عمل چاہتی ہیں۔ سمعی و بصری معاونات کا موثر استعمال انہیں بچوں کی نفسیات کے عین مطابق دکھاتا اور سناتا ہے اس لیے بچوں کو متعلقہ اسباق کی طرف راغب کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

۳۔ رکارڈنگ کی سہولت ہونے کے باعث سمعی و بصری معاونات کے استعمال میں ماضی اور حال کو بیک وقت دکھانا ممکن ہوجاتا ہے۔ یوں ماضی وحال کا تجزیہ بھی آسان ہوجاتا ہے۔

۴۔ رکارڈنگ کی سہولت ہی متعلقہ مواد کو بار بار دکھانا ممکن بنا دیتی ہے۔ یوں ذہن نشین کرنا زیادہ سہل ہوجاتا ہے۔

۵۔ وہ اشیا یا مقامات اور تصورات جو بصارت کے متقاضی ہوں، کا زبانی بیان کامل وضاحت نہیں کر پاتا۔ سمعی و بصری معاونات کا استعمال ایسے میں بہت موثر ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ ان امدادوں کے استعمال سے وقت اور پیسے کی بچت ہوجاتی ہے۔ مثلاً اپنے شہر سے دور کسی مقام پر لے جانا سکولوں کے لیے ہمیشہ ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات کے متعلق ڈاکیومنٹری فلمیں وقت اور پیسے کو بچاتے ہوئے دکھائی جاسکتی ہیں۔

۷۔ ان معاونات کے استعمال سے فاصلاتی نظامِ تعلیم کا تصور قابلِ عمل ہو پایا ہے۔ اب فاصلے سے بے نیاز ہو کر طلبہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ ورچوئل یونیورسٹی اس کی زندہ مثال ہے۔

۸۔ فاصلاتی نظام کی بدولت سمعی وبصری معاونات کا استعمال کرتے ہوئے بیک وقت لاتعداد طلبہ کو تعلیم دی جاسکتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۵۔

سمعی وبصری معاونات کا استعمال:

سمعی وبصری معاونات کا استعمال کرتے ہوئے درج ذیل نکات کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ ضروری ہے کہ صرف متعلقہ مواد متعلمین کے سامنے لایا جائے تاکہ وقت اور ذرائع کا درست اور بھرپور استعمال ممکن ہو سکے۔

۲۔ ضروری ہے کہ معاونات کے استعمال سے قبل بچوں کو نفسِ مضمون واضح طور پر سمجھایا جائے۔یعنی جو کچھ پڑھانا مقصود ہے، پہلے اس کی زبانی وضاحت کردی جائے۔

۳۔ لازم ہے کہ متعلقہ مواد مطلوبہ مقاصد کے عین مطابق ہو۔

۴۔ سمعی وبصری معاونات پر مبنی سرگرمی کا دورانیہ مناسب حد تک مختصر ہونا چاہیے تاکہ بچے اصل مقاصد کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

۵۔ بچوں کے سامنے آنے والا مواد ان کی ذہنی سطح کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ مطلوبہ مقاصد کا حصول یقینی بنایا جاسکے۔

۶۔ ٹیلی ویژن کو بچوں کے لیے خصوصی پروگرامات ترتیب دینے چاہئیں جن میں تفریح کے ساتھ ساتھ تعلیمی مقصد کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۶۔

جدید سمعی وبصری معاونات:

''وہ جدید اشیا اور ذرائع جو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی دین ہیں، جدید ذرائع یا جدید سمعی وبصری معاونات کی ذیل میں آتے ہیں۔''

مختلف صورتیں:

جدید سمعی وبصری معاونات کی مختلف صورتوں میں پروجیکٹر، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور ڈی وی ڈی پلیئر یا ایم پی تھری۔فور پلیئر وغیرہ شامل ہیں۔

پروجیکٹر: ایک پردے پر تصویر کو بڑا کرکے دکھانے کے کام آتا ہے۔

کمپیوٹر: معلومات جمع کرنے، معلومات فراہم کرنے اور نئے پروگرامات بنانے کے کام آتا ہے۔

ایم پی تھری۔فور پلیئر یا ڈی وی ڈی پلیئر: ان پر دستیاب مواد کو سنا اور دیکھا جاسکتا ہے۔واضح رہے کہ یہ دونوں اشیا، ٹیپ رکارڈر اور وی سی آر کی جدید صورتیں ہیں۔

جداگانہ حیثیت کا جواز:

یہ درست ہے کہ جدید سمعی وبصری معاونات بھی بہرحال سمعی وبصری معاونات کی صورتیں ہیں لیکن چند نکات کے باعث ان کا جداگانہ مطالعہ اہمیت کا حامل ہے:

۱۔ یہ ذرائع ابھی نئی ایجادات کی ذیل میں آتے ہیں اس لیے انہیں خاص طور پر متعارف کروانا ضروری ہے۔

۲۔ ابھی ہمارے بہت سے سکولوں میں جدید ذرائع کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے یا بہت کم کیا جاتا ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ ان کے فروغ کے لیے ان کا مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ ہم اکیسویں صدی میں رہتے ہیں۔اسے سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی کہتے ہیں۔اب زمین کی تسخیر کے بعد خلاوں کی تسخیر کی باتیں ہونے لگی ہیں۔معلومات کے انبار کے اس دور میں نوجوان نسل کے لیے ضروری ہے کہ وہ نا صرف جدید سمعی وبصری معاونات سے آگاہ ہو بلکہ ان کے موثر استعمال پر بھی قدرت رکھتی ہو۔

۴۔ آڈیو، ویڈیو کیسٹوں کے مقابلے میں کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک یا سی ڈی اور ڈی وی ڈی وغیرہ پر زیادہ مو[illegible]ط کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ ان جدید ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہم مختلف طرح کی معلومات ایک جگہ اکٹھی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ معلومات آن کی آن میں نا صرف موجود افراد کے سامنے پیش کی جاسکتی ہے بلکہ دنیا کے کسی بھی کونے میں بھیجی بھی جاسکتی ہے۔

۶۔ کمپیوٹر کے مختلف پروگرامات کے ذریعے تصاویر اور خاکے بنائے جاسکتے ہیں۔ یوں معلمین کو تصویر سازی اور خاکہ سازی میں معاونت ہوتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۷۔

جدید سمعی وبصری معاونات کا استعمال:

بلاشبہ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے ہم تدریسی عمل کو موثر بنا سکتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں چند امور مدِ نظر رہنا ضروری ہیں۔

۱۔ جدید سمعی وبصری معاونت کا انتخاب بچوں کی ذہنی سطح اور مواد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔ نیز موضوع کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کا مناسب حد تک تعارف بھی کروا دیا جائے۔

۲۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔جدید دور میں بہت سا ایسا مواد بھی انٹرنیٹ پر دستیاب ہے جو شائد تعلیمی عمل میں تو موثر ہو سکتا ہے لیکن ہماری قومی اور معاشرتی روایات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ چنانچہ انٹرنیٹ سے تدریسی مواد حاصل کرتے ہوئے مواد کی صحت اور معیار کا تعین ضروری ہے۔

۳۔ کمپیوٹر کے استعمال کے ساتھ ساتھ معلمین کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو بھی کمپیوٹر پر اردو لکھنا سیکھنے پر اکسائیں۔ ہمارے یہاں بدقسمتی سے کمپیوٹر پر انگریزی سکھانے کا اہتمام تو کیا جاتا ہے لیکن اس سلسلہ میں اردو کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔

سبق نمبر:۱۲

بنیادی لسانی مہارتیں ا

ذیلی موضوع نمبر:۶۸۔

بنیادی لسانی مہارتوں کی اہمیت

''وہ مہارتیں جو بذریعہ زبان کسی عمل یا ردِعمل کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہیں، بنیادی لسانی مہارتیں کہلاتی ہیں۔''

بنیادی لسانی مہارتوں میں سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا شامل ہے۔

ابلاغی عمل میں زبان کا کردار:

ابلاغی عمل، یعنی کسی تک اپنی بات پہنچانے اور کسی کی بات کو سمجھنے میں زبان سب سے زیادہ اہم ترین ذریعہ ہے۔ ابلاغی عمل میں چار عوامل، سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا، اساسی مقام کے حامل ہیں اور انہی چار عوامل پر مہارت، لسانی مہارت کہلاتی ہے۔

لسانی مہارتوں کی اہمیت:

۱۔ سنے بغیر بولنا ممکن نہیں۔

۲۔ بولے بغیر اپنی بات سمجھانا ممکن نہیں۔

۳۔ پڑھے بغیر فکری اور معلوماتی وسعت کا تصور محال ہے۔

۴۔ لکھے بغیر اپنے خیال[illegible]ظ رکھنا ایک مشکل کام ہے۔

چنانچہ مجموعی ابلاغی عمل میں مذکورہ بنیادی لسانی مہارتوں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۶۹۔

سننا یا حسِ سماعت یا قوت سماعت

سننا ایک فطری عمل ہے جو عضوِ سماعت یعنی کان کے ٹھیک ہونے کی صورت میں از خود شروع ہو جاتا ہے۔

معلومات کے حصول کا اولین ذریعہ:

سننا، معلومات کے حصول کا پہلا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے کیونکہ:

۱۔ بچہ سب سے پہلے آوازیں سنتا ہے اور ان پر اپنا ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔

۲۔ میڈیکل سائنس نے یہ حقیقت تسلیم کی ہے کہ بصارت قدرے وقت گزرنے کے بعد واضح ہوتی ہے۔ ابتدا میں ہر بچہ کسی حد تک دھندلا دیکھتا ہے۔ جبکہ سننے کا عمل پہلے لمحہ سے ہی شروع ہوتا ہے۔

۳۔ چونکہ سننے کا عمل سب سے پہلے شروع ہوتا ہے اس لیے ذہن نشینی یا یاد رکھنے کے عمل کا آغاز بھی سماعت کا رہینِ احسان ہے۔

سماعت میں بہتری کی ضرورت واہمیت:

ا۔ سماعت میں بہتری کی ضرورت کا پہلا سبب یہ ہے کہ اس کے بغیر ہم کسی عمل کا ردِعمل زبانی صورت میں بیان نہیں کر سکتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سننے کے عمل کی تفہیم کے بغیر ردِعمل ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مختلف آوازوں میں امتیاز کے لیے بھی سننے اور سمجھنے کی مہارت پر عبور ضروری ہے۔

۳۔ ارتکاز یا توجہ کے ٹھہراؤ کے لیے بھی سماعت پر عبور نہایت اہم ہے۔بچہ سب سے پہلے سننے کے عمل سے گزرتا ہے اور جن بچوں کی ابتدا سے سننے کی عادت بہتر ہو،انہیں ارتکاز پر زیادہ قدرت ہوتی ہے۔

زبان کی تدریس اور سماعت:

ا۔ طلبہ اور معلم کے درمیان ابلاغ کا سب سے اہم ترین ذریعہ سماعت ہے۔اگر سننا ممکن نہ ہو تو معلم،طلبہ کی بات نہیں سمجھ پائے گا اور طلبہ، معلم کی بات سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

۲۔ طلبہ کے آپسی تعلقات کا انحصار بھی سماعت پر ہے۔وہ بچے جو اونچا سنتے ہوں،انہیں دوست بنانا مشکل ہوتا ہے۔

۳۔ تعلمی عمل،یعنی سیکھنے کا عمل سماعت کے بغیر ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ سماعت سے محروم بچوں کے لیے تعلیم کے الگ ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔وہ بچے زبان کی بجائے اشاروں کے ذریعے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔سماعتی اعتبار سے صحت مند بچوں کا تعلمی عمل سماعت کے بغیر جاری نہیں رہ سکتا۔

معلم اور سماعتی تربیت:

سماعتی تربیت میں معلم کا کردار اساسی نوعیت کا ہے۔بالخصوص ابتدائی سطح پر معلم سننے کی عادت کو پختہ کرنے اور اس کا جائزہ لینے میں اہم ترین ذمہ داری کا حامل ہے۔

ا۔ نئی جماعت کے شروع ہوتے ہی معلم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کی سماعتی حس کا اندازہ کرنے کے لیے ابتدائی جائزہ کا اہتمام کرے۔

۲۔ وہ طلبہ جن کے حوالے سے معلم کو محسوس ہو کہ ان کی سماعت میں کوئی مسئلہ ہے،ان کے لیے ڈاکٹری معائنہ کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیے۔

۳۔ معلم کو چاہیے کہ سماعتی ارتکاز کے لیے خاص طور پر سرگرمیوں کا اہتمام کرے۔

۴۔ اس سلسلہ میں حکم دے کر یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کون سا بچہ کس طرح ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔

۵۔ مختلف آوازوں میں امتیاز کی مشق سے بھی سماعتی مہارت میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔

۶۔ بچوں کے ساتھ ایسے کھیل کھیلے جا سکتے ہیں جن سے ان کی سماعتی تربیت ہو سکے۔

۷۔ اسی طرح سماعتی تربیت میں سمعی معاونات کی بڑی اہمیت ہے۔معلم کو ایسی سرگرمیوں کا اہتمام کرنا چاہیے جن میں سمعی معاونات کا استعمال زیادہ سے زیادہ ہو۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۰۔

قوتِ گویائی کے مقاصد اور تربیت

سننے کی طرح بولنا بھی ایک فطری عمل ہے اور بچہ سنتے سنتے آہستہ آہستہ بولنے لگتا ہے۔

بولنے کی مہارت کے مقاصد:

۱۔ بولنے کی مہارت کا پہلا مقصد یہ کہ بچہ درست طور پر بول سکے۔

۲۔ سادہ اور قابلِ فہم بولنا، بولنے کی مہارت کا دوسرا اہم مقصد ہے یعنی بچہ نا صرف بول سکے بلکہ اپنی بات سمجھانے پر بھی قدرت حاصل کر لے۔

۳۔ بولنے کی مہارت کا تیسرا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ بچہ پرلطف انداز میں بولے اور اس کی گفتگو دلچسپ اور موثر ہو۔

بولنے کی تربیت کے اصول:

۱۔ معلم خود کو بطور مثال پیش کرے۔اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

(الف) معلم کا اپنا تلفظ درست ہو۔

(ب) معلم کا انداز اور لب ولہجہ معیاری ہو۔

(ج) بچوں کے لیے قابلِ تقلید ہو یعنی طلبہ معلم کی پیروی کر سکیں۔

۲۔ معلم کو چاہیے کہ ایسا ماحول پیدا کرے کہ بچے:

(الف) بے تکلفی سے بولیں۔

(ب) سادہ اور قابلِ فہم گفتگو کریں یعنی ان کی بات سمجھ آ سکے۔

(ج) بولنے کی ابتدائی مشقوں میں رسمی قواعد کی پاسداری پر زور نہیں دینا چاہیے۔اس بات کا مطلب یہ ہے کہ بچے ترتیب اور زبان کے قاعدے کے مطابق نہ بھی بولیں تو ان کی حوصلہ شکنی نہ کی جائے۔

۳۔ بولنے کی مشق کرواتے وقت ضروری ہے کہ معلم مشفقانہ رویہ اختیار کرے۔

اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

(الف) معلم بولنے میں بچوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرے۔

(ب) غلطی کی صورت میں سزا دینے کی بجائے شفقت اور پیار سے بچوں کی درستی کرے۔

(ج) بولنے کی مشقوں کے دوران معلم کو تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔بالخصوص ابتدائی سطح پر یہ مشقیں بچوں سے زیادہ معلم کے حوصلہ کا تقاضا کرتی ہیں کیونکہ بچے ہر دوسرے جملے میں مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ایسے میں معلم کو تحمل کا ثبوت دینا چاہیے۔

۴۔ کمزور بچوں کو نظر انداز کرنا انتہائی منفی عمل ہے۔ایسے بچے معلم کی توجہ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

(الف) کمزور بچوں کو بولنے کا زیادہ موقع دیا جائے۔

(ب) ایسے بچوں کی زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے۔

(ج) اگر ایسے بچے زبان کے قواعد کی پابندی نہ بھی کر سکیں تو وقتی طور پر اس بے قاعدگی کو نظر انداز کرنا چاہیے۔

(د) ایسے بچوں کو مختصر گروہوں کے سامنے بولنے کا موقع دینا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۷۔

بولنے کی مہارت کی عمومی مشقیں

بولنے کی مہارت حاصل کرنے کے لیے معلم مختلف مشقوں کا اہتمام کرسکتا ہے۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر رسمی گفتگو کے ذریعے بولنے کی مہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں:

(الف) معلم گزشتہ روز کے معمولات پر بچوں سے گفتگو کر سکتا ہے۔

(ب) بچوں سے کوئی دلچسپ واقعہ سنانے کو کہا جاسکتا ہے۔

(ج) کسی خاص حوالے سے بچوں سے ان کے تجربات کے حوالے سے پوچھا جاسکتا ہے۔

۲۔ بولنے پر ابھارنے کے لیے نظم خوانی کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے۔نظمیں پڑھ کر بچے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں معلم کو چاہیے کہ:

(الف) مختصر نظموں کا انتخاب کرے۔

(ب) قومی اور ملّی ترانوں کا انتخاب کیا جائے۔

(ج) بچوں سے نظمیں پڑھانے کے علاوہ ان سے یہ نظمیں ترنم سے بھی پڑھوائی جائیں۔

۳۔ بولنے کی مہارت میں تفریحی سرگرمیوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ معلم کو ایسے کھیلوں کا اہتمام کرنا چاہیے جن سے بچے کھیل ہی کھیل میں بولنے پر آمادہ ہوتے جائیں۔

اس سلسلہ میں:

(الف) نقالی یا ڈرامے کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔

(ب) بچوں کو نظمیں اور گیت یاد کروا کر انہیں سنانے کو کہا جاسکتا ہے۔

۴۔ کہانیوں میں ہر بچے کو فطری طور پر دلچسپی ہوتی ہے۔

چنانچہ معلم کو چاہیے کہ وہ:

(الف) بچوں کو خود دلچسپ کہانیاں سنائے۔

(ب) بچوں سے کہانیاں سنے۔

(ج) بچوں کو نئی کہانیاں پڑھنے پر اکسائے۔

۵۔ تقریری مقابلوں کے ذریعے بھی بچوں کو بولنے پر ابھارا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں:

(الف) یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ یہ سرگرمی بالعموم تیسری جماعت یا اس کے بعد کے طلبہ کے لیے موزوں ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۲۔

طریقِ بین وگو:

''بین' کے لفظی معنی ہیں 'دیکھنا' اور 'گو' کا مطلب ہے 'بولنا'۔ اصطلاحی اعتبار سے طریقِ بین وگو سے مراد وہ تدریسی طریقہ ہے جس میں بچوں کو اشیا اور تصاویر دکھا کر بولنے پر اکسایا جاتا ہے۔''

طریقِ بین وگو ابتدائی جماعتوں کے لیے انتہائی موزوں ہے کیونکہ:

۱۔ یہ ایک سادہ طریقہ ہے۔اس میں نہ تو معلم کے لیے کوئی مشکل ہے اور نہ ہی طلبہ کے لیے کوئی پیچیدگی۔

۲۔ بچے تصاویر اور اشیا میں دلچسپی لیتے ہیں چنانچہ انہیں یہ طریقہ پرکشش محسوس ہوتا ہے۔

۳۔ چھوٹے بچوں کو یکطرفہ تدریس کے ذریعے نہیں پڑھایا جاسکتا۔اس طریقہ میں چونکہ بچوں کو شرکت کا احساس ہوتا ہے اس لیے سیکھنے کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۳۔

فکرانگیزی کا طریقہ

''تدریس کا وہ انداز جس میں بچوں کو سوچ کر بولنے پر اکسایا جاتا ہے اسے فکرانگیزی کہتے ہیں۔''

بولنے کی مہارت میں اس طریقہ کو ہر سطح کی تعلیم میں کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے۔اس سلسلہ میں چند امور کا مدِ نظر رہنا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ متعلقہ موضوع پر بچوں سے سوالات کیے جائیں۔

۲۔ بچوں کو سوال کے جواب کے لیے مناسب وقت دیا جائے۔

۳۔ بچوں سے انفرادی سطح پر سوال کیے جائیں تاکہ سب بچے بیک وقت نہ بولنے لگیں۔

۴۔ سوالات کا سلسلہ چند بچوں تک محدود نہ کیا جائے بلکہ سب بچوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ سب بچے اس سرگرمی میں حصہ لے سکیں۔

۵۔ سوال وجواب کے مرحلہ پر معلم کم سے کم رہنمائی کرے۔

سبق نمبر: ۱۳
بنیادی لسانی مہارتیں ۲

ذیلی موضوع نمبر: ۴۷۔

قرات کی اہمیت:

''قرات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'پڑھنا'۔ جبکہ عملاً پڑھنا سے مراد محض حروفِ تہجی کی پہچان نہیں، عبارتوں کی تفہیم ہے۔''

گویا، قرات یا پڑھنا کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ہم حروف اور الفاظ پڑھ لیں، ضروری ہے کہ ہمیں ان الفاظ کے معنی کا علم بھی ہو، تا کہ ہم عبارتوں کو بھی سمجھ سکیں۔

قرات کی اہمیت اور فوائد:

'قرات' یا 'پڑھنا' وہ بنیادی لسانی مہارت ہے جس کے بغیر تعلیمی مدارج میں ترقی کا تصور ممکن نہیں۔ ہم جب تک پڑھنے میں مہارت حاصل نہیں کر لیتے، ممکن نہیں کہ ہم علم کے حصول میں کامیاب ہو سکیں۔ چنانچہ قرات کی اہمیت ہمہ جہت ہے۔ ذیل میں ان چند نکات کی نشاندہی کی گئی ہے جو قرات کی اہمیت پر دال ہیں:

۱۔ اسلام میں قرات کی فضیلت:

(الف) قرآن پاک کی پہلی وحی کا پہلا لفظ ہی اقرا' ہے جس کے معنی ہیں 'پڑھ'۔ گویا ربِ کائنات نے آخری الہامی کتاب کا آغاز ہی پڑھائی کی فضیلت کے بیان سے کیا ہے۔ کیونکہ کائنات کی تسخیر، علم کے بغیر ممکن نہیں اور علم کا حصول، پڑھائی کے بغیر محال ہے۔

(ب) لفظ 'قرآن' بذاتِ خود قرات کی اہمیت پر دال ہے جس کے معنی ہیں پڑھا گیا۔

(ج) اللہ رب العزت نے انسان کی فلاح کے لیے مختلف الہامی کتابیں نازل کیں۔ گویا آفاقی حقائق کے علم کے لیے پڑھنا بنیادی زینہ ہے۔

۲۔ کردار کی تشکیل:

(الف) کردار کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ انسان اعلیٰ اخلاقیات کا درس حاصل کرے اور اخلاقی معیارات سے مکمل آگہی کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں پڑھنے پر مہارت حاصل ہو، تا کہ ہم دیکھ سکیں کہ اخلاقی اعتبار سے مضبوط لوگوں نے کن معیارات کو اپنایا اور کن اخلاقی برائیوں نے اقوام کو تباہ کر ڈالا۔

(ب) بطور مسلمان ہم اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ دینی علوم سے آشنائی کے بغیر کردار کی تشکیل ممکن نہیں۔ اسلام صرف عبادات کا مجموعہ نہیں۔ یہ زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے اور اگر ہم اعلیٰ کردار کی تشکیل چاہتے ہیں تو ہمیں دینی علوم سے آگہی کے لیے مستقلاً دینی

کتب کا مطالعہ درکار ہے جو پڑھنے کی مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔

۳۔ تاریخ سے آگہی:

(الف) اپنے آبا و اجداد کے کارناموں سے آگہی کے لیے بھی قرات کی اہمیت مسلّم ہے۔ان سوالات کا جواب کہ ہماری معاشرتی روایات کیا ہیں؟ قومی اور سیاسی حوالے سے ہمارے آبا کے افکار کیا تھے؟ اور کون سے اعمال اور افکار ہمارے عروج اور زوال کا باعث بنے؟ ہمیں تاریخی مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے جو پڑھائی کی مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔

(ب) دورِ حاضر کا انسان عالمی تاریخ کے بنیادی مطالعہ کے بغیر اس عالمگیر معاشرے میں فعال کردار ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عالمی تاریخ سے آگہی بھی ہمارے لیے از حد ضروری ہے۔اس کے لیے بھی ہمیں پڑھنا چاہیے۔

۴۔عہدِ حاضرہ سے آگہی:

(الف) روزمرہ خبروں سے آگہی کے لیے اہم ترین ذریعہ اخبارات ہیں جن سے مستفیض ہونے کے لیے پڑھائی کی مہارت کا ہونا ضروری ہے۔

(ب) جدید دنیا بڑی تیزی سے بدل رہی ہے۔ تیزی سے بدلتی ہوئی اس دنیا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے مختلف کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔

۵۔ تعلیم کی اساس:

(الف) تمام تر علوم وفنون کے متعلق جاننے کے لیے کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جو پڑھائی کی مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔

(ب) نصاب کی تکمیل دیگر لسانی مہارتوں سے نہیں ہو سکتی۔ابتدائی سطح سے اعلیٰ سطح تک نصاب کتاب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

چنانچہ ہر حوالے سے قرات یا پڑھائی کی مہارت کے بغیر ہم مقاصدِ زیست اور مقاصدِ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۵۔

قرات کے مختلف پہلو:

جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی کہ قرات محض حروفِ تہجی کی شناخت کا نام نہیں، علامات کی ہر حوالے سے پہچان اور اس سے معنی اخذ کرنے کی مہارت بھی قرات یا پڑھائی کے زمرے میں آتی ہے۔ ذیل میں ان مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر قرات یا پڑھائی کا دائرہ کار پھیلا ہوا ہے:

ا۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بچوں کو حروفِ تہجی کی علامات کی مکمل پہچان ہو جائے۔اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ بچے مماثل اشکال کی علامات کی شناخت کر سکیں۔مثلاً، ب۔پ۔ت۔ٹ۔ث۔، ج۔چ۔ح۔خ۔، د۔ڈ۔ذ۔،س۔ش۔،ص۔ض۔، ط۔ظ۔، ع۔غ۔وغیرہ کی اشکال آپس میں ملتی جلتی ہیں، بالعموم صرف نکتوں کی تبدیلی حروف بدل دیتی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ بچے مماثل علامات کی شناخت پر قادر ہوں۔

۲۔علامات کی شناخت کے بعد علامات سے منسوب آوازوں کی الگ شناخت ضروری ہے۔عربی اور فارسی سے متاثر ہونے کے باعث اردو میں بہت سے مماثل آوازوں کے حروف شامل ہیں۔مثلاً ت اور ط، ح اور ہ،س، ث اورص،ک اور ق وغیرہ۔ضروری ہے کہ بچے ابتدائی مراحل میں ہی ان حروف کی الگ صوتی شناخت کرنے پرقدرت حاصل کرلیں۔

۳۔مختلف حروف کے باہم ربط کی حقیقت جاننا بھی قرات کا ایک پہلو ہے۔مثلاً یہ جاننا ضروری ہے کہ الف سے شروع ہونے والے الفاظ میں مذکورہ حرف اگلے حروف سے نہیں ملتا لیکں آخر میں آنے کی صورت میں مل جاتا ہے۔دوسری طرف ''آ'' ہر صورت میں کسی حرف سے نہیں ملتا۔

۴۔مماثل آوازوں والے حروف سے بننے والے الفاظ کی الگ شناخت بھی قرات کا ایک پہلو ہے۔مثلاً،شیر اور شعر،آواز کے اعتبار سے یکساں معلوم ہوتے ہیں لیکن دونوں کا الگ مطلب ہے۔

۵۔قرات کا اصل منتہائے مقصود معنی کو سمجھنا ہے۔گویا بچہ اس قابل ہوجائے کہ مختلف حروف سے مل کر بننے والے الفاظ پڑھ سکے اوران پر اپنا ردِعمل ظاہر کرسکے۔ردِعمل اسی صورت میں ظاہر ہو پائے گا جب بچہ حروف سے بننے والے الفاظ کو پڑھنے پر قدرت حاصل کرلے گا اور اسے ان الفاظ کے معنی معلوم ہوں گے۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۶۔

پڑھنا سکھانے کے طریقے:

پڑھنا سکھانے کے مختلف طریقے ہیں جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(الف) تہجی طریقہ:

تہجی طریقہ کے مطابق سب سے پہلے حروف سکھائے جاتے ہیں۔اس کے بعد الفاظ پڑھنے کا مرحلہ آتا ہے۔پھر جملے پڑھنا سکھائے جاتے ہیں اور بالآخر بچہ عبارت پڑھنے پر قادر ہوجاتا ہے۔

یہ طریقہ منطقی اعتبار سے درست ہے۔اسی لیے اس طریقے میں بچے کو نئے الفاظ پڑھنے پر دیگر طریقوں سے زیادہ بہتر قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔البتہ یہ طریقہ بچوں کے لیے غیر دلچسپ ہوتا ہے اور بسا اوقات بچے اکتا جاتے ہیں۔

(ب)طریقِ بین وگو:

طریقِ بین وگو کے حوالے سے تفصیلی گفتگو تدریسی طریقوں کے باب میں ہوچکی ہے۔یہاں محض یہ واضح کرنا کافی ہوگا کہ اس طریقہ میں بچوں کو تصاویر دکھا کر الفاظ پڑھوائے جاتے ہیں۔یعنی تصویر دکھا کر ساتھ لفظ لکھ دیا جاتا ہے۔

یہ طریقہ بچوں کے لیے دلچسپ ہے۔البتہ اس میں خامی یہ ہے کہ بچے نئے الفاظ پہچاننے میں مشکل محسوس کرتے کیونکہ اُنہیں تصاویر کے ذریعے الفاظ پہچاننے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

(ج)ارکانی طریقہ:

یہ طریقہ تحلیلی طریقہ کی ایک صورت ہے جس پر تفصیلی بات تدریسی طریقوں کے باب میں ہو چکی ہے۔

اس طریقہ کی ترتیب یہ ہے کہ حروفِ تہجی سکھانے کے بعد بچوں کو یک رکنی اور دو رکنی الفاظ سکھائے جاتے ہیں۔ بعد میں حروف کی اشکال کی پہچان کروائی جاتی ہے۔مثلاً، آرا، آرا، جالا جا، لا۔

پھر انہیں ارکان کی مدد سے نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں: مثلاً آلا، راجا، لالا۔

اس کے بعد انہیں ارکان سے مختصر جملے بنائے جاتے ہیں۔مثلاً، راجا آ۔آرالا۔

ارکانی طریقہ میں استاد کا کردار نہایت اہم ہے۔اس سلسلہ میں اسے چاہیے کہ تختۂ تحریر کا موثر استعمال کرے اور مختلف ارکان کی وضاحت کے لیے کارڈز کا استعمال بھی کرے تا کہ بچوں کی دلچسپی قائم رہ سکے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۷۷۔

قرات کی عادات سازی:

''قرات کی عادات سازی سے مراد پڑھنے کے مختلف طریقوں اور صورتوں پر ایسا عبور ہے کہ اجنبی اور آشنا الفاظ یکساں روانی سے پڑھے جائیں اور یہ عمل عادتاً ہوتا چلا جائے۔''

یعنی پڑھنے کی ایسی مہارت حاصل کرنا قرات کی عادات سازی ہے جس میں پڑھنے کے عمل میں روانی اور فطری انداز آجائے

قرات کی عادات سازی کے مختلف طریقے:

۱۔سب سے پہلے بچہ حروف سیکھتا ہے اور پھر لفظ، مرکبات اور جملے پڑھنے کا مرحلہ آتا ہے۔اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

(الف) بچے کو جوڑ توڑ پر مکمل عبور حاصل ہو جائے اور وہ جوڑ توڑ کے بغیر عبارت پڑھ سکے۔

(ب) بچے کی پڑھائی میں اٹکاؤ نہ ہو اور وہ تیزی سے پڑھ سکے۔

۲۔بچہ سمجھ کر پڑھے۔سمجھنے کے دو پہلو ہیں:

(الف) معنی سمجھنا۔یعنی بچہ جو کچھ پڑھے اسے سمجھ بھی جائے۔مثلاً ہم میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو عربی زبان سمجھتے ہیں۔البتہ ہم میں سے اکثر قرآن پڑھنا بخوبی جانتے ہیں۔گویا ہمیں قرآن کی قرات تو آتی ہے لیکن ہمیں اس کے معنی نہیں آتے۔

(ب) سمجھ کر پڑھنے کا دوسرا پہلو تاثر کو سمجھنا ہے۔گویا ہر لفظ اپنا ایک الگ تاثر بھی رکھتا ہے۔چند الفاظ معنوی اعتبار سے ہلکا تاثر رکھتے ہیں جبکہ چند الفاظ کا تاثر خاصا شدید ہوتا ہے۔چنانچہ ضروری ہے کہ بچہ اس فرق کو سمجھ سکے۔

۳۔قرات کی عادات سازی کا اگلا درجہ درست تلفظ ہے۔بچہ رواں پڑھنے لگے تو اس سے توقع کی جاتی ہے کہ اس کا تلفظ بھی درست ہو۔ کیونکہ کوئی بھی توقع نہیں کرتا کہ فلاں صاحب پڑھتے تو بہت تیز ہیں لیکن ان کا تلفظ درست نہیں ہے۔

تلفظ کی درستی کے لیے پہلے بلند خوانی کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے، پھر اس سلسلہ میں معلم کو اپنا کردار ادا رکھنا پڑتا ہے۔

۴۔خاموش مطالعہ پر عبور بھی قرات کی عادات سازی کا ایک اہم ثبوت ہے۔اس سلسلہ میں:

(الف) بچے کو سب سے پہلے بلند خوانی آنی چاہیے۔

(ب) اس کے بعد بچے کو آہستہ آستہ پڑھایا جاتا ہے۔

(ج) اس مرحلہ پر خاموش مطالعہ کی عادت پڑ جاتی ہے۔ چونکہ بچہ درجہ بدرجہ خاموش مطالعہ کی طرف بڑھتا ہے اس لیے یہ عمل بہت صبر آزما بھی ہوسکتا ہے۔

۵۔قرات کی منفی عادات سے پرہیز کرنا بھی قرات کی مثبت عادات سازی کے لیے ضروری ہے۔

(الف) اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ بچوں کو انگلی پھیر کر پڑھنے سے روکا جائے۔

(ج) کتاب آنکھوں کے قریب کر کے پڑھنا بھی ایک منفی عادت ہے۔

(د) پڑھنے کے دوران سر ہلانے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

یہ سب عادات قرات کی ناقص عادات کہلاتی ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۸۔

نوٹ:

قرات میں مہارت

قرات میں مہارت کی عملی صورت ویڈیو میں دیکھیں جس میں استاد جماعت اول کے طالب علموں سے پڑھائی کرواتا ہے اوران کے تلفظ کو درست کرواتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۷۹۔

قرات میں مہارت

قرات میں مہارت کی عملی صورت ویڈیو میں دیکھیں جس میں استاد جماعت چہارم کے طالب علموں سے پڑھائی کرواتا ہے اوران کے تلفظ کو درست کرواتا ہے۔

سبق نمبر: ۱۴۔
بنیادی لسانی مہارتیں ۳

ذیلی موضوع نمبر: ۸۰۔
لکھنے کی مہارت:

’’لکھنے کا مطلب صدائی علامات کو تحریری نقوش میں تبدیل کرنا ہے۔ یہ نقوش تحریری اشکال اور علامات پر مبنی ہو سکتے ہیں۔‘‘

لکھنا سکھانے کی اہمیت پڑھنے کی طرح لکھنا بھی بنیادی لسانی مہارتوں میں ایک نا قابلِ فراموش مہارت ہے۔ ذیل میں ان مختلف نکات کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے جو لکھنا سکھانے کی اہمیت پر دال ہیں:

ا۔ اسلام میں لکھنے کی اہمیت:

جس طرح ربِ کائنات نے مختلف مقامات پر پڑھنے کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اسی طرح لکھنے کی اہمیت کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔
پہلی وحی میں جہاں ’اقراءَ‘ کہہ کر پڑھنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے وہیں اللہ کا فرمانا ہے: ’’اس (رب) نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔‘‘
اسی طرح سورہ قلم کی پہلی آیت میں قلم کی قسم کھائی گئی ہے۔
حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ معاہدہ کرتے وقت اسے گواہان کی موجودگی میں لکھ لیا جانا چاہیے تاکہ فراموشی کا امکان نہ رہے۔

۲۔ تعلیم میں لکھنے کی اہمیت:

تعلیم میں لکھنے کی اہمیت محتاجِ بیاں نہیں۔ محض پڑھنے سے کوئی شخص تعلیم یافتہ نہیں ہو سکتا۔ دونوں کا آپسی تعلق چولی دامن کا ہے۔
تعلمی عمل لکھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ تفویض کار (Home Work) بالعموم لکھائی پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کا کام بھی لکھ کر ہی اپنی اپنی کاپی پر اتارا جاتا ہے۔
اس کے علاوہ لکھنے کی اہمیت کا اندازہ جائزہ یا آزمائش کے مرحلہ پر بھی ہوتا ہے۔ زبانی جائزہ کا رکارڈ نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ تحریری جائزہ زیادہ معتبر قرار پاتا ہے۔

لکھنا سکھانے کی ابتدائی مشقیں:

لکھنا سکھانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں زیادہ معروف درج ذیل ہیں۔ واضح رہے کہ یہ طریقے ترتیب میں بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر بھی۔

ا۔ سب سے پہلے بچے کو قلم پکڑنا اور چلانا سکھایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بچہ کو لکیریں اور نقطے سکھائے جاتے ہیں۔
۲۔ اس کے بعد تصویری خاکوں میں رنگ بھرنا اور تصویری خاکے بنانا سکھائے جاتے ہیں۔

۳۔اگلے مرحلہ پرتحریری اشکال، مثلاً آنکھ، ہاکی، پیالا وغیرہ بنانے پرتوجہ دی جاتی ہے۔

۴۔بنیادی اشکال سکھانے کے بعد گتے کے کٹے ہوئے حروف کی مدد سے لکھنا سکھایا جاتا ہے۔

۵۔آخرمیں باقاعدہ حروفِ تہجی لکھنا سکھائے جاتے ہیں۔

یوں بتدریج بچہ لکھنے لگتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۱۔

حروف کی مجوزہ گروہ بندی:

اردو کے حروفِ تہجی سکھانے کے لیے دو مختلف طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

پہلے طریقے کو'مرتب طریقہ' کہا جاتا ہے۔اس طریقہ کے مطابق حروفِ تہجی ترتیب سے سکھائے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ اس اعتبار سے بہتر ہے کہ اس میں بچے کو علامات کی پہچان اور حروف ترتیب میں یاد ہوجاتے ہیں لیکن حروف کی مختلف اشکال بچے کے لیے مشکل کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ مرتب طریقہ کی بجائے بہت سے اساتذہ غیر مرتب طریقہ بروے کار لاتے ہیں۔اس طریقہ کی بنیاد حروف کی اشکال پر ہے۔ گویا مماثل اشکال کے حروف کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے بچے کو حروفِ تہجی سکھائے جاتے ہیں۔اس سلسلہ میں آسان اور مشکل اشکال کو بھی ذہن نشین رکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس لیے زیادہ موثر تصور کیا جاتا ہے کہ بچہ مماثلات کی مدد سے آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔غیر مرتب طریقہ کے تحت حروف کی مجوزہ گروہ بندی درج ذیل ہے:

۱۔ ا۔م

۲۔ ب۔پ۔ت۔ٹ۔ث۔ک۔گ۔ف۔ے

۳۔ د۔ڈ۔ذ۔ر۔ڑ۔ژ۔ز

۴۔ ن۔ل۔ق۔ی

۵۔ س۔ش

۶۔ ط۔ظ۔ص۔ض

۷۔ ھ۔بھ۔پھ۔تھ۔ٹھ۔جھ۔چھ۔دھ۔ڈھ۔ڑھ۔کھ۔گھ

۸۔ ج۔چ۔ح۔خ۔ل۔ع۔غ

مجوزہ گروہوں کے تحت حروفِ تہجی سکھا دینے کے بعد مکمل اشکال والے حروف سے بننے والے الفاظ سکھانے کا مرحلہ آتا ہے مثلاً آرا، دارا، آوا، آرام وغیرہ۔

مکمل اشکال والے حروف سے بننے والے الفاظ سیکھ لینے کے بعد بچہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ اسے مخلوط اشکال والے حروف سکھائے جائیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۲۔

نقل نویسی:

''نقل کے لفظی معنی پیروی کرنا یا تقلید کرنا کے ہیں۔نقل نویسی سے مراد لکھائی کا کوئی نمونہ دے کر اس کی پیروی کرنا ہے۔''

گویا معلم لکھائی کی مشق کے لیے متعلمین کو کوئی تحریر شدہ نمونہ دیتا ہے اور بچے اسے دیکھ کر لکھتے ہیں۔

دوصورتیں:

نقل نویسی کی مشق دو طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔

۱۔کتاب،کاپی یا کارڈ پر لکھی ہوئی تحریر کی نقل:

یہ ایک مناسب طریقہ ہو سکتا ہے لیکن اس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ بچوں کے سامنے ایک سانچہ آ جاتا ہے تاہم وہ عملی طور پر معلم کی پیروی نہیں کر پاتے۔بالخصوص جماعت اول یا دوم کے طلبہ کے لیے یہ طریقہ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۲۔تختۂ تحریر پر لکھی ہوئی تحریر کی نقل:

یہ طریقہ درج ذیل نکات کے باعث نقل نویسی کی مشق کیلیے زیادہ موثر تصور کیا جاتا ہے:

(الف) بچے معلم کو براہِ راست لکھتا دیکھتے ہیں۔اس لیے نقل میں آسانی رہتی ہے۔

(ب) بچوں کو الفاظ یا حروف کی درست سمت اور حرکات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

نقل نویسی کے مراحل:

نقل نویسی میں آسانی سے مشکل یا سادہ سے پیچیدہ کا کلیہ استعمال کیا جانا چاہیے۔

مثلاً اس سلسلہ میں سفارش کی جاتی ہے کہ سب سے پہلے حروفِ تہجی کی مشق کی جائے۔اس کے بعد سادہ الفاظ اور مرکبات، پھر جملے اور عبارتوں کی مشق کا مرحلہ آئے۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۳۔

املا نویسی یا جملہ نویسی:

''سن کر لکھنے کے عمل کو املا نویسی کہتے ہیں۔''

گویا اس عمل میں متعلمین کے سامنے تحریر کا نمونہ نہیں ہوتا بلکہ انہیں اپنی سماعت پر بھروسہ کرتے ہوئے لکھنا پڑتا ہے۔

املا کے مجوزہ اقدامات:

۱۔املا کے لیے دیے جانے والے اقتباس کا تعارف کروایا جائے تاکہ بچے جان جائیں کہ وہ کس موضوع پر لکھنے جا رہے ہیں۔

۲۔املا نویسی کے آغاز سے قبل بچوں کے آلاتِ تحریر کو پرکھ لیا جائے تاکہ دورانِ املا رکاوٹ نہ بنے۔

۳۔ بچوں کے بیٹھنے کی ترتیب کا خیال رکھا جائے تا کہ بچے ایک دوسرے کو دیکھ کر نہ لکھ سکیں۔

۴۔ بلند آواز میں لکھوایا جائے تا کہ بچے درست طور پر الفاظ کو سن لیں اور غلطی کا امکان نہ رہے۔

۵۔ املا نویسی کے دوران معلم مناسب رفتار میں بولے تا کہ سست روی سے لکھنے والے متعلمین بھی اس مشق میں پوری طرح شریک ہو سکیں۔

۶۔ املا کا اقتباس مکمل ہو جانے کے بعد معلم ایک مرتبہ اقتباس دہرا دے تا کہ بچے اپنے لکھے پر نظرِ ثانی کر لیں اور فراموش ہو جانے والے الفاظ یا جملے لکھ لیں۔

املا کی اصلاح کے طریقے:

املا کی اصلاح کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بچے اپنی اصلاح خود کریں: اس کا مطلب یہ ہے کہ معلم املائی مشق کے بعد یا درست اقتباس تختۂ تحریر پر لکھ دے یا بچے اصل ماٰخذ سے رجوع کریں۔ بہر طور وہ اپنے لکھے ہوئے اقتباس کی پڑتال خود ہی کر رہے ہوں۔

۲۔ بچے ایک دوسرے کی اصلاح کریں: اس طریقے میں بچے خود اپنے لکھے ہوئے اقتباسات کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کے کام کو دیکھتے ہیں۔ یہ طریقہ دلچسپ ہے لیکن اگر کسی لائق بچے کا کام قدرے کمزور بچے کے پاس آ جائے تو ممکن ہے اصلاحی عمل موثر نہ رہے۔

۳۔ معلم کی اصلاح: یہ طریقہ سب سے زیادہ موثر اور مناسب ہے۔ اس سلسلہ میں معلم کو حوصلہ افزائی کا رویہ اپنانا چاہیے۔ نیز غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے، مشفقانہ طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۸۴۔

رموزِ اوقاف:

رموز، رمز کی جمع ہے جس کے معنی اشارہ کے ہیں جبکہ اوقاف، وقف کی جمع ہے جس کے معنی ٹھہراؤ کے ہیں۔

''رموزِ اوقاف سے مراد وہ تحریری علامات ہیں جو تحریر میں آنے والے ٹھہراؤ کو ظاہر کرتی ہیں۔''

رموزِ اوقاف کی اہمیت:

تحریر میں رموزِ اوقاف کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے جسے ذیل میں مختصراً بیان کیا گیا ہے:

۱۔ ہم بولتے ہوئے آواز میں اتار چڑھاؤ لاتے ہیں۔ نیز بات کے مطابق حیرانی، غصّے، افسوس، خوشی، اور سوالیہ تاثر کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ تمام تاثرات تحریر میں رموزِ اوقاف کے ذریعے واضح کیے جاتے ہیں۔

۲۔ بہت سے جملوں میں مدعا کا تعین رموزِ اوقاف کے بغیر نہیں ہو پاتا۔

۳۔ بہت سے جملے رموزِ اوقاف کے بغیر مختلف معنی ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے ابہام کو ختم کرنے کے لیے رموزِ اوقاف کا ہونا ضروری ہو جاتا

ہے۔

مثلاً ''روکو،مت جانے دو۔'' اور'' روکومت، جانے دو۔''

دونوں بالائی جملوں کے معانی متضاد ہے۔محض سکتہ (،) کی جگہ مختلف ہوجانے سے معنی بدل جاتے ہیں۔

۴۔تحریری حسن کے لیےرموزِ اوقاف ضروری ہیں۔

۵۔رموزِ اوقاف کی موجودگی سے پڑھنے میں روانی آتی ہے۔

۶۔مکالمات کی درست تفہیم رموزِ اوقاف کے بغیر نہیں ہو پاتی۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۵۔

لسانی مہارتیں: مجموعی جائزہ

تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں لیکچر میں بنیادی لسانی مہارتوں پر بات ہوئی۔

''وہ مہارتیں جن میں عمل یا ردِعمل کے لیے کسی نہ کسی صورت میں زبان کی مہارت درکار ہو،لسانی مہارتیں کہلاتی ہیں۔''

مذکورہ ذیل میں سننے، بولنے، پڑھنے اور لکھنے کی مہارتیں شامل ہیں۔اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور انسانی طریقۂ عمل میں خاصی مماثلت پائی جاتی ہے۔معلومات کے حصول اور اخراج کے لیے کمپیوٹر میں دو طرح کے اہم پرزہ جات پائے جاتے ہیں جنہیں ''Input Device'' اور ''Output Device'' کہتے ہیں۔بالکل اسی طرح انسان بھی معلومات کے حصول اور اخراج کے لیے مختلف اعضا کا استعمال کرتا ہے۔

مثلاً، اگر سی ڈی روم، ماؤس اور ویب کیمرا جیسے پرزہ جات معلومات کمپیوٹر کے دماغ یعنی ہارڈ ڈِسک میں معلومات پہنچانے کا ذریعہ ہیں تو سمعی اور بصری اعضا یعنی کان اور آنکھ انسانی ذہن تک معلومات پہنچاتے ہیں۔اگر سپیکر، پرنٹر اور مونیٹر، کمپیوٹر میں موجود مواد کو سننے، پڑھنے یا دیکھنے کا کام دیتے ہے تو انسانی زبان اور ہاتھ معلومات کے اخراج کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

گویا کمپیوٹر ٹیکنالوجی کو سمجھنے کے لیے انسانی طریقۂ عمل کو سمجھ لیا جائے تو کمپیوٹر ٹیکنالوجی سمجھ آسکتی ہے۔

اس مثال کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح کمپیوٹر معلومات حاصل بھی کرتا ہے اور معلومات دیتا بھی ہے، اسی طرح ہم معلومات دیتے بھی ہیں اور لیتے بھی ہیں۔اس سارے عمل میں ہماری مختلف مہارتیں کام کرتی ہیں۔جس طرح کمپیوٹر کی کارکردگی میں بہتری کے لیے تمام پرزہ جات کا درست اور مستعد ہونا ضروری ہے اسی طرح انسانی کارکردگی میں بہتری کے لیے مختلف مہارتوں پر عبور ضروری ہے۔لسانی مہارتیں اس سلسلہ میں اس لیے اہم ترین ہیں کہ ان کے ذریعے ہم معلومات حاصل بھی کرتے ہیں اور معلومات کا ابلاغ بھی انہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

معلومات حاصل کرنے کے لیے سننا اور پڑھنا ضروری ہے اور معلومات کی فراہمی کے لیے بولنا اور لکھنا۔گویا سننا اور پڑھنا معلومات کے حصول کی مہارتیں ہیں اور بولنا اور لکھنا معلومات کے اخراج کی۔

کامیاب زندگی کے لیے ان سب پر یکساں عبور لازم ہے۔چنانچہ لسانی مہارتوں پر کام کرتے ہوئے ہمیں ایک مہارت کو دوسری سے جوڑ کر

کام کرنا چاہیے تاکہ تمام مہارتیں یکساں طور پر ترقی پا سکیں۔ اس سلسلہ میں چند نکات کی نشاندہی ذیل میں کی گئی ہے۔

لسانی مہارتوں میں بہتری کی تجاویز:

۱۔ لسانی مہارتوں میں بہتری کا سب سے اہم ترین راستہ عملیت پسندی ہے۔ ان تمام مہارتوں کا تعلق عمل سے ہے اس لیے ان پر عبور کے لیے زیادہ سے زیادہ مشقیں کی جانی چاہییں۔ محض زبانی بتادینے سے مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔

۲۔ تمام مہارتوں پر یکساں عبور کے لیے ضروری ہے کہ مربوط مشقیں کی جائیں۔ گویا ایسی مشقوں کا اہتمام کیا جائے کہ مشقیں، مختلف مہارتوں کے لیے بیک وقت مفید ہوں۔

۳۔ تدریسی معاونات کا استعمال لسانی مہارتوں پر عبور کے لیے نہایت مفید ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ درست موقع پر درست معاونت کا چناؤ کریں۔

۴۔ لسانی مہارتوں میں بہتری کے لیے، معلم کی اجتہادی فکر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ معلم نئی نئی سرگرمیوں کے اہتمام اور نت نئی آزمائشوں کو متعارف کروا کر لسانی مہارتوں میں طلبہ کی دلچسپی کو قائم بھی رکھ سکتے ہیں اور لسانی مہارتوں کے اس تربیتی عمل کو موثر تر اور تیز تر بھی بنا سکتے ہیں۔

۵۔ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ معلم اور متعلم دونوں کو لسانی مہارتوں کی اہمیت اور افادیت کا شعور ہو۔ اسی صورت میں دونوں ان میں بہتری کے لیے سنجیدہ ہوں گے۔

سبق نمبر:۱۵۔
تدریسِ نظمِ اردو

ذیلی موضوع نمبر:۸۶۔

شاعری کی ماہیت:

ہم سب کسی نہ کسی طرح شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں، وہ لوگ جو موسیقی سنتے اور گنگناتے ہیں یا وہ جو اپنی گفتگو موثر بنانے کے لیے اشعار کا سہارا لیتے ہیں، دراصل ہماری زندگی میں شاعری کی اہمیت کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں۔

شاعری کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر دورِ قدیم سے ناقدین اور دانش ور شاعری کے حوالے سے اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلا عظیم نام افلاطون کا لیا جا سکتا ہے۔ یونان کے اس عظیم مفکر نے کم و بیش اڑھائی ہزار سال قبل مثالی ریاست کا تصور پیش کرتے ہوئے، شاعری پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ چونکہ عالمِ وجود یعنی یہ دنیا، عالمِ مثال کی نقل ہے اور شاعر و مصور اس دنیا کی نقل پیش کرتے ہیں، اس لیے شاعری اور مصوری نقل کی نقل ہے۔

اس بنیاد پر اس نے شاعروں اور مصوروں کو ہدفِ تنقید بنایا اور اعلان کیا کہ اس کی مثالی ریاست میں شاعروں اور مصوروں کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

افلاطون کے بعد ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا میں شاعری کی ماہیت پر بات کی تو اپنے استاد کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے شاعری اور مصوری کو مثبت انداز میں پیش کیا۔ اس نے کہا:

''شاعر اور مصور اشیا کو اس طرح پیش کرتے ہیں، جیسے وہ تھیں، جیسی وہ ہیں اور جیسا انہیں ہونا چاہیے۔''

اس بیان کے آخری جزو نے شاعری اور مصوری میں تخلیقی رنگ پیدا کر دیا۔ افلاطون نے ادب و فن کو نقلِ محض بنا دیا تھا جبکہ ارسطو کی اس رائے نے ثابت کیا کہ 'چاہیے' کی گنجائش شاعر اور مصوروں کو تخلیقیت کی راہ سجھاتی ہے۔''

اٹھارویں صدی کے آخر میں رومانویت کے بانی ولیم ورڈز ورتھ نے شاعری کی نوعیت پر قلم اٹھایا تو کہا:

''شاعری پُر تاثیر احساسات کے بے ساختہ بہاو کا نام ہے۔ (وہ احساسات) جو تنہائی میں ازسرِ نو جمع کیے جاتے ہیں۔''

ناقدین ورڈز ورتھ کی اس رائے کو متصادم قرار دیتے ہیں کیونکہ 'بے ساختہ بہاؤ' کو 'ازسرِ نو جمع' نہیں کیا جاتا۔ ایسی صورت میں یا احساسات بے ساختہ نہیں رہتے یا ان کے ازسرِ نو جمع کرنے کی گنجائش نہیں نکلتی۔

بہر حال اختلافات خواہ کتنے بھی کیے جائیں، شاعری کے متعلق ہر بڑے ادبی اور غیر ادبی دانش ور نے اپنے اپنے انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کی بیان کردہ مختلف تعریفات میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ مختلف آرا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ:

''شاعری چنیدہ الفاظ کا وہ مجموعہ ہے جس کے عناصرِ تشکیلی میں آہنگ، متخیلہ اور جذبات واحساسات شامل ہیں۔''

چنیدہ الفاظ شعری زبان کو معتبر بناتے ہیں، آہنگ شاعری میں پائی جانے والی موسیقیت کا ضامن ہوتا ہے، متخیلہ شاعری میں تحسین وتسکین کے رنگ بھرتی ہے اور جذبات واحساسات اسے دل میں گھر کرنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۷۔

موضوع کے اعتبار سے شعری درجہ بندی:

شاعری کی ماہیت اور تعریف سے خواہ کتنا ہی اختلاف کر لیا جائے، اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ کم وبیش ہر شخص کسی نا کسی صورت میں شاعری سے واجبی یا شدید لگاؤ رکھتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ شاعری زندگی کے ہر شعبے کو خود میں سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ذیل میں موضوع کے اعتبار سے شاعری کی مختلف اصناف کا تعارف کروایا گیا ہے جو بذاتِ خود مذکورہ حقیقت کی گواہی دیتا ہے۔

۱۔رزمیہ شاعری:

''رزمیہ شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جس میں جنگ وجدل کے قِصّے، فتح وشکست کی داستانیں اور عظیم فاتحین کی بہادری کی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔''

اردو میں حفیظ جالندھری کا شاہنامۂ اسلام اس کی سب سے معروف مثال ہوسکتا ہے۔

۲۔بزمیہ شاعری:

''انسان کے انفرادی اور اجتماعی تجربات کو بیان کرنے والی شاعری، بزمیہ شاعری کہلاتی ہے۔''

اس تعریف سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا، جنگ وجدل کے علاوہ تمام تر موضوعات کے بیان کے لیے بزمیہ شاعری کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس طرح بزمیہ شاعری کا کینوس بہت وسیع ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اسے مزید چند حدود میں تقسیم کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔

۳۔جذباتی شاعری:

جذباتی شاعری میں حسن وعشق، ہجر ووصال، اور محبت یا نفرت کی بات کی جاتی ہے۔ اردو کا شعری سرمایہ ایسی شاعری سے بھرپور ہے۔ ولی دکنی سے آج تک اردو شاعری کا کینوس خواہ کتنا ہی وسیع ہو چکا ہو، اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ اردو شاعری کا محبوب موضوع ہمیشہ عشق و محبت ہی رہے ہیں۔

۴۔بہاریہ شاعری:

''بہاریہ شاعری سے مراد خوشی ومسرت کے موضوعات کا بیان کرنے والی شاعری ہے۔''

واضح رہے کہ یہاں خوشی سے مراد محبوب کا وصال یا معشوق سے ملاپ نہیں بلکہ انسان نظیر اکبر الہ آبادی کی طرح فطرت سے بھی خوش ہوسکتا ہے اور اپنے گرد اگرد پھیلی ہوئی خوشیوں سے بھی حظ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ بہاریہ شاعر ہی کو محض جذباتی شاعری میں ضم کر کے نہیں دیکھا جانا چاہیے۔

۵۔قومی و مِلّی شاعری:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ ملک وقوم سے محبت کا جذبہ جگانے اور اہلِ وطن کو وطن کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار کرنے والی شاعری کو قومی و مِلّی شاعری کہتے ہیں۔۔اردو میں پہلے مولانا حالی اور پھر علامہ اقبال قومی و ملی شاعری کی زندہ مثالیں ہیں۔

۶۔اخلاقی شاعری:

''معاشرتی برائیوں اور کمزوریوں کا سدِ باب کرنے والی شاعری کو ہم اخلاقی شاعری کہتے ہیں۔''

اس شاعری میں اچھائی کی طرف آنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کی جاتی ہے۔اردو میں کی جانے والی صوفیانہ روایت کی شاعری اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۸۔

ہیئت کے اعتبار سے شاعری کی درجہ بندی:

ہیئت یا ساخت کے اعتبار سے شاعری کو مختلف اصناف میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ان میں چند بنیادی اصناف درج ذیل ہیں:

ا۔غزل اور قصیدہ:

غزل اور قصیدہ کا پہلا شعر ہمیشہ ردیف قافیہ کی پابندی کے ساتھ ہوتا ہے۔اس کے بعد ہر شعر کے دوسرے مصرعہ میں ردیف قافیہ کی پابندی کی جاتی ہے۔ہیئتی اعتبار سے غزل اور قصیدہ میں کوئی فرق نہیں البتہ موضوعی اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

غزل میں ہر شعر کا الگ موضوع ہوتا ہے جبکہ قصیدہ میں چونکہ کسی شخص کی تعریف کی جارہی ہوتی ہے،اس لیے وہ موضوع سے زیادہ انحراف نہیں کرتا۔

۲۔تثلیث:

ہر وہ نظم جو تین مصرعوں کے بند پر مشتمل ہو،تثلیث کہلاتی ہے۔موجودہ دور میں تثلیث کو اپنانے کا رواج کم وبیش ختم ہوگیا ہے۔

۳۔رباعی:

چار مصرعوں میں کسی بات کو یوں بیان کرنا کہ پہلا،دوسرا اور چوتھا مصرعہ،ردیف قافیہ کی پابندی سے ہو،رباعی کہلاتا ہے۔

یہ صنف اردو میں خاصی معروف رہی ہے البتہ اب قدرے روبہ زوال ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ردیف قافیہ کی پابندیوں کو ختم کرنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔یہ اعزاز غزل ہی کو حاصل ہے کہ ردیف قافیہ کے خلاف اس قدر بغاوت کے باوجود غزل اپنا وقار قائم ودائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔

۴۔مخمس:

مخمس کا لفظ خمس سے ہے جس کے معنی پانچ کے ہیں۔ہر وہ نظم جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو،مخمس کہلاتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی نے بالخصوص اس صنف میں معیاری طبع آزمائی کی۔

۵۔مسدس:

مسدس کا لفظ سادس سے ہے جس کے معنی چھ کے ہیں۔ ہر وہ نظم جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہو، مسدس کہلاتی ہے۔ حالی کی مدوجذرِ اسلام اور میر انیس کے مرثیے اسی صنف میں ہیں۔

۶۔آزاد نظم:

آزاد نظم جدید دور کی پیداوار ہے۔اس میں ردیف قافیہ یا مصرعوں کی کوئی پابندی نہیں کی جاتی۔شاعر اپنی سہولت کے مطابق مصرعوں کی طوالت کا تعین کر سکتا ہے۔بہر حال معیاری شاعر اس سلسلہ میں موسیقیت اور آہنگ کو فراموش نہیں کرتے۔

ذیلی موضوع نمبر:۸۹۔

جماعت اول اور دوم میں تدریسِ شعر:

جماعت اول اور دوم تعلیمی سفر کے ابتدائی مراحل ہیں۔ان میں بہت سے وہ مسائل سامنے آتے ہیں جو بعد ازاں رفع ہو جاتے ہیں۔در اصل یہی وہ بنیاد ہے جو بعد کی عمارت کی مضبوطی کی ضامن ہوتی ہے۔چنانچہ، جماعت اول اور دوم کو پڑھاتے ہوئے چند ضروری عوامل لازماً ذہن نشین رہنے چاہییں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔معلم کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ اس کے سامنے موجود طلبہ کی ذہنی سطح اگر بہتر بھی ہو تو کس حد تک ہو سکتی ہے۔ ہمارے یہاں اساتذہ بالعموم وہی تدریسی انداز جماعت اول اور دوم کی سطح پر بھی استعمال کر لیتے ہیں جو بڑی جماعتوں میں بروئے کار لایا جاتا ہے۔ظاہر ہے ایسا کرتے وقت وہ جماعت اول اور دوم کے بچوں کی ذہنی سطح کو فراموش کر جاتے ہیں۔نتیجتاً تدریسی مقاصد مطلوبہ حد تک حاصل نہیں ہو پاتے۔

۲۔معلم کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس عمر میں بچوں میں احساسِ تحیر زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہی معلم کامیاب ہوگا جو اس احساسِ تحیر کی تشفی کر پائے گا۔

۳۔واضح رہے کہ اس عمر میں بچوں کے بہت سے بنیادی تصورات ابہام کا شکار ہوتے ہیں۔ بنیادی تصورات کی وضاحت زیادہ مشکل کام ہے۔ چنانچہ سبق کی تیاری کرتے وقت ضروری ہے کہ معلم آسان ترین مثالوں کے ذریعے تصورات کی وضاحت کا منصوبہ بنائے۔

۴۔اس سطح پر اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچے روانی سے پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ معلم کی بنیادی ذمہ داری میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بچوں کی قرات کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

۵۔اس عمر میں بچے بہت جلد بور ہو جاتے ہیں۔مزید یہ کہ وہ لمبی بات سننے اور سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ معلم کو ان کی عمر کے مطابق تدریسی سرگرمیاں ترتیب دینی چاہییں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ معلم ہی کو غیر محسوس انداز میں بچوں کے ارتکاز کی صلاحیت کو بڑھانا بھی ہے۔

تدریسی اقدامات:

۱۔سبق کا تعارف کروا لینے کے بعد معلم نظم خود پڑھے۔

۲۔معلم کی قرات کے بعد بچوں سے نظم پڑھوائی جائے۔

۳۔نظم کو مختصر ٹکڑوں میں تقسیم کر لینا بہتر ہوگا۔

۴۔بچوں سے مشکل الفاظ کی قرات کروائی جائے۔

۵۔ابتدائی قرات کا مرحلہ مکمل ہو جانے پر تحلیلی طریقہ کا استعمال کرتے ہوئے بچوں کے ہجوں اور قرات کی مہارت میں بہتری کے لیے مشکل الفاظ کے جوڑ توڑ کروائے جائیں۔

۶۔اس موقع پر ان الفاظ کے معنی کی وضاحت کر دی جائے تو بچوں کے ذخیرہِ الفاظ میں اضافہ ہوگا۔

۷۔تدریسی معاونات کا استعمال تفہیم اور تعلیمی عمل کو زیادہ موثر بنا دیتا ہے۔

۸۔آخر میں معلم اور طلبہ کی مشترکہ قرات بچوں کے لیے نظم کو یاد کرنے میں معاون ہوگی۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۰۔

جماعت سوم میں تدریسِ شعر:

جماعت سوم میں شاعری کی تدریس کے تقاضے جماعت اول اور دوم سے قدرے مختلف ہیں۔بچوں کی عمر بڑھ جانے اور کسی حد تک شعور کی بیداری سے بچوں کی تفہیمی صلاحیت بہتر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جماعت سوم میں شاعری کی تدریس کے دوران درج ذیل باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے:

۱۔بچوں کی ذہنی سطح بہر حال ہر مرحلہ پر مدِ نظر رہنی چاہیے۔۔ ممکن ہے معلم کو ایسے بچوں کو پڑھانا پڑے جو جماعت سوم میں بھیج تو دیے گئے ہوں لیکن ان کی ذہنی سطح ابھی اس قدرے بلند نہ ہوئی ہو۔

۲۔اس عمر میں تصورات واضح ہونے لگتے ہیں لیکن چونکہ یہ عمر کی وہ سطح ہے جہاں کچھ باتیں سمجھ میں آنے تو لگتی ہیں لیکن مکمل سمجھ نہیں آپاتی۔ یہ صورتِ حال تذبذب اور الجھاؤ کا باعث بنتی ہے۔

۳۔پڑھنے کی صلاحیت البتہ کسی حد تک بہتر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ معلم کو اپنی توجہ کسی حد تک قرات سے معنوی تفہیم کی طرف منتقل کر لینی چاہیے۔

تدریسی اقدامات:

۱۔سبق کے تعارف کے بعد معلم خود نظم پڑھے۔

۲۔نظم کو ٹکڑوں میں تقسیم کر لیا جائے۔

۳۔تلفظ اور ادائیگی کی وضاحت کی جائے۔

۴۔مشکل الفاظ کے معنی بتائے جائیں۔

۵۔اشعار کے مفہوم کی وضاحت کی جائے۔

۶۔ بعدازاں بچوں سے نظم پڑھنے کو کہا جائے۔

۷۔ بچوں کے تلفظ کی مشفقانہ انداز میں درستی کی جائے۔

۸۔ بچوں سے الفاظ اور نظم کے اشعار کی وضاحت کروائی جائے۔

واضح رہے کہ معلم کی وضاحت اور طلبہ کی تشریح کی ترتیب مختلف اسباق میں بدلی جاسکتی ہے

ذیلی موضوع نمبر:۹۱۔

جماعت چہارم اور پنجم میں تدریسِ شعر:

اول، دوم اور سوم کے بعد چہارم اور پنجم کی سطح تک پہنچتے پہنچتے بہت سے بنیادی مراحل طے ہو چکے ہوتے ہیں۔ تاہم اس سطح پر بھی معلم کو چند باتیں مدِ نظر رکھنی چاہییں۔

۱۔ ذہنی سطح سے آگہی یہاں بھی معلم کے لیے ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر معلم کسی بھی جماعت سے تعارفی ملاقات میں اس کی ذہنی سطح کا اندازہ لگا لیتا ہے یا اسے لازماً ایسا کر لینا چاہیے تاکہ مستقبل میں اس کے لیے آسانی رہے۔

۲۔ چوتھی پانچویں جماعت میں آتے آتے ایک فرق یہ پڑتا ہے کہ متعلمین شعوری طور پر جان جاتے ہیں کہ وہ تعلمی عمل سے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ ارتکاز کو قائم رکھنا معلم کے لیے زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

۳۔ اس سطح پر بچوں کے بنیادی تصورات واضح ہو چکے ہوتے ہیں اس لیے معلم بنیادی سطح کی مثالوں سے بڑھ کر بات کر سکتا ہے۔

تدریسی اقدامات:

۱۔ اس سطح پر معلم کو ایک مضبوط اور موثر تمہیدی آغاز کرنا چاہیے۔ سبق کی تیاری کے دوران تمہیدی کلمات بھی ترتیب دیے جانے چاہییں۔ انہیں جملوں سے تدریسی عمل کا آغاز ہونا چاہیے۔

۲۔ اس کے بعد نظم کا تعارف کروایا جاتا ہے۔

۳۔ پھر معلم پہلے خود نظم کی قرات کرتا ہے اور بعدازاں طلبہ اس کی تقلید میں نظم پڑھتے ہیں۔

۴۔ ابتدائی قرات کے بعد مشکل الفاظ کے معنی بتائے جائیں۔

۵۔ الفاظ معنی بتا دینے کے بعد اشعار کی تشریح کی جائے۔ اس سلسلہ میں نظم کو اشعار یا بندوں میں تقسیم کر لینا ضروری ہے۔

۶۔ اشعار کی تشریح کے دوران اور بعد میں طلبہ کو تعلمی عمل میں شریک کیا جائے۔ گویا ایسا نہ ہو کہ معلم خود ہی بولتا چلا جائے۔ ایسا کرنے سے ممکن ہے طلبہ عدم سرگرمی کا شکار ہو جائیں۔

۷۔ تشریحی اور تفہیمی عمل مکمل ہو جانے پر ایک مرتبہ پھر نظم کو پڑھنا چاہیے۔ اس عمل کا مقصد یہ ہے کہ مشکل الفاظ اور وضاحت جان لینے کے بعد، متعلمین بہتر انداز میں مجموعی تاثر قائم کر پاتے ہیں۔

۸۔ آخر میں معلم نظم کا مرکزی خیال مختصر خلاصہ کی صورت میں طلبہ کے سامنے پیش کرے۔

سبق نمبر:۱۶۔

تدریسِ نثرِ اردو

ذیلی موضوع نمبر:۹۲۔

تدریسِ نثر کے مقاصد:

''نثر کسی بھی زبان میں نحوی اصولوں کے عین مطابق جملاتی ساخت کی وہ تحریر ہوتی ہے جس میں بات عام گفتگو سے قریب تر لہجہ میں کی جاتی ہے۔''

گویا شاعری اور نثر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شاعری میں آہنگ اور وزن کے پیشِ نظر نحوی ساخت یعنی جملے کے اجزا کی ترتیب کی خلاف ورزی کی اجازت ہوتی ہے لیکن معیاری نثر سے توقع کی جاتی ہے کہ اس میں جملے کے بنیادی اجزا کی ترتیب ملحوظِ خاطر رکھی جائے، مثلاً شیخ ابراہیم ذوقؔ کا ذیلی شعر اور اس کی نثری صورت یہ ہوگی:

نہ ہوا، پر نہ ہوا، میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

''میرؔ کا انداز نصیب نہ ہو پایا۔ ذوقؔ، یاروں نے غزل میں بہت زور مارا۔''

تدریسِ نثر کے مقاصد:

تدریسِ نثر کی اہمیت اور مقاصد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم روزمرہ زندگی میں نثری اسلوب میں ہی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ نثری اسلوب پر مہارت ہمارے ہر طرح کے خیالات کے موثر اظہار کے لیے ضروری ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر نثر کی تدریس پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ذیل میں انھی چند نکات کی وضاحت کی گئی ہے جنہیں تدریسِ نثر کے دوران مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ جیسا کہ بالائی سطور میں وضاحت کی گئی ہے کہ شاعری بنیادی نحوی اصولوں کی پاسداری نہیں کرتی اس لیے درست زبان کی ترویج کے لیے نثر کی تدریس ضروری ہے۔ چنانچہ، نثر کی تدریس کا پہلا اور اہم ترین مقصد یہی ہے کہ متعلمین میں درست زبان کے استعمال کو فروغ دیا جا سکے۔

۲۔ نثری اسباق کی تدریس کا ایک اہم مقصد ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہے۔ چونکہ نثری اسباق، شعری اسباق سے زیادہ طویل ہوتے ہیں اور ان میں روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اس لیے نثر کی تدریس کے ذریعے بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں بہتر طور پر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز مختلف جملوں میں ان الفاظ کے استعمال سے انہیں یاد رکھنا بھی مقابلتاً زیادہ آسان ہے۔

۳۔ تدریسِ زبان، صرف زبان سے آگہی کے لیے ضروری نہیں۔ اس کے ذریعے ہم بچوں کی ذہنی نشوونما کا کام لیتے ہیں۔ نثر پڑھاتے

وقت معلمین کو یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مختلف اسباق کی شمولیت کے ذریعے بچوں کی ذہنی تربیت مقصود ہے۔ چنانچہ اساتذہ کو زبان کی تربیت کے ساتھ ساتھ ایسی سرگرمیوں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے جن سے بچوں میں فکری وسعت پیدا کی جاسکے۔

۴۔تدریسِ نثر کا ایک مقصد یہ ہے کہ بچے جو کچھ سوچتے ہیں، اس کا اظہار بھی کرسکیں۔اسی لیے تعلیمی عمل سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ صرف پڑھانے کے علاوہ ایسی سرگرمیوں کا اہتمام کیا جائے جن سے بچوں کو اظہار کا موقع بھی ملے اور وہ اپنے خیالات کو موثر انداز میں بیان کر سکیں۔

۵۔نثر میں موضوعی اور اصنافی اعتبار سے خاصی وسعت کی گنجائش ہوتی ہے۔کہانی، مضمون، افسانہ، ناول وغیرہ کی تدریس کے ذریعے بچوں میں مطالعہ کا شوق بہتر انداز میں پیدا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ نثر کی تدریس کا ایک مقصد بھی یہی ہے کہ بچوں میں مطالعاتی شوق بڑھ سکے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۹۳۔

افسانوی نثر:

نثر کی درجہ بندی کی بات کی جائے تو ہم نثر کو دو خانوں، افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر میں تقسیم کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

''وہ نثر جس میں خیالی یا حقیقی واقعات، کہانیاں اور قِصّے سنائے جائیں، افسانوی نثر کہلاتی ہے۔''

افسانوی نثر کو چار مزید اصناف میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف)داستان:

''وہ طویل قِصّے جن میں بات کڑی در کڑی واقعات کے ذریعے آگے بڑھتی ہے لیکن داخلی ربط کا فقدان پایا جاتا ہے، داستان کہلاتے ہیں۔''

یعنی قِصّے کے واقعات میں زیادہ ربط نہیں ہوتا۔ ہمارے یہاں آج کل ٹی وی پر دکھائے جانے والے سینکڑوں اقساط پر مشتمل ڈرامے، داستان کی جدید ڈرامائی صورت کہلا سکتے ہیں۔

اردو میں میر امن کی ''باغ و بہار'' اور رجب علی بیگ کی ''فسانۂ عجائب'' معروف ترین داستانیں کہلاتی ہیں۔

"(ب)ناول:

''وہ خیالی یا حقیقی قِصّہ جس میں واقعات در واقعات پر مضبوط اور مربوط پلاٹ کو فوقیت حاصل ہو، ناول کہلاتا ہے۔"''

دراصل ''ناول'' کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ ''نویلا'' سے نکلا ہے۔ ''نویلا'' کے معنی نیا یا اچھوتا کے ہیں۔ داستان کے بعد مضبوط ربط والی اس کہانی کو ابتدائی طور پر ایک نئی چیز تصور کیا گیا، اسی لیے اس کے لیے ناول کا نام فروغ پا گیا۔

اردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد ہیں۔ انہوں نے ۱۸۶۹ء میں مراۃ العروس لکھ کر اردو میں ناول نگاری کی بنیاد رکھی۔

(ج)افسانہ:

''ناول کی وہ مختصر صورت جس میں زندگی کی مکمل تصویر کشی کی بجائے، کسی ایک پہلو پر ارتکاز کیا جائے، افسانہ کہلاتی ہے''

اردو میں افسانہ نویسی کا آغاز بیسویں صدی میں سجاد حیدر یلدرم سے ہوا۔صرف سو سال کے مختصر عرصے میں افسانہ نا قابلِ یقین ترقی کر چکا ہے۔

(د)ڈراما:

''کسی خیالی یا حقیقی واقعہ کو عملی صورت میں پیش کرنا نقالی، ناٹک یا ڈراما کہلاتا ہے۔''

ڈراما ادبی دنیا کی چند قدیم ترین اصناف میں سے ہے۔قدیم یونان میں اس صنف نے سب سے پہلے باقاعدہ ترقی پائی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر میں پھیل گئی۔ ہندوستان میں ناٹک کی اپنی تاریخ بھی خاصی طویل ہے۔ یہاں ڈرامے کی روایت یونانی تقلید میں نہیں۔ یہاں دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے اپنے انداز میں رقص اور ناٹک کیا جاتا تھا۔

موجودہ عہد میں ٹیلی ویژن اس روایت کو بخوبی نباہ رہا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۴۔

غیر افسانوی نثر:

''زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی وہ تحریریں جن میں واقعات نگاری کی بجائے موضوعی تعارف اور تقابل و تجزیہ پر ارتکاز کیا جاتا ہے،غیر افسانوی نثر کہلاتی ہیں۔''

گویا وہ تحریریں جن میں کہانی یا مکالمات کا انداز استعمال نہ کیا جائے،غیر افسانوی نثر کی ذیل میں آئیں گی۔مضامین، خاکہ،خودنوشت یا آپ بیتی،سوانح عمری اور تاریخی، تحقیقی و تنقیدی تحریریں،غیر افسانوی نثر کی معروف مثالیں ہوسکتی ہیں۔

(الف)مضامین:

''مناسب طوالت کی وہ تحریریں جن میں افسانوی انداز کی بجائے منطقی اور استدلالی صورت میں کسی موضوع پر بات کی جائے،مضمون کہلاتی ہیں۔''

اردو میں مضمون نویسی کا آغاز سرسید کی کاوش سے اس وقت ہوا جب انہوں نے انگریزی تحریروں کی پیروی میں اس صنف فروغ دیا۔

(ب)شخصی خاکہ:

''خاکہ یا شخصی خاکہ سے مراد وہ مختصر تحریر ہوتی ہے جس میں مصنف،مختصر مگر جامع انداز میں کسی شخصیت کا تعارف کرواتا ہے''۔

ضروری ہے کہ خاکے کا انداز شگفتہ اور شائستہ ہو۔بصورت دیگر پڑھنے والا جلد ہی تنگ آجائے گا۔

(ج)خودنوشت یا آپ بیتی:

''اپنی زندگی کے تجربات اور واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانا،خودنوشت یا آپ بیتی کہلاتا ہے''۔

آپ بیتی لکھتے وقت یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ کسی شخص کی زندگی کے متعلق ہم صرف اسی صورت میں جاننا چاہیں گے جب یا وہ کوئی

مشہور شخصیت ہو یا اس کا اندازِ بیاں اتنا پر کشش ہو کہ ہمیں بھا جائے۔

(د) سوانحِ عمری:

''کسی کی زندگی اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالنے والی تحریر کو سوانحِ عمری کہتے ہیں''۔

سوانح کے لیے شخصیت کا انتخاب کرتے ہوئے یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ شخصیت معروف ہو، مصنف کا اسلوب دلچسپ ہو اور لکھنے والا اپنے ذاتی تعصب سے پاک ہو کر دوسرے کے محاسن و معائب کی نشاندہی کرے۔

(ہ) تاریخ نویسی:

''ادبی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی سفر کا ترتیبِ زمانی سے بیان، تاریخ نویسی کہلاتا ہے''۔

تاریخ لکھنے والے کو مورّخ کہتے ہیں۔ مورّخ کی ذمہ داری ہے کہ غیر جانبداری سے، اپنے وسیع مطالعہ کے بعد، اپنی معلومات صفحۂ قرطاس پر اتارے۔

(و) تحقیق و تنقید:

''مخفی حقائق کو منظرِ عام پر لانے اور تخلیقی ادب کے محاسن و معائب نیز توضیح و تشریح کرنے والی تحریریں تحقیقی و تنقیدی تحریریں کہلاتی ہیں۔''

یہ تحریریں ترتیب دینے والے بھی اپنے میدان میں ماہر ہوتے ہیں اور ان تحریروں کو پڑھنے والے بھی اسی میدان سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان تحریروں سے صرف متعلقہ افراد کا پالا ہی پڑتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۵۔

تدریسِ نثر کے عمومی اقدامات:

ذیل میں نثر کے عمومی اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے:

۱۔ تمہید:

معلم کو جماعت کے کمرے میں جاتے ہی سبق پڑھانا شروع نہیں کر دینا چاہیے۔ ضروری ہے کہ پہلے بچوں کو تدریس کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا جائے۔

بچوں کی دلچسپی اور آمادگی کا حصول اس سلسلہ میں پہلا زینہ ہے۔ اسی طرح بچوں کو متعلقہ موضوع کی طرف لاتے ہوئے، موضوع کے حوالے سے ان کی سابقہ معلومات سے آگہی بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے معلم طلبہ سے مختلف سوالات کر سکتا ہے۔

۲۔ اعلانِ سبق:

تمہیدی گفتگو کے بعد باقاعدہ سبق کا اعلان کیا جاتا ہے۔ یہاں معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ سبق کا عنوان اور صفحہ نمبر بتائے۔ اس کے بعد پھر موضوع کا مختصر تعارف کروایا جائے اور سبق کا خلاصہ بیان کیا جائے۔

۳۔استحضار:

استحضار کے معنی ہیں، کھول کر بیان کرنا، واضح کرنا، آ گہی دینا۔

اس مرحلہ پر معلم کی قرات، متعلمین کی قرات، تفہیمِ عبارت اور تدریسی معاونات کا استعمال جیسے اقدامات کیے جاتے ہیں۔

۴۔مشق واعادہ:

سبق پڑھا لینے کے بعد مشق واعادہ کا مرحلہ آتا ہے۔ یہاں معلم مختلف اقدامات کے ذریعے دیکھ سکتا ہے کہ مقاصدِ تدریس کس حد تک حاصل ہو پائے ہیں۔اس سلسلہ میں وہ مختصر سوالات کرسکتا ہے۔اسی طرح قراتِ ثانی بھی کی جاسکتی ہے۔آخر میں گھر کا کام تفویض کیا جاتا ہے۔جس میں زبانی کام بھی ہوسکتا ہےاور تحریری کام بھی۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۶۔

جماعت اول ودوم میں تدریسِ نثر:

جماعت اول اور دوم تعلیمی سفر کی ابتدائی سطحیں ہیں۔ یہاں معنی ومفہوم کی وضاحت سے زیادہ پڑھائی کی مشق پر توجہ دی جاتی ہے۔ نیز بچوں کو آہستہ آہستہ تعلمی عمل پر توجہ کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جماعت اول اور دوم میں نثر کی تدریس کرتے وقت معلم کو ذیلی اقدامات لینے چاہییں:

ا۔تمہید:

تمہیدی مرحلہ پر معلم کو محض بچوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔بچوں کی دلچسپی اور آمادگی کے لیے مختلف تعارفی سوالات کیے جاسکتے ہیں۔ یہ سوالات عمومی نوعیت کے ہونے چاہئیں اور انہیں کسی حد تک موضوع سے متعلق ہونا چاہیے تاکہ موضوع پر آنے میں سہولت ہو۔

۲۔اعلانِ سبق:

تمہیدی گفتگو کے بعد معلم باقاعدہ تدریس کا آغاز کرتا ہے۔ یہاں سب سے پہلے سبق کا عنوان بتایا جاتا ہے۔بچوں کی توجہ قائم رکھنے کے لیے ان سے سبق کا عنوان پڑھوایا جاسکتا ہے۔مثلاً معلم عنوان بتادینے کے بعد پوچھ سکتا ہے کہ ''تو ہم کیا پڑھنے لگے ہیں؟''

بہتر ہوگا کہ سبق کا عنوان تختۂ تحریر پر بھی لکھ دیا جائے۔اس کے بعد معلم سبق کا مختصر تعارف کرواتا ہے۔

۳۔مرحلۂ قرات:

جماعت اول میں کم وبیش تمام ارتکاز قرات یعنی پڑھائی کی مشق پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلے معلم قرات کرتا ہے پھر بچوں سے جملہ بہ جملہ قرات کروائی جاتی ہے۔اس کے بعد مشکل الفاظ کی تکرار ہوتی ہے تاکہ بچے ان الفاظ کا تلفظ سیکھ لیں۔ بعدازاں تختۂ تحریر کا استعمال کرتے ہوئے تحلیلی وترکیبی طریقہ کے ذریعے مشکل الفاظ کے جوڑ توڑ کروائے جاتے ہیں۔

۴۔وضاحت:

بچوں کی ذہنی سطح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اس مرحلہ پر مشکل الفاظ کے معنی کی وضاحت اور مجموعی سبق کی توضیح کی جاتی ہے۔واضح رہے کہ یہ

اقدام جماعت اول سے زیادہ جماعت دوم میں بہتر ہوگا۔

۵۔مشق واعادہ:

آخر میں مشق اوراعادہ کیا جاتا ہے۔اس ابتدائی سطح پر بچوں سے کیے جانے والے سوالات ایسے ہونے چاہیئں جن سے سبق سے متعلق ان کے تصورات واضح ہوسکیں۔ بہرحال اس مرحلہ پر عملی سرگرمیاں زیادہ موثر ہوں گی۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۷۔

جماعت سوم اوراس کے بعد کی جماعتوں کے لیے تدریسِ نثر:

جماعت سوم اوراس کے بعد کی جماعتوں میں نثر کی تدریس تھوڑے فرق کے ساتھ تقریباً ایک سی ہوتی ہے۔ بڑی جماعتوں میں جاتے جاتے وضاحتی مرحلہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ذیل میں ان تمام اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے جونثر کی تدریس کے دوران اساتذہ کومدِ نظر رکھنے چاہییں۔

ا۔تمہید:

جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ معلم کمرائے جماعت میں جاتے ہی باقاعدہ تدریس شروع نہیں کرتا۔موضوع سے متعلق چند تمہیدی جملے اورابتدائی گفتگو کے بعد ہی تدریسی عمل شروع ہوتا ہے۔جماعت دوم کے بعد بچوں کوقدرے وسیع معلومات کی فراہمی ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ تمہیدی گفتگو،اس کے مطابق تیارشدہ اورموثر ہونی چاہیے۔

۲۔اعلانِ سبق:

تمہیدی گفتگو کے بعد سبق کا باضابطہ آغاز اعلانِ سبق سے ہوتا ہے۔معلم باآوازِ بلند سبق کے عنوان کا اعلان کرتا ہےاورتختۂ تحریر پراس کے الفاظ لکھ دیتا ہے تاکہ طلبہ جان لیں کہ وہ کیا پڑھنے جارہے ہیں۔یہاں معلم سبق کامختصر تعارف اورخلاصہ بھی بتا سکتا ہے۔

۳۔مرحلہ قرات:

تعارفی گفتگو کے بعد قرات کا مرحلہ آتا ہے۔بالعموم پہلے معلم خودقرات کرتا ہےاور بعد میں طلبہ سبق پڑھتے ہیں۔تاہم معلم اس ترتیب کو سبق کے مطابق الٹ بھی سکتا ہے۔وقتاً فوقتاًاس ترتیب کو بدلتے رہنا چاہیے تاکہ تدریسی عمل یکسانیت کا شکار نہ ہونے پائے۔

۴۔الفاظ معنی کی وضاحت:

چونکہ سبق کی قرات مختلف ٹکڑوں میں کی جاتی ہےاس لیے وضاحتی مرحلہ کا آغاز بھی یہیں ہوجاتا ہے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے مشکل الفاظ کے معنی بتائے جاتے ہیں اور پھر مختلف مثالوں کے ذریعے ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔ بڑی جماعتوں میں محض مفرد الفاظ نہیں ہوتے۔ چنانچہ مشکل الفاظ کے معنی بتاتے وقت عبارت میں آنے والے محاورات،تلمیحات اورتراکیب کی وضاحت بھی ضروری ہوتی ہے۔معلم کو چاہیے کہ معنی کی وضاحت کے لیے مشکل الفاظ،تراکیب،محاورات اورتلمیحات وغیرہ کوجملوں میں بھی استعمال کر دکھائے۔ یہ جملے طلبہ سے بھی بنوائے جاسکتے ہیں۔نیز مشکل الفاظ کے متضاد اور مترادفات بھی بتائے جانے چاہییں تاکہ ذخیرۂ الفاظ میں موثر اضافہ ہو

سکے۔

۵۔تفہیم عبارت:

الفاظ،تراکیب،محاورات اور تلمیحات وغیرہ کے معنی جان لینے کے بعد عبارت کی تفہیم کا مرحلہ آتا ہے۔ یہاں معلم عبارتی ٹکڑوں کی جداگانہ توضیح وتشریح کرتا ہے۔معلم پر واجب ہے کہ اس جداگانہ وضاحت میں ربط کے لیے سیاق وسباق کا خیال رکھے۔یعنی زیرِ توضیح عبارت سے پہلے اور بعد سے اُس کا ربط جوڑا جائے۔

۶۔عملی قواعد کی مشق:

بڑی جماعتوں میں سبق کی تدریس کے دوران ہی بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں معلم کو زبان سے متعلق قواعد کی تدریس کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی لیے سبق کی تدریس میں آنے والے قواعدی امور پر دورانِ تدریس ہی واضح ہونا چاہیے۔عملی قواعد پر عبور مشق کے بغیر ممکن نہیں۔چنانچہ تفہیم عبارت کے بعد عملی قواعد کی مشق ہونی چاہیے۔

۷۔مشق واعادہ:

آخر میں مشق واعادہ کے مرحلہ پر سبق کا خلاصہ دہرانے کے بعد طلبہ سے سوالات کیے جانے چاہیے اور مختلف سرگرمیوں کے ذریعے تدریسی عمل کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔

سبق نمبر:۱۷

تدریسِ قواعدِ اردو

ذیلی موضوع نمبر:۹۸۔

قواعدِ اردو کی اہمیت:

''قواعدِ زبان سے مراد زبان سے متعلقہ وہ اصول وضوابط ہیں جن سے آگہی کے بغیر معیاری زبان کی تحصیل ممکن نہیں۔''

دراصل ہر علم اپنے مخصوص اصول رکھتا ہے اور وہ علم خواہ کتنا ہی فطری نوعیت کا ہو، متعلقہ اصولوں کے بغیر اس میں مہارت حاصل نہیں کی جا سکتی۔تحصیلِ زبان میں اس کے قواعد کی اہمیت بھی اسی اساسی اصول کے حوالے سے ناقابلِ فراموش ہے۔

قواعدِ اردو کی بنیاد:

اردو کی بنیاد، دو اساسی علوم، علمِ صرف اور علمِ نحو پر ہے۔

''صرف سے مراد لفظی تشکیلات سے آگہی دلانے والا علم ہے۔یعنی الفاظ اور تراکیب کیسے بنتے ہیں اور ان کی مختلف صورتیں کون کون سی ہوسکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔''

مذکر۔مونث، واحد۔جمع، مفرد الفاظ، مرکب الفاظ وغیرہ کے حوالے سے معلومات اسی علم کے ذریعے سے مہیا ہوتی ہیں۔

''نحو سے مراد جملے کے اجزا اور جملاتی ترتیب سے آگہی دینے والا علم ہے۔''

گویا، ہم صرف سے الفاظ سازی سیکھتے ہیں اور نحو سے جملہ ہم بنانے کا طریقہ جان پاتے ہیں۔

قواعدِ زبان کی اہمیت:

زبان کے قواعد کی اہمیت یوں تو اسی بنیادی نکتے میں مضمر ہے کہ اصول وضوابط کے بغیر کسی علم پر عبور ممکن نہیں، البتہ زبان کے قواعد کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ شخص جو اپنا مدعا موثر انداز میں بیان نہیں کرسکتا، اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ ذیل میں قواعدِ زبان کی اہمیت کے حوالے سے چند اساسی نکات کی نشان دہی کی گئی ہے:

۱۔قواعد پر عبور رکھتے ہوئے ہی زبان میں مہارت کا دعویٰ ممکن ہے، اصولوں سے آگہی کے بغیر ہم صرف وہی جملے اور الفاظ لکھ یا بول پائیں گے جو ہمیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یاد ہوچکے ہیں۔نئی صورتِ حال میں ہمارے لیے اظہارِ خیال مشکل ہوجائے گا۔

۲۔جو شخص زبان کے قواعد جانتا ہے وہ ہمیشہ اس شخص سے بہتر گفتگو کر پاتا ہے جسے زبان کے اصولوں سے تسلّی بخش حد تک آشنائی نہیں

ہوتی۔گویا قواعدِ زبان بیان پر قدرت کی ضمانت ہیں۔

۳۔موثر گفتگو اور پر تاثیر تحریر کے لیے موثر تراکیب اور تخلیقی جملہ سازی پر مہارت ضروری ہے اور یہ مہارت قواعدِ زبان سے آگہی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

۴۔کسی کی بات اور عبارت کو سمجھنے کے لیے بھی زبان کے اصولوں سے آشنائی ضروری ہے۔

۵۔لسانی شعور بھی زبان کے قواعد کو جان کر ہی آتا ہے۔یعنی کوئی لفظ کہیں کیوں ضروری ہے، کس نوعیت کا جملہ کہاں زیادہ موثر ہوگا، ان باتوں کا جواب زبان کے قواعد جان کر ہی مل سکتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۹۹۔

کلمہ اور مہمل:

''ہر بامعنی لفظ کلمہ کہلاتا ہے جبکہ وہ الفاظ جو ہم بولتے تو ہیں لیکس ان کے کوئی معنی نہیں ہوتے، مہمل کہلاتے ہیں۔''

مثلاً، روٹی ووٹی اور چائے وائے۔روٹی اور چائے بامعنی الفاظ ہیں، چنانچہ یہ دونوں الفاظ کلمہ ہیں۔دوسری طرف ووٹی اور وائے استعمال تو ہوتے ہیں لیکن ان کا اپنا کوئی مطلب نہیں ہے۔

کلمہ کی تین مختلف صورتیں ہیں جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔اسم:

''اسم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی 'نام' کے ہیں۔یعنی کسی شخص، جگہ یا چیز کا نام اسم کہلاتا ہے''

مثلاً، شیر، اکرم، لاہور، صوبہ، میز، ٹوکری وغیرہ۔

۲۔فعل:

''ہر وہ لفظ جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے، فعل کہلاتا ہے۔''

مثلاً، آنا، جانا، ہنسنا، رونا وغیرہ۔

۳۔حرف:

''الفاظ کی وہ بنیادی اکائی جو تنہا تو کوئی معنی نہیں رکھی لیکن جملہ اس کے بغیر اپنے معنی ادا نہیں کر پاتا، حرف کہلاتا ہے۔''

مثلاً، ذیلی جملوں میں جلی الفاظ حرف کی صورتیں ہیں:

اس **کا** بھائی مجھ **سے** ملا۔

کتاب میز **پر** رکھ دو۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۰۔

اسم کی اقسام باعتبارِ معنی:

بالائی سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ:

''اسم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی 'نام' کے ہیں۔ یعنی، کسی شخص، جگہ یا چیز کا نام اسم کہلاتا ہے''

معنی کے اعتبار سے اسم کی دو اقسام ہیں؛ اسم معرفہ اور اسم نکرہ۔ ذیل میں ان کی مختصر وضاحت کی گئی ہے:

اسم معرفہ:

''کسی خاص شخص جگہ یا چیز کا نام اسم معرفہ کہلاتا ہے''

مثلاً، اسداللہ خاں غالب، کراچی، سندھ، جناح کیپ وغیرہ

واضح رہے کہ یہاں خاص سے مراد خصوصی نہیں مخصوص ہے۔ یعنی ضروری نہیں کہ کسی خصوصی شخصیت جگہ یا چیز کا نام اسے اسم معرفہ بنا دے گا۔ بالائی مثالوں میں 'غالب' اس لیے اسم معرفہ نہیں کہ یہ ایک خاص بڑے شاعر کا نام ہے۔ کوئی بھی زید، عمر، بکر، شاعر اسم معرفہ ہی ہوگا جب اس کا اپنا نام لیا جائے گا۔

اسم نکرہ:

''کسی عام شخص، جگہ یا چیز کا نام اسم نکرہ کہلاتا ہے۔''

مثلاً شاعر، لڑکا، شہر، صوبہ، ٹوپی۔

واضح رہے کہ یہاں عام سے مراد عامیانہ نہیں عمومی ہے۔ یعنی مخصوص نام لیے بغیر جب کسی شخص، جگہ یا چیز کو پکارا جائے گا تو وہ اسم نکرہ کی صورت ہوگی۔ جیسا کہ اسم معرفہ میں شخص، جگہ یا چیز کا نام لیا گیا تو وہ اسم معرفہ کہلائی جبکہ اسم نکرہ کی مثالوں میں مخصوص نام کی بجائے اُنہیں ان کے عمومی نام سے پکارا گیا جو اسم نکرہ کی صورت ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۱۔

اسم معرفہ کی اقسام:

بالائی سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ:

''کسی خاص شخص، جگہ یا چیز کا نام اسم معرفہ کہلاتا ہے''

اسم معرفہ کی چار اقسام ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اسم ضمیر

''اسم ضمیر سے مراد وہ کلمہ ہے جو کسی شخص، جگہ یا چیز کے نام کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ذیلی جملوں میں جلی حروف سے لکھے گئے الفاظ اسم ضمیر کی مثالیں ہیں:

اسلم ایک اچھا لڑکا ہے۔ وہ وقت پر اٹھتا ہے۔ اس کا کام سب سے بہتر ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ: میں، ہم، تم، آپ، وہ، سب اسم ضمیر کی مثالیں ہیں۔

۲۔اسم اشارہ:

''اسم اشارہ سے مراد وہ کلمات ہیں جو کسی اسم یعنی شخص، جگہ یا چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔''

مثلاً ذیلی جملوں میں جلی حروف اسم اشارہ کی مثالیں ہیں:

یہ میری بلی ہے۔

وہ اسلم کا گھر ہے۔

۳۔اسم موصول:

''وہ کلمہ جو اس وقت تک بامعنی نہیں بنتا جب تک کوئی اور جملہ اس کی وضاحت نہیں کرتا''۔

مثلاً ذیلی جملوں میں جلی حروف دیکھیے:

جس کی بات تم کر رہے ہو، میں اسے نہیں جانتا۔

جو کتاب تمہیں چاہیے، وہ دستیاب نہیں ہے۔

۴۔اسم علم:

''وہ کلمہ جو اصل نام کی بجائے کسی شخص کی پہچان بن جائے، اسم علم کہلاتا ہے۔''

اسم علم کی چار ذیلی صورتیں ہیں جن کی وضاحت سے اسم علم کی تفہیم مکمل طور پر ہو جاتی ہے۔

(الف) خطاب: وہ نام جو کسی معرکہ یا خدمات کی بنیاد پر حکومت یا قوم کی طرف سے دیا جائے۔" مثلاً علامہ اقبال کے لیے حکیم الامت یا فاطمہ جناح کے لیے مادرِ ملّت وغیرہ۔

(ب) تخلّص: وہ نام جو شاعر اصل نام کی بجائے شعری شناخت کے لیے استعمال کرے۔ مثلاً، غالبؔ، جوشؔ، میرؔ وغیرہ۔

(ج) لقب: وہ نام جو کسی صفت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو جائے۔ مثلاً، صادق وامین ﷺ، صدیقؓ، فاروقؓ۔

(د) عرف: وہ نام جو اصل نام کی جگہ، محبت، لاڈ پیار، نفرت، حقارت وغیرہ کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو جائے۔ مثلاً مٹھّو، کالا، جگا، بھولا وغیرہ۔

(ح) کنیت: وہ نام جو رشتہ کو ظاہر کرے کنیت کہلاتا ہے مثلاً ابنِ قاسم (قاسم کا بیٹا)، اُم ہانی (ہانی کی ماں)، ابوبکر (بکر کا باپ)، بنتِ فاطمہ (فاطمہ کی بیٹی)

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۲۔

اسم نکرہ کی اقسام:

بالائی سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ:

''کسی عام شخص، جگہ یا چیز کا نام اسم نکرہ کہلاتا ہے۔''

اسم نکرہ کی چھ ذیلی صورتیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اسم مصغر:

اسم مصغر سے مراد وہ کلمہ ہے جو کسی چیز کے چھوٹے پن کو ظاہر کرتا ہے۔مثلاً باغ سے باغیچہ یا بیٹی سے بٹیا وغیرہ۔

۲۔اسم مکبر:

اسم مکبر سے مراد وہ کلمہ ہے جو کسی چیز کے بڑے پن کو ظاہر کرتا ہے۔مثلاً پگڑی سے پگڑ اور باز سے شہباز وغیرہ

۳۔اسم آلہ:

''کسی اوزار یا ہتھیار کے نام کو اسم آلہ کہتے ہیں۔مثلاً چاقو،قلم،تلوار وغیرہ

۴۔اسم صوت:

کسی جان دار یا بے جان کی آواز کو ظاہر کرنے والا اسم،اسم صوت کہلاتا ہے۔مثلاً،میاؤں میاؤں،چوں چوں،چھم چھم وغیرہ

۵۔اسم ظرف زماں:

''وہ کلمات جو وقت کو ظاہر کریں۔مثلاً صبح،دوپہر،شام وغیرہ

۶۔اسم ظرف مکاں:

وہ کلمات جو مختلف مقامات کو ظاہر کریں۔مثلاً چڑیا گھر،بت کدہ،گلستان وغیرہ

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۳۔

ساخت کے اعتبار سے اسم کی اقسام:

بالائی سطور میں معنی کے حوالے سے اسم کی مختلف اقسام کا تذکرہ کیا گیا۔ساخت کے اعتبار سے بھی اسم کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے:

۱۔اسم جامد:

وہ اسم جو نہ خود کسی کلمہ سے نکلا ہو اور نہ اس سے کوئی کلمہ نکلے۔مثلاً،کاغذ،قلم،دوات وغیرہ

۲۔اسم مصدر:

وہ اسم جو خود تو کسی کلمہ سے نہ نکلا ہو لیکن اس سے مختلف کلمات نکلتے ہوں۔مثلاً لکھنا،پڑھنا،جانا،آنا وغیرہ

۳۔اسم مشتق:

وہ کلمات جو اسم مصدر سے نکلتے ہیں۔مثلاً،لکھنا سے لکھائی،پڑھنا سے پڑھائی،ہنسنا سے ہنسی وغیرہ

۴۔اسم فاعل:

وہ اسم جو کوئی کام کرنے میں متحرک ہو یعنی کام سرانجام دے۔مثلاً دھونے والا،سونے والا،رونے والا وغیرہ

۵۔اسم مفعول:

وہ اسم یا کلمہ جس پر کوئی کام کیا جائے۔ مثلاً ذیلی جملوں میں جلی حروف سے لکھے گئے الفاظ اسم مفعول کی صورتیں ہیں:

میں نے **کتاب** پڑھی۔

اس نے **گھوڑا** دیکھا۔

۶۔اسم حالیہ:

وہ اسم جو کسی اسم کی حالت کو ظاہر کرے۔ مثلاً، لکھتا ہوا، گاتا ہوا، کھاتا ہوا وغیرہ

۷۔اسم معاوضہ:

وہ اسم جو کسی کام کی اجرت کو ظاہر کرے۔ مثلاً، سینا سے سلائی، دھونا سے دھلائی وغیرہ

۸۔حاصل مصدر:

وہ کلمہ جو مصدری معنی ادا کرے۔ مثلاً، اترنا سے اترائی۔ چڑھنا سے چڑھائی وغیرہ

سبق نمبر:۱۸

تدریسِ انشا

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۴۔

انشا کی اہمیت:

''نثر میں سادہ و رواں، شائستہ و شگفتہ اور مربوط تحریر کو انشا کہتے ہیں۔''

مذکورہ تعریف سے تین پہلوؤں کی نشاندہی ہوتی ہے۔یہی پہلو معیاری انشا کی بنیاد ہیں۔

(الف) سادہ و رواں نثر کا مطلب یہ ہے کہ تحریر غیر ضروری طور پر بوجھل نہ ہو۔

(ب) شائستہ و شگفتہ سے مراد یہ ہے کہ نثر پڑھ کر بوریت کا احساس نہ ہو۔

(ج) مربوط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نثر میں تسلسل اور ربط ہو۔

انشا کے مقاصد و اہمیت:

ذیل میں انشا کی تدریس کے بنیادی مقاصد بیان کیے گئے ہیں جو اس کی اہمیت پر دال ہیں:

۱۔زبان کی تدریس کا ایک اہم مقصد بچوں میں غور و فکر کی عادت کی حوصلہ افزائی ہے۔انشائی تحریر میں چونکہ اپنی بات سمجھانا مقصود ہوتا ہے اور یہ کام سوچے سمجھے بغیر ممکن نہیں ہوتا اس لیے انشا کا ایک بڑا مقصد بچوں میں غور و فکر کی عادت کا فروغ ہے۔ بچے کسی موضوع پر جتنا سوچتے ہیں اتنا ہی موثر لکھ پاتے ہیں۔

۲۔ بسا اوقات ہم اپنے خیالات کا اظہار تو کر دیتے ہیں لیکن ہمارے اظہار میں ربط کی کمی کی وجہ سے ہماری بات موثر نہیں ہو پاتی۔ چونکہ معیاری انشا کی بنیاد ہی ربط پر ہے اس لیے انشا کی تدریس کا دوسرا اہم مقصد بچوں کو اس قابل کرنا ہے کہ وہ اپنی بات ترتیب سے کر سکیں۔

۳۔معیاری تحریر معیاری الفاظ کے بغیر ممکن نہیں۔اسی لیے انشا کی تدریس کے ذریعے بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

۴۔عملی زندگی میں ہمیں بہت سے معاملات میں تحریری اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی اظہار پر معیاری قدرت تدریسِ انشا کا ایک اہم مقصد ہے۔اسی لیے نصاب میں مضمون نویسی، خطوط نویسی اور درخواست نویسی جیسی انشائی اصناف پر مہارت دلائی جاتی ہے۔

۵۔زبان سکھانے کا ایک اہم محرک بچوں میں تخلیقی صلاحیتوں کا فروغ ہے۔اسی مقصد کے حصول کے لیے انشا کی تدریس کے دوران مکالمہ نگاری اور کہانی لکھنے کا فن سکھایا جاتا ہے۔

۶۔غور و فکر کرنے، ترتیب و تسلسل کا خیال رکھنے اور معیاری الفاظ کا استعمال کرنے کے باعث انشائی سرگرمی ایک صحت مند ذہنی مشق بن جاتی ہے۔مسلسل ذہنی مشق فکری سطح پر ہمیں مستعد بنا دیتی ہے۔چنانچہ تدریسِ انشا کا ایک مقصد ذہنی مشق ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۵۔

مضمون نویسی:

’’کسی موضوع کے حوالے سے مرتب کی گئی مناسب طوالت کی وہ تقابلی وتجزیاتی یا توضیحی وتشریحی تحریر جس میں منطقی ترتیب قائم رکھی جائے، مضمون کہلاتی ہے۔‘‘

یعنی غیر افسانوی انداز میں اپنے خیالات کا توضیحی یا تجزیاتی بیان مضمون ہوگا۔

مضامین کی اقسام:

مضامین کو موضوع اور ساخت کی بنیاد پر مختلف درجات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ساخت کی بنیاد پر مضامین کی اقسام کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ البتہ مطلوبہ مقامات پر نشاندہی کردی گئی ہے کہ موضوع کے حوالے سے کون سے مضامین کس درجہ میں شمار ہوں گے۔

۱۔ کسی موضوع پر یوں روشنی ڈالنا کہ موضوع کا تعارف تو ہوجائے مگر اس میں تقابلی وتجزیاتی انداز اختیار نہ کیا جائے، بیانیہ مضامیں کہلاتا ہے۔ بیانیہ مضامین میں تاریخی، سائنسی اور شخصی نوعیت کے مضامین شامل ہیں۔

۲۔ تاثراتی مضامین میں کسی بھی موضوع پر تشبیہی واستعاراتی انداز میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اپنے تاثرات کا بیان کرنے کے لیے مختلف تمثیلوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔ واقعاتی مضامین میں کسی تجربے یا مشاہدے کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔ روداد نویسی ایسے ہی مضامین کی ایک شکل ہے۔

۴۔ تقابلی وتجزیاتی مضامین میں مماثل عوامل کا موازنہ اور کسی موضوع کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس پر اپنی تجزیاتی رائے بھی دی جاتی ہے۔

۵۔ کرداری مضامین سے مراد وہ مضامین ہیں جن میں کسی شخصیت کا تعارف کرواتے ہوئے اس کی عادات وخصائل، پسند ناپسند اور خیالات پر بات کی جاتی ہے۔ ایسے مضامین کو خاکہ کہتے ہیں۔

مضامین کی مجوزہ ترتیب:

بنیادی طور پر مضامین کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول: ابتدائیہ یا تعارف، دوم: وسط، سوم: اختتامیہ

(الف) ابتدائیہ یا تعارف میں موضوع پر ابتدائی تعارفی سطح کی بات کی جاتی ہے تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہوجائے کہ مضمون نویس کس موضوع کے کس پہلو پر بات کرنے والا ہے۔ معیاری ابتدائیہ یا تعارف کے لیے ضروری ہے کہ یہ وضاحتی نوعیت کا ہو۔ یعنی ابتدا میں واضح ہوجائے کہ موضوع کیا ہے اور اس پر کس حد تک بات ہوگی۔

اسی طرح ابتدائیہ کا متاثر کن ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ تاثیر کسی دلچسپ جملے یا معلومات سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(ب) وسط مضمون کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی حصہ میں موضوع پر باقاعدہ بات ہوتی ہے۔ اس حصہ میں سلیقہ اور ترتیب نہائت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں لازم ہے کہ مضمون نگار ہر بات کو الگ الگ نکتہ وار بیان کرے۔ اسی طرح ہر نکتہ کی الگ وضاحت بھی کی جائے۔

(ج) اختتامیہ مضمون کے اصل مقصد کو واضح کرتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ ابہام سے پاک ہو۔ یعنی اختتام پر اگر کوئی نکتہ غیر واضح رہ جائے تو بات مکمل طور پر سمجھ نہیں آ پائے گی۔ اسی طرح اختتامیہ کو تحریر کا جامع حاصل ہونا چاہیے۔ یعنی جو کچھ بالائی سطور میں کہا جا چکا، اس کا نتیجہ اختتامیہ میں منعکس ہونا چاہیے۔

مضمون نویسی کے لیے عمومی ہدایات:

ا۔ جہاں تک ممکن ہو مختصر جملوں کا استعمال کیا جانا چاہیے۔ البتہ تعلیمی سطح بلند ہونے کے ساتھ ساتھ موضوعات کی مناسبت سے قدرے طویل جملاتی ساخت بھی قابلِ قبول ہوگی۔ ابتدائی سطح پر بہرحال مختصر جملوں کی سفارش کی جاتی ہے۔

۲۔ طویل جملوں کی طرح طویل پیراگراف سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ایک پیراگراف میں صرف ایک نکتہ یا پہلو ہی زیرِ بحث آتا ہے۔ اس لیے طویل پیراگراف ہونے کی صورت میں زیادہ نکات یا پہلوؤں پر بات نہیں ہو پائے گی۔ اس لیے مختصر پیراگراف ہی ہونا بہتر ہے۔

۳۔ ہمارے یہاں بہت سے اساتذہ مضامین میں سرخیاں (headings) دینے کے قائل ہیں اور طلبہ کو اسی امر کی تلقین کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مضامین میں سرخیاں دینا ایک منفی عمل ہے۔ سرخیاں دینے کی بجائے پیراگراف کی پہلی سطر کو خط کشیدہ کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ہر پیراگراف کی پہلی سطر خط کشیدہ نہیں ہوگی۔ صرف اسی پیراگراف کی پہلی سطر میں ایسا کیا جائے گا جس سے نئے نکتے کا آغاز ہوگا۔ یعنی ممکن ہے کہ ایک نکتے پر دو پیراگرافوں میں بات ہوئی ہو، چونکہ ہم سرخیوں کی جگہ پر خط کشیدہ سطر کو دے رہے ہیں اس لیے صرف نئے نکتے یا پہلو کی صورت میں ہی پیراگراف کی پہلی سطر خط کشیدہ ہوگی۔

۴۔ بسا اوقات دورانِ مضمون ہم کوئی حوالہ دینا چاہتے ہیں۔ یہ ایک مثبت عمل ہے لیکن حوالہ ہمیشہ مستند ہونا چاہیے۔ شعر ہونے کی صورت میں ہر حوالہ بالخصوص با اعتبارِ وزن درست ہو۔

۵۔ مجموعی اندازِ تحریر شائستہ و شگفتہ ہو اور بات کہنے کا دلچسپ سلیقہ اختیار کیا جائے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۰۶۔

درخواست نویسی:

"عملی تحریر کی وہ صورت جس میں کسی سے کوئی التجا کی جائے یا عاجزانہ انداز میں کوئی مطالبہ کیا جائے، درخواست کہلاتی ہے۔"

سکول کی سطح پر چھٹی، فیس معافی یا کسی سرگرمی میں شمولیت یا استثنا کی درخواست لکھی جا سکتی ہے۔

درخواست کے اجزا:

معیاری درخواست کے بنیادی طور پر تین اجزا، سرنامہ (ابتدائیہ) نفسِ مضمون اور اختتامیہ ہوتے ہیں۔ بسا اوقات زیادہ وضاحت کی غرض سے سرنامہ یا ابتدائیہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے سرنامہ اور القاب کی الگ تشریح کی جاتی ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں محض

وضاحت کی جامعیت کا فرق ہے۔ ذیل میں ان اجزا کی مختصراً وضاحت کی گئی ہے:

(الف) سرنامہ: درخواست لکھتے وقت سب سے پہلے وصول کنندہ (جس کے نام دخواست لکھی جا رہی ہو) کا عہدہ یا مرتبہ درج کیا جاتا ہے۔ مثلاً سکول کے کسی معاملے میں درخواست لکھی جائے تو سب سے پہلے داہنے جانب مذکورہ عہدہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد اگلی سطر میں جنابِ عالی یا محترمی و مکرمی جیسے الفاظ آئیں گے۔ ان الفاظ کو اصطلاح میں القاب کہتے ہیں۔ معلمین القاب کو ایک الگ جزو بھی تصور کر لیتے ہیں۔

(ب) نفسِ مضمون: سرنامہ کے بعد درخواست کا اصل مقصد بیان کیا جاتا ہے۔ اسے نفسِ مضمون کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ نفسِ مضمون مختصر براہِ راست اور واضح ہونا چاہیے۔

(ج) اختتامیہ: آخر میں درخواست دہندہ کی تفصیلات یعنی درخواست لکھنے والے کی تفصیلات آتی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تفصیلات بائیں جانب آئیں گی۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۰۷۔

خطوط نویسی:

''خط، مکتوب یا مراسلہ، پیغام رسانی کی ایک روایتی صورت ہے۔ خط لکھنے والے کو مکتوب نگار اور جسے خط لکھا جائے اسے مکتوب الیہ کہتے ہیں۔''

معیاری خط کے اوصاف:

اول: خط بناوٹ، تکلف اور تصنع سے پاک ہونا چاہیے۔ بات جتنی اپنائیت سے کی جائے گی اتنی ہی موثر ہوگی۔

دوم: خط کو حتی المقدور مختصر ہونا چاہیے۔

سوم: خط کا انداز اور اسلوب مکتوب الیہ کے مقام و مرتبہ کے مطابق ہونا چاہیے۔

خط کے اجزا:

بنیادی طور پر خط کے تین اجزا ابتدائیہ، نفسِ مضمون اور اختتامیہ ہیں۔ معلمین مزید وضاحت کی غرض سے ابتداء کو مقامِ روانگی اور القاب و آداب کو الگ اجزا تصور کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اختتامیہ کو خاتمہ اور پتہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کے تحت خط کے ذیلی اجزا بیان کیے جاسکتے ہیں:

(ا) مقامِ روانگی اور تاریخ: خط میں سب سے پہلے انتہائی داہنی جانب مکتوب نگار اپنا پتہ لکھتا ہے۔ اس کے عین نیچے خط کی تاریخ لکھی جاتی ہے۔

(ب) القاب و آداب: مکتوب اِلیہ کے مقام و مرتبہ اور رشتہ کے مطابق جن الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے انہیں القاب و آداب کہتے ہیں۔ مثلاً پیارے ابا جان، عزیز دوست، جانِ پدر وغیرہ۔ ضروری ہے کہ یہ القاب مختصر اور سادہ ہوں۔

(ج) نفسِ مضمون: ابتدائی معلومات اور لوازمات کے بعد خط کا با قاعدہ آغاز کیا جاتا ہے اور اس سبب پر روشنی ڈالی جات ہے جو خط لکھنے کا محرک بنا۔ نفسِ مضمون کے لیے ضروری ہے کہ وہ سادہ اور رواں زبان میں ہو، مختصر ہو اور مکتوب الیہ کی تفہیمی صلاحیتوں کے عین مطابق ہو۔

(د) خاتمہ: خاتمہ میں اپنا تعارف کروایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے بائیں طرف مکتوب نگار مکتوب الیہ سے اپنے تعلق کی وضاحت کرتے ہیں اور پھر اپنا نام لکھتے ہیں۔

(ہ) پتہ: آخر میں مکتوب الیہ کا پتہ لکھ کر خط روانہ کر دیا جاتا ہے۔

ابتدائیہ کی طرح یہاں بھی کچھ معلمین اختتامیہ کو دو حصوں، خاتمہ اور پتہ میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ البتہ اختتامیہ میں شامل معلومات کا اندراج ضروری ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۸۔

مکالمہ نگاری:

''دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مکالمہ کہتے ہیں اور اس گفتگو کی تحریری مہارت مکالمہ نگاری کہلاتی ہے۔''

مکالمہ نگاری کی مجوزہ ترتیب:

بالعموم مکالمہ نگاری کرتے وقت براہِ راست مکالمات سے تحریر کا آغاز کر لیا جاتا ہے اور بلا واسطہ طور پر موضوع سے متعلق بات شروع ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

مکالما نگاری کرتے وقت فطری اور منطقی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ذیل میں مکالمہ نگاری کے لیے منطقی اور فطری اساس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معیاری ترتیب تجویز کی گئی ہے۔

۱۔ مکالمات کا با قاعدہ آغاز کرنے سے قبل بہتر ہوتا ہے کہ انتہائی مختصر صورت میں کرداروں کا تعارف دے دیا جائے۔ یہ تعارف کرداروں کا تعارف کی ذیلی سرخی کے تحت دیا جانا چاہیے۔

۲۔ مکالمات شروع کرنے سے پہلے دوسرا مجوزہ نکتہ منظر کی نشاندہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کردار کسی نہ کسی مقام پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس لیے اس مقام کا مختصر بیان مکالمہ میں دلچسپی کا باعث ہوگا۔

۳۔ مکالمات کا با قاعدہ آغاز موضوع سے نہیں ہونا چاہیے۔ ہم فطری طور پر کسی موضوع کے حوالے سے بلا واسطہ بات شروع نہیں کرتے۔ کم از کم ابتدائی سلام دعا کا اندراج ضرور ہونا چاہیے۔ اس تبادلہ کو ابتدائی مکالمات کہا جا سکتا ہے۔

۴۔ ابتدائی مکالمات کے بعد استدلالی مکالمات کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ مکالمہ نگاری کا اہم ترین حصہ ہے۔ اسی میں موضوع پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔

۵۔ابتدائی تعلیم میں بہت طویل مکالمات کی توقع نہیں کی جاتی۔کم وبیش دس سے پندرہ مکالمات کے بعد گفتگو کو اختتام کی طرف بڑھانا چاہیے۔چنانچہ کرداروں کو کسی ایک نکتہ پر متفق ہوجانا چاہیے۔

۶۔جیسے آغاز میں سلام دعا سے بات شروع ہوئی،اسی طرح اختتام بھی فطری انداز میں ہونا چاہیے۔اسی لیے سفارش کی جاتی ہے کہ موضوع کے اختتام کے بعد رخصتی مکالمات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مکالمہ نگاری کے لیے چند ہدایات:

۱۔کرداروں کے تعارف میں ہمیشہ فعل حال کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے۔یہی صورت منظر کے بیان میں بھی ہوتی ہے۔

۲۔ہر مکالمہ کا آغاز نئی سطر سے ہونا چاہیے۔سب سے پہلے کردار کا نام دیا جائے اور پھر رابطہ کی علامت (:) دی جائے تاکہ واضح ہوجائے کہ مکالمہ کس کا ہے۔مثلاً

علی: تم کیسے ہو؟

خاور: اللہ کا شکر ہے۔

۳۔حرکات وسکنات کا بیان قوسین میں کیا جائے۔مثلاً

علی: (حیرانی سے) تم سچ کہہ رہے ہو؟

۴۔ممکنہ حد تک زبان سادہ ہو اور عام گفتگو کا سا انداز اختیار کیا جائے۔

۵۔مکالمہ نگاری میں رموزِ اوقاف کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے۔ایک سے زائد کرداروں کی موجودگی میں یہی وہ علامات ہیں جن سے عبارت کا درست تسلسل قائم ہو پاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۰۹۔

کہانی نگاری:

''حقیقی یا خیالی واقعات کا کڑی در کڑی بیانیہ اظہار کہانی کہلاتا ہے۔''

بیانیہ انداز کا مطلب یہ ہے کہ بالواسطہ انداز۔مکالماتی انداز بلاواسطہ انداز ہوتا ہے جو کہانی کی عملی صورت یعنی ڈراما میں استعمال کیا جاتا ہے۔

کہانی کی صورتیں:

کہانیاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔اول: حقیقی کہانیاں،یعنی ان واقعات کا مربوط بیان جو حقیقتاً وقوع پذیر ہوئے ہوں۔

دوم: خیالی کہانیاں،یعنی ان واقعات کا بیان جو کسی کے ذہن کی تخلیق ہوں۔

کہانی کے مقاصد:

۱۔بچوں کو کہانیاں بنیادی طور پر تفریحی سرگرمی کے طور پر سنائی جاتی ہیں۔چنانچہ ان کا ایک بڑا مقصد تفریح ہی ہے۔

۲۔البتہ کہانیاں تفریحِ محض نہیں ہوتیں۔ان سے بہت سے اخلاقی اوصاف کی تعلیم کا کام لیا جا سکتا ہے۔یعنی تفریح تفریح میں بچوں کو کسی موضوع پر اخلاقی درس دیا جاسکتا ہے۔

۳۔چونکہ بچے کہانیوں میں بالخصوص دلچسپی لیتے ہیں اس لیے کسی خاص موضوع سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بھی کہانیوں کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔

کہانی کے اجزا:

ابتدائی سطح پر کہانی کے تین بنیادی اجزا کی نشاندہی کی جاسکتی ہے:

(ا)ابتدائیہ:

کہانی کے سب سے پہلے جزو کو ابتدائیہ کہتے ہیں۔یہاں سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔عمدہ ابتدائیہ کے لیے ضروری ہے کہ تعارفی کلمات براہِ راست ہوں اور طویل تمہید سے گریز کیا جائے۔اسی طرح کہانی میں شامل کرداروں کا بنیادی تعارف شروع میں ہی کروا دینا چاہیے۔ذیلی کردار بعد میں کہانی کا حصہ بن سکتے ہیں۔

(ب) پھیلاؤ:

اس مرحلہ پر کہانی ابتدائی حصے سے نکل کر کشمکش کی طرف بڑھتی ہے۔یہ کہانی کا وسطی حصہ ہوتا ہے۔اس میں ضروری ہے کہ تمام جزیات کی واضح طور پر نشان دہی کی جائے تا کہ کہانی سننے یا پڑھنے والا خود کو اسی ماحول میں محسوس کر سکے جس میں کہانی لکھی یا کہی گئی ہو۔اسی طرح کرداروں کے مابین کشمکش کو موثر انداز میں دکھایا جائے تا کہ پڑھنے یا سننے والوں کے تجسس میں اضافہ ہو سکے۔وہی کہانیاں کامیاب قرار پاتی ہیں جن کا تجسس آخر تک قائم رہے۔

(ج)اختتامیہ:

پھیلاؤ کے بعد کہانی اپنے اختتام کی طرف بڑھتی ہے۔یہاں پھیلاؤ سے سمٹاؤ کا عمل شروع ہوتا ہے۔کہانی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچتی ہے اور بالعموم کسی اخلاقی درس پر ختم ہو جاتی ہے۔

کہانی کا اسلوب:

کہانی خواہ بچوں کو سنائی جائے یا بڑوں کو، اسے کسی صورت بوجھل نہیں ہونا چاہیے۔چنانچہ کہانی کا اسلوب درج ذیل خصائص کا حامل ہونا چاہیے:

ا۔ہر ممکن حد تک بات سادہ اور رواں انداز میں کی جائے تا کہ فی الفور سمجھ میں آجائے اور تفہیم کے لیے ذہنی طور پر زور نہ لگانا پڑے۔

۲۔کہانی کہنے کا انداز انتہائی متاثر کن ہونا چاہیے تا کہ سننے والا خود کو کہانی کے حصار میں محسوس کر سکے۔

۳۔کہانی میں ہمیشہ بالواسطہ انداز اختیار کیا جانا چاہیے۔مکالماتی انداز کہانی کو ڈراما بنا دیتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مکالمات کا بالکل استعمال نہ کیا جائے، کہنا صرف یہ مقصود ہے کہ مکالمات کم سے کم اور جزوی نوعیت کے ہوں۔

سبق نمبر:۱۹

ذخیرۂ الفاظ

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۰۔

لفظ اور معنی کا تعارف:

''تحریری وتقریری ہر دو صورتوں میں خیالات، جذبات واحساسات، ذاتی کیفیات اور نکتۂ نظر کے اظہار کے لیے زیرِ استعمال آنے والے الفاظ کا مجموعہ ذخیرۂ الفاظ کہلاتا ہے۔''

ذخیرۂ الفاظ ہی وہ طاقت ہے جو ہمیں اپنی بات کہنے پر قادر کرتی ہے۔ ذخیرۂ الفاظ کی اسی اہمیت کے تحت تدریسِ زبان میں بالخصوص ابتدائی سطح پر ذخیرۂ الفاظ میں اضافے پر زور دیا جاتا ہے۔

لفظ اور معنی کا رشتہ:

''وہ تحریری وتقریری علامات جو معنی تک رسائی کا کام دیتی ہیں، کو الفاظ کہتے ہیں''

یعنی صوتی یا تحریری علامات جنہیں حروف کہا جاتا ہے، مل کر الفاظ بناتی ہیں اور ہم ان لفظی علامات سے معنی تک پہنچ جاتے ہیں۔

''وہ خام احساسات وجذبات، خیالات، تصورات، کیفیات اور صورتیں جنہیں الفاظ کے ذریعے شناخت ملتی ہے، کو معنی کہتے ہیں۔''

دراصل الفاظ اور معنی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ اگر مطلوبہ الفاظ میسر نہ آئیں تو معنی بھی اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتے کیونکہ اظہار کے بغیر معنی کا تصور محال ہے۔اسی طرح حروف سے معرضِ وجود میں آنے والی لفظی علامات سے اگر معنی وابستہ نہ ہوں تو وہ محض مہمل رہ جاتی ہیں۔

الفاظ کی مختلف صورتیں:

الفاظ کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔مفرد الفاظ:

وہ معنوی اکائیاں ہیں جو ایک لفظ پر مشتمل ہوتی ہیں۔یعنی ان کے بامعنی ہونے کے لیے کسی دوسرے لفظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً صبح، شام، رات وغیرہ۔

۲۔مرکب الفاظ:

وہ معنوی اکائیاں ہیں جو دو یا دو سے زائد الفاظ سے مل کر معنی ادا کرتی ہیں۔مثلاً شب وروز، دوپہر، وغیرہ۔

۳۔محاورات:

وہ معنوی اکائیاں ہیں جن میں شامل الفاظ اپنے اصل معنی ادا نہیں ادا کرتے۔مثلاً آب آب ہونا،آسمان سر پر اٹھا لینا وغیرہ۔

منقولہ محاورات میں الفاظ انفرادی طور پر اپنے معنی ادا نہیں کر رہے۔کیونکہ لفظی معنی کے طور پر آب آب ہونے سے شرمندگی کے معنی اخذ نہیں ہوتے۔اسی طرح آسمان سر پر اٹھانا میں بھی شور کرنا کے معنی نہیں نکلتے۔البتہ محاوراتی اعتبار سے ان محاورات سے مذکورہ معنی ہی وابستہ کر دیے گئے ہیں۔

۴۔ضرب الامثال:

کسی کا قول، الفاظ کا وہ مجموعہ یا جملہ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک مسلمہ تجربہ بن جائے۔مثلاً ''اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''

منقولہ ضرب الامثال میں الفاظ اپنے انفرادی معنی ادا کرنے کی بجائے مجموعی معنی ادا کر رہے ہیں۔

معنی کی مختلف صورتیں:

ماہرین لسانیات یوں تو معنی کی بہت سی اقسام کا تذکرہ کرتے ہیں تاہم تعارفی سطح پر معنی کی دو بنیادی اقسام کو سمجھ لینا از حد ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔حقیقی معنی: سے مراد وہ معنی ہیں جو کسی لفظ سے منسوب کر دیے جاتے ہیں اور لغت میں یہی معنی دستیاب ہوتے ہیں۔

۲۔مجازی معنی: سے مراد وہ معنی ہیں جو کسی لفظ کے اصل معنی تو نہیں ہوتے تاہم کسی علم کی رو سے اس لفظ سے وابستہ کر دیے جاتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۱۔

ذخیرہِ الفاظ کی اہمیت:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ ذخیرۂ الفاظ کے بغیر ہم اپنی بات کہنے کی قدرت حاصل نہیں کر سکتے۔اگرچہ یہ حقیقت بذاتِ خود ذخیرہِ الفاظ کی اہمیت کی دلیل ہے تاہم موثر تفہیم کی خاطر درج ذیل مختلف نکات کے تحت ذخیرۂ الفاظ کی اہمیت واضح کی گئی ہے:

۱۔ہم بہت کچھ سوچتے ہیں لیکن اس وقت تک اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے جب تک ہمارے پاس مطلوبہ الفاظ نہ ہو۔

۲۔ہم زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف احساساتی اور جذباتی کیفیت سے گزرتے ہیں۔ان احساسات و جذبات کا اظہار بھی متعلقہ الفاظ کا متقاضی ہوتا ہے۔

۳۔تعلیمی میدان سے پیشہ وارانہ زندگی تک ہمیں ہر موقع پر اپنے موقف کے بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔اپنے نکتۂ نظر کا کمزور بیان ہماری شخصیت کو بھی متاثر کرتا ہے اور ہماری کامیابی کے راستے میں رکاوٹ بھی بنتا ہے۔اس کمزور بیان کو مضبوط کرنے کے لیے ہمیں موثر الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے جو بہتر ذخیرۂ الفاظ سے ملتے ہیں۔

۴۔وہ شخص عملی زندگی میں زیادہ کامیاب اور متاثر کن شمار ہوتا ہے جس کی گفتگو زیادہ موثر اور متاثر کن ہو۔یہ قدرت بھی وسیع ذخیرۂ الفاظ

سے ملتی ہے۔

۵۔عمدہ تحریر بھی بہتر جملاتی ساخت اور برمحل الفاظ کا تقاضا کرتی ہے۔اسی لیے معیاری تحریر کے لیے بہتر ذخیرۂ الفاظ پر زور دیا جاتا ہے۔

۶۔مطالعاتی عمل میں اگرہمیں ہر دوسرے لفظ پر لغت سے رجوع کرنا پڑے تو ہم بہت جلد کتاب سے اکتا جاتے ہیں اور مطالعاتی تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔اسی لیے وہ لوگ مطالعۂ کتب سے زیادہ بہتر طور پر مستفید ہوتے ہیں جن کا ذخیرۂ الفاظ بہتر ہوتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۲۔

ذخیرہِ الفاظ کی اقسام:

اب تک کی گفتگو میں اتنی بات واضح ہوچکی کہ ہماری گفتگو اور تحریروں میں زیرِ استعمال آنے والے الفاظ ہمارا ذخیرۂ الفاظ ہوتا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ ذخیرۂ الفاظ کی اقسام کون کون سی ہیں۔

ذخیرہِ الفاظ کی دو بنیادی اقسام ہیں۔نظری ذخیرۂ الفاظ اور عملی ذخیرۂ الفاظ۔

نظری ذخیرۂ الفاظ:

’’نظری ذخیرۂ الفاظ سے مراد الفاظ کا وہ ذخیرہ ہے جن کے معنی ہم جانتے تو ہیں لیکن ہماری عمومی زندگی یا بات چیت میں ان کا استعمال نہیں ہوتا‘‘۔

نظری ذخیرۂ الفاظ ذیلی وسائل سے ہماری یادداشت کا حصہ بنتے ہیں۔

(الف) غیر نصابی کتب کے مطالعہ سے ہمیں بہت سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کا ہماری روزمرہ زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔چنانچہ ہم مطالعہ کی غرض سے ان کے معنی تو جان لیتے ہیں لیکن انہیں استعمال کرنے کا موقع کبھی نہیں آتا۔

مثلاً کوئی تاریخی ناول پڑھنے کے دوران ہم بہت سے ایسے ہتھیاروں، اوزاروں اور اشیا وغیرہ سے واقفیت حاصل کرتے ہیں جو اب استعمال ہی نہیں ہوتیں۔ظاہر ہے ایسے میں ان الفاظ کا استعمال یا تو کبھی نہیں ہوگا یا شاذ ہی ان کے استعمال کی ضرورت پیش آئے گی۔

(ب) ریڈیو ٹی وی کے مختلف پروگرامات میں بھی بہت سے ایسے الفاظ استعمال ہوجاتے ہیں جن سے ہم آگاہ تو ہوجاتے ہیں لیکن ہمیں ان کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔چنانچہ یہ بھی نظری ذخیرۂ الفاظ میں جمع ہوجاتے ہیں۔

(ج) ادبی محافل مثلاً مشاعرہ جات یا تنقیدی نشستوں وغیرہ میں بہت سے ایسے الفاظ سننے میں آتے ہیں جن کا استعمال عام زندگی میں کم ہی ہوتا ہے۔

عملی ذخیرہِ الفاظ:

’’عملی ذخیرۂ الفاظ سے مراد ان الفاظ کا ذخیرہ ہے جن کے معنی ہم جانتے بھی ہیں اور وہ بالعموم ہماری روزمرہ زندگی میں استعمال بھی ہوتے ہیں۔‘‘

یہی وہ الفاظ ہوتے ہیں جن میں اضافہ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔عملی ذخیرۂ الفاظ عمومی نوعیت کا بھی ہوسکتا ہے اور خصوصی نوعیت کا بھی۔

عمومی نوعیت سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کا استعمال کم وبیش ہر شخص کرتا ہے مثلاً میل جول کے دوران زیرِ استعمال آنے والے الفاظ یا خوشی، غمی،، بے چینی، محبت، نفرت، خوف وغیرہ جیسی کیفیات میں زیرِ استعمال آنے والے الفاظ سے ہم سب واقف ہوتے ہیں۔ایسے الفاظ کے ذخیرہ کی نوعیت عمومی ہوگی۔

دوسری طرف خصوصی نوعیت کے ذخیرۂ الفاظ سے مراد الفاظ کا وہ ذخیرہ ہے جس کا تعلق کسی خاص پیشے، یا صورتِ حال سے ہے یا مختلف علوم میں استعمال ہونے والی اصطلاحات بھی خصوصی نوعیت کے ذخیرۂ الفاظ میں آتی ہیں۔مثلاً ایک درزی کے ذخیرۂ الفاظ کا ایک بڑا حصہ ایسے الفاظ پر مشتمل ہوگا جو ہمارے لیے غیر ضروری ہے۔

ذخیرۂ الفاظ اور درسی کتب:

درسی کتب ترتیب دیتے وقت بالعموم عمومی نوعیت کے عملی ذخیرہِ الفاظ کے ساتھ ساتھ کسی حد تک خصوصی نوعیت کے ذخیرۂ الفاظ کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے تاکہ متعلمین کو مختلف طرح کے الفاظ سے آگہی ہو پائے۔اس سلسلہ میں تحصیلِ زبان کے لیے درسی کتب ترتیب دیتے وقت دو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں:

اول: محدود ذخیرۂ الفاظ اور دوم: غیر محدود ذخیرۂ الفاظ۔

اول: محدود ذخیرہِ الفاظ سے مراد یہ ہے کہ جماعت کی سطح کے مطابق الفاظ کی ایک عمومی فہرست بنالی جاتی ہے اور پھر انہیں الفاظ کو مختلف اسباق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ایسا کرنے سے الفاظ کی تکرار ہوتی ہے۔یعنی الفاظ بار بار استعمال ہوتے ہیں۔نتیجتاً بچوں کو ان الفاظ کے استعمال پر بہتر عبور ہو جاتا ہے۔

دوم: غیر محدود ذخیرہِ الفاظ سے مراد وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ کی کوئی فہرست جمع نہیں کی جاتی۔ بچوں کے لیے مختلف اسباق ترتیب دے دیے جاتے ہیں اور توقع کی جاتی ہے کہ بچے ان اسباق میں شامل الفاظ پر عبور حاصل کر کے اظہار پر موثر انداز میں قادر ہو جائیں گے۔ یہ طریقہ زیادہ معیاری نہیں ہے۔ چونکہ اول الذکر طریقہ میں الفاظ کی فہرست سازی کے باعث مرتب انداز میں ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کی بہتر گنجائش نکل آتی ہے اس لیے ترجیحاً درسی کتب کی تیاری میں محدود ذخیرۂ الفاظ کا طریقہ ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۱۳۔

انتخابِ الفاظ کے عمومی اصول:

بچوں کا ذخیرۂ الفاظ بڑھانے کے لیے بالائی سطور میں سفارش کی گئی کہ محدود ذخیرۂ الفاظ کا طریقہ بہتر ہے۔اس طریقہ میں ہم مرتب انداز میں بتدریج بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کر پاتے ہیں۔اس سلسلہ میں ذیلی اصولوں کو مدِ نظر رکھا جائے تو جمع ہونے والا ذخیرۂ الفاظ زیادہ موثر اور مضبوط ہوگا۔

۱۔ ذخیرۂ الفاظ ترتیب دیتے وقت جماعتی سطح کو ملحوظ رکھنا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اسباق میں شامل الفاظ بچوں کی ذہنی یا جماعتی سطح سے بالاتر ہوں گے تو وہ ان الفاظ کو زیادہ دیر تک یاد نہیں رکھ پائیں گے۔

۲۔اسباق میں شامل الفاظ بچوں کے گردونواح سے تعلق رکھنے والے ماحول سے متعلق ہونے چاہییں بصورتِ دیگران الفاظ کا استعمال نہیں ہوگا اور بچے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھولنے لگیں گے۔

۳۔ذخیرۂ الفاظ کی ترتیب مقرون سے مجرد کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔یعنی پہلے ٹھوس اشیا کے الفاظ سکھائے جانے چاہییں اور بعد میں احساسات وجذبات اور خیالات سے تعلق رکھنے والے الفاظ کی طرف بڑھنا چاہیے۔

۴۔اس سلسلہ میں تصاویر کا استعمال بہت موثر ہوتا ہے۔یعنی محض یہ بتادینا کافی نہیں کہ ''سیب'' ایک پھل ہے۔اگر بچوں کو اس کی تصویر بھی دکھادی جائے تو ان کے لیے یہ لفظ یادرکھنا زیادہ آسان ہوجائے گا۔

۵۔جماعتی سطح کے مطابق الفاظ بتانے کے ساتھ ساتھ اجزائے کلام کی تدریس بھی الفاظ کا ذخیرہ بڑھانے میں معاون ہوتی ہے۔یعنی اشیا کے نام سکھاتے ہوئے اگر بچوں کو اسم سے متعارف کروایا جائے اور مختلف اعمال یا کام بتاتے وقت یہ بتادیا جائے کہ کام کرنے یا ہونے کو فعل کہتے ہیں تو بچے ان الفاظ کو بہتر طور پر سیکھ پائیں گے۔

۶۔ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کا ایک اصول مصادر سے مشتق سکھانا بھی ہے۔یعنی پہلے وہ الفاظ سکھائے جائیں جو خود تو کسی لفظ سے نہیں نکلتے لیکن ان سے بہت سے الفاظ نکلتے ہے۔اول الذکر الفاظ کو مصدر اور آخر الذکر الفاظ کو مشتق کہتے ہیں۔مثلاً ہنسنا سے ہنسا، ہنسنے والا، ہنسی وغیرہ۔

۷۔مترادفات کی مشق سے بھی الفاظ بہتر انداز میں یاد کروائے جاسکتے ہیں۔مثلاً پھول اور گل، پرچم اور جھنڈا وغیرہ۔

۸۔مفرد اور مرکب الفاظ کی مشقیں کرواکر بھی الفاظ کے ذخیرہ میں اضافہ ممکن ہے۔

9۔زبان وادب کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کے خصوصی الفاظ بھی زبان کے نصاب کا حصہ ہونے چاہییں۔تدریسِ زبان کی خصوصیت ہی یہی ہے کہ اس میں دیگر علوم کے امتزاج سے تعلیمی سفر آگے بڑھایا جاتا ہے۔یعنی اردو کی نصابی کتاب میں دینی، سائنسی، تاریخی اور معاشرتی علوم سے متعلق اسباق شامل ہوتے ہیں۔چنانچہ ان علوم کے بنیادی الفاظ بھی نصاب کا حصہ ہونے چاہییں۔

۱۰۔عمومی استعمال میں آنے والی انشائی مشقوں مثلاً مضمون، خط، درخواست وغیرہ سے بھی ذخیرۂ الفاظ میں معیاری اضافہ ہوپاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۴۔

ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کے طریقے:

بالائی سطور میں ان چند اصولوں کی نشاندہی کی گئی جو ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کی مشقوں میں اساتذہ کو مدِ نظر رکھنے چاہییں۔اب ہم دیکھیں گے کہ وہ کون کون سے طریقے ہیں جن کے ذریعے بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ممکن ہے۔

واضح رہے کہ ہم جو طریقہ بھی استعمال کریں، ضروری ہے کہ:

۱۔الفاظ کا جملوں میں استعمال کیا جائے۔وہ الفاظ جو بچے جملوں میں استعمال کرلیتے ہیں، بالعموم انہیں نہیں بھولتے۔

۲۔اگر بچوں کو لفظ کے بنیادی معنی بتادیے جائیں تو الفاظ کے ذہن نشین رہنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ بچوں کو بولنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے تو از خود الفاظ کے استعمال پر دسترس حاصل ہونے لگتی ہے۔

ان نکات کو ذہن نشین رکھتے ہوئے، درج ذیل طریقوں کے استعمال سے بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں موثر طور پر اضافہ ممکن ہے۔

۱۔ درسی کتب کے ذریعے:

درسی کتب ابتدائی سطح پر ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ نصابی کتب کے ذریعے ذخیرۂ الفاظ پر کام کرتے ہوئے ضروری ہے کہ:

(الف) الفاظ اور عبارتوں کی جامع تفہیم کروائی جائے اور الفاظ کا استعمال بھی سکھایا جائے۔

(ب) اس سلسلہ میں تصاویر، اشیا اور نمونہ جات سے استفادہ تدریسی عمل کو موثر کرتا ہے۔

۲۔ تفریحی مطالعہ کے ذریعے:

تفریحی یا غیر نصابی مطالعہ سے مراد درسی کتب کے علاوہ پڑھائی کا عمل ہے۔ معلمین کو چاہیے کہ جماعت سوم سے بچوں کو تفریحی مطالعہ کی طرف راغب کریں۔ اس عمل سے ایک تو ان کے علم میں اضافہ ہوگا نیز وہ نئے الفاظ بھی سیکھ پائیں گے۔ اس سلسلہ میں ذیلی امور مدِ نظر رہنے چاہییں:

(ا) بچوں کو غیر مانوس الفاظ کی فہرست سازی پر اکسایا جائے۔ الفاظ کی اس فہرست کو بقیہ طلبہ کو مہیا کر کہ ان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ بھی ممکن ہوگا۔ نیز ان الفاظ کے بالمقابل لکھے جانے والے معنی بچوں کے لیے اس لیے بھی معاون ہوں گے کہ بھول جانے کی صورت میں وہ اس فہرست سے رجوع کر سکیں گے۔

(ب) بچوں کو زیادہ سے زیادہ لغت کے استعمال کا عادی بنایا جائے۔

(ج) تفریحی یا غیر نصابی مطالعہ کے نتیجے میں اگر بچے معلم سے کوئی لفظ پوچھیں تو معلم کو مشفقانہ انداز میں رہنمائی کرنی چاہیے۔

۳۔ سمعی و بصری معاونات کا استعمال:

سمعی و بصری معاونات کا استعمال بھی الفاظ میں اضافہ کا ایک موثر طریقہ ہے۔ مذکورہ معاونات کے ذریعے:

(ا) کہانیاں دکھا اور سنوا کر ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ممکن ہے۔

(ب) نظمیں یاد کروا کر الفاظ میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

(ج) ریڈیو ٹی وی کے پروگرامات میں شرکت کر کے اور ان پروگرامات کو دیکھ اور سن کر بچوں کو نئے الفاظ سے متعارف کروایا جا سکتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۵۔

ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کی دیگر تدابیر اور سرگرمیاں:

بالائی سطور میں بیان کردہ اصول و ضوابط اور طریقوں کے علاوہ بھی بہت سی تدابیر اور سرگرمیاں ہیں جن سے بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ممکن ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔نصاب میں نئے الفاظ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔مختلف طرح کے تحریری وتقریری مقابلہ جات کا اہتمام بھی اس سلسلہ میں معاون ہوتا ہے کیونکہ مضمون نویسی یا تقریری مقابلہ جات میں شرکت کرنے والے بچے نصاب سے ہٹ کر بھی بہت سے اشعار اور الفاظ سیکھ جاتے ہیں۔

۳۔ نئے الفاظ کی بیاض (ڈائری)، نئے الفاظ کی لغت، نئے الفاظ کی تاش اور نئے الفاظ کے چارٹ بنوا کر بچوں کو نئے الفاظ سے رغبت دلائی جاسکتی ہے۔

۴۔ بچوں کو اشعار اور نظمیں یاد کروانا بھی اس سلسلہ میں ایک موثر مشق ہے۔اس مشق کو مزید موثر بنانے کے لیے جماعت میں بیت بازی کے مقابلے کروائے جاسکتے ہیں۔

۵۔کمرۂ جماعت میں کسی موضوع پر گفتگو اور مختصر ڈراموں اور خاکوں کے ذریعے بھی نئے الفاظ متعارف کروائے جاسکتے ہیں۔

۶۔ بچوں کو اضافی مطالعہ کے لیے کوئی تحریر دے کر ان سے اظہارِ خیال کرنے کو کہا جائے تو بھی از خود زیرِ مطالعہ آنے والی کتاب کے نئے الفاظ بچوں کے زیرِ استعمال بھی آجائیں گے۔

ان مختلف سرگرمیوں کے علاوہ معلم جماعتی سطح اور بچوں کے رجحانات کے مطابق بہت سی ایسی سرگرمیاں ترتیب دے سکتا ہے۔

سبق نمبر:۲۰

اردو نصاب۔ا

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۶۔

تدریسِ اردو کے مقاصد:

نصابِ زبان پر باقاعدہ گفتگو سے قبل لازم ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ بالعموم اردو کی تدریس کی اہمیت کیا ہے اور اردو زبان کن مقاصد کے تحت پڑھائی جاتی ہے۔تدریسِ اردو کے مقاصد کی درجہ بندی درج ذیل انداز میں کی جاسکتی ہے۔

مقاصد برائے تدریسی عمل:

تدریسی عمل کے تحت وضع کردہ مقاصد میں وہ مقاصد شامل ہیں جن کا تعلق معلم اور نصاب ساز اساتذہ سے ہے۔اس حوالہ سے تدریسِ اردو کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں

ا۔فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم میں اردو پڑھانے کا اہم ترین مقصد یہی ہے کہ مستقبل کے ممکنہ معلمین کو تدریسِ اردو کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ معلم جس قدر کسی مضمون کی اہمیت سے آشنا ہوگا اتنا ہی وہ زیادہ موثر انداز میں پڑھانے پر قادر ہوگا۔

۲۔مذکورہ سطح پر اردو پڑھانے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ معلم کو تدریسی طریقوں سے آشنائی حاصل ہو۔وہ معلمین جو تدریسی طریقوں پر عمل کرتے ہیں ان کی پیشہ وارانہ کارکردگی ہمیشہ ان اساتذہ سے بہتر ہوتی ہے جو اپنی مرضی ٹھونسنے کے بہانے ڈھونڈنے میں کوشاں رہتے ہیں۔

۳۔جدید تعلیمی عمل میں تدریسی معاونات کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے۔ چنانچہ کامیاب معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ تدریسی معاونات سے اطمینان بخش مہارت حاصل کرے۔ پیشہ وارانہ سطح پر تدریسِ اردو میں تدریسی معاونات اسی مقصد کے تحت شامل کیے گئے ہیں۔

۴۔ پیشہ وارانہ تعلیم کی سطح پر اردو کی تدریس کا ایک اہم پہلو مستقبل کے اساتذہ کو تدریسِ اردو کے مختلف مسائل اور ان کے حل سے آگہی دلانا ہے۔وہی معلم بہتر انداز میں پڑھا سکتا ہے جو زبان کے مختلف مسائل اور ان کے حل سے آشنا ہو۔

مقاصد برائے اجتماعی شعور:

معلمین سے ہٹ کر رسمی تعلیم میں بھی تدریسِ اردو کی اہمیت ناقابلِ فراموش ہے۔ایک معلم کے لیے ان مقاصد سے آشنائی بھی ضروری ہے جن کے تحت ابتدائی اور ثانوی یا اعلی سطح پر اردو زبان و ادب کی تدریس کی جاتی ہے۔ان مقاصد میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا۔کسی بھی دوسری زبان کی طرح اردو کی تدریس کا اہم ترین مقصد متعلمین کو بولنے، لکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کی مہارتوں پر عبور دلانا ہے۔ یہ وہ

لسانی مہارتیں ہیں جن کے بغیر کوئی شخص کامیاب اور موثر زندگی نہیں گزار سکتا۔

۲۔اردو زبان کی تدریس کا ایک اور مقصد سیاسی اور قومی نوعیت کا ہے۔اردو ہماری قومی زبان ہے اور ملک کے کونے کونے میں رہنے والے اردو زبان سے آشنائی ضرور رکھتے ہیں۔ چنانچہ طلبہ کا اس زبان پر عبور ضروری ہے جو ہماری قومی شناخت بھی ہے اور ہماری سیاسی ضرورت بھی۔

۳۔ پاکستان مختلف ثقافتوں کا مرکب ہے۔ پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا، گلگت بلتستان اور بلوچستان میں رہنے والوں کی اپنی اپنی ثقافت ہے۔البتہ خواہ ادبی سرمائے کی بات ہو یا ثقافتی ورثہ کی، جس قدر تحریری سرمایہ اردو زبان میں محفوظ ہے اتنا کسی اور زبان میں مہیا نہیں ہوتا۔ اس اہمیت کے تحت اس زبان کی درست ترویج تدریسِ اردو کا ایک اور ایک اہم مقصد ہے۔

۴۔قومی زبان ہونے کے ناطے معاشی امور میں کامیابی کا ایک بڑا ذریعہ اردو زبان ہے۔ جماعت اول سے بارہویں جماعت تک اردو لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔اس لیے اس کی تدریس کا ایک مقصد طلبہ کی مستقبل میں معاشی مضبوطی بھی ہے۔

۵۔ پاکستان میں تعلیمی مواد کا اکثریتی حصہ اردو زبان میں ہی ہے۔ نیز بہت سے دیگر مضامین بھی اردو زبان میں ہیں۔ چنانچہ تعلیمی مقاصد کے حصول کے لیے بھی اردو کی تدریس ضروری ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۷۔

نصابِ زبان کے مقاصد:

تدریسِ اردو کے مقاصد پر بات کر لینے کے بعد اب یہ دیکھا جائے گا کہ نصاب کیا ہوتا ہے اور نصابِ زبان بالخصوص اردو نصاب کے اساسی مقاصد کیا ہیں۔

''نصاب، تعلیمی سفر میں وہ لائحہ عمل یا تحریری دستاویز ہے جس پر عمل پیرا ہو کر تعلیمی مقاصد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔''

یعنی نصاب میں بنیادی اصولوں کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے اور حدود کا تعین بھی کیا جاتا ہے جن میں رہتے ہوئے مقاصدِ تعلیم کا حصول ممکن ہو سکے۔

نصاب کے اجزا:

نصابِ زبان میں چار بنیادی اجزا کے متعلق رہنمائی کی جاتی ہے۔ ۱۔حصہ نثر، ۲۔حصہ نظم، ۳۔قواعدِ اردو، ۴۔انشائی مہارتیں۔

۱۔حصہ نثر کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کے لیے نصاب ترتیب دینے والی کوئی ایسی تحریر نہ ہو جو بچوں کی ذہنی سطح سے بلند تر ہو۔ نیز نثری اسباق طوالت اور مشکل کے حوالے سے بھی بچوں کے لیے پیچیدگی کا باعث نہ بنیں۔

۲۔حصہ نظم کے انتخاب میں بھی بچوں کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز نظمیں ظاہراً تو نثر سے مختصر ہوتی ہیں لیکن ان کی تفہیم آسان نہیں ہوتی۔ چنانچہ نظموں کے انتخاب میں زیادہ احتیاط ضروری ہے۔

۳۔قواعد کی تدریس تحصیلِ زبان میں ناقابلِ فراموش اہمیت کی حامل ہے۔ ابتدائی سطح ہی سے بچوں کو اسم، فعل، حرف وغیرہ جیسے قواعد کی

تدریس شروع کر دی جاتی ہے۔مختلف جماعتوں کا نصاب ترتیب دیتے وقت جماعتی سطح،تسلسل اور بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

۴۔تحریری اظہار میں انشا کی اہمیت بھی اساسی نوعیت کی ہے۔اسی اہمیت کے پیشِ نظر نصاب میں انشائی مشقوں کے لیے جگہ رکھنی چاہیے۔

مقاصدِ نصاب:

نصاب کے مذکورہ اجزا کا انتخاب درج ذیل مقاصد کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے:

۱۔معاشرے کے نظریہ حیات سے آگہی،اردو نصاب کا پہلا موضوعی مقصد ہے۔نظریاتی قومیت ہونے کے ناطے ہمارے یہاں زبان کی تحصیل کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیم کی سطح ہی سے معاشرتی اقدار اور اسلامی معاشرے کے اساسی اصولوں سے آگہی کے لیے بچوں کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کی خاطر متعلقہ اسباق کو درسی کتب میں جگہ دی جاتی ہے۔

۲۔نصاب سازی کے دوران کیے جانے والے تمام اقدامات کا محوری نقطہ بچے ہوتے ہیں۔چنانچہ نصاب سازی کا ایک اہم مقصد درسی کتب کو بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق بنانا اور بچوں کے نفسیاتی تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا،دلچسپی اور آمادگی کا حصول ممکن نہیں ہو پائے گا۔

۳۔نصاب سازی کا ایک اہم مقصد ایسے مقاصد کا تعین ہے جو حقیقتاً قابلِ حصول ہوں۔ہم مقاصد طے کرتے وقت بالعموم بہت سے ایسے مقاصد طے کر بیٹھتے ہیں جو ظاہراً بہت پرکشش نظر آتے ہیں لیکن ان کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔

۴۔نصاب سازی میں مقاصد کا تعین کرتے وقت یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ محض مقاصد طے کر لینا کافی نہیں۔یہ امر بھی قابلِ توجہ رہنا چاہیے کہ معینہ مقاصد قابلِ پیائش بھی ہیں یا نہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۸۔

لسانی حوالہ سے اردو نصاب کے لوازمات:

نصاب مقاصد کے حصول کا ضامن ہوتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ نصاب سازی کے دوران اس امر کو یقینی بنالیا جائے کہ ترتیب پانے والا نصاب ان عناصر کا حامل ہے یا نہیں جو مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے لازمی ہیں۔ذیل میں انہیں لوازمات کا مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے جو لسانی حوالہ سے اردو نصاب کے لیے لازمی ہیں:

۱۔صحتِ زبان سے مطابقت:

کسی بھی نصاب کا پہلا لوازمہ یقیناً یہی ہوسکتا ہے کہ درسی کتاب میں استعمال ہونے والی زبان معیاری ہو اور لسانی اصولوں کے عین مطابق ہو۔اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ:

۱۔نصاب کی زبان قواعدِ زبان سے مطابقت رکھتی ہو۔

۲۔کتاب میں شامل اسباق کی املا درست ہو۔

۳۔اسباق میں موجود جملے نحوی اصولوں کی پاسداری کریں۔
۴۔جماعتی سطح کے مطابق، اسباق سے مطلوبہ ذخیرۂ الفاظ حاصل ہو سکے۔

۲۔ادبی قدروں کا حامل:

اردو نصاب کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادبی اقدار کا آئینہ دار ہو۔واضح رہے کہ اس بات کا حقیقی اطلاق جماعت پنجم کے بعد سے ہوتا ہے تاہم اس امر کو یقینی بنانا چاہیے کہ جماعت پنجم سے قبل کا نصاب اگر ادبیت کا شارح نہیں تو کم از کم درست زبان کا مبلغ ضرور ہو۔جماعت پنجم کے بعد ادبی قدروں کے حوالے سے نصاب سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔اس میں شامل اسباق کے مصنفین اور شعرا کا مختصر تعارف بھی درسی کتاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ طلبہ مشاہیرِ اردو ادب سے تعارفی سطح پر آشنا ہو سکیں۔

۲۔درسی کتب میں شامل فن پارے، معیاری نظم و نثر کا نمونہ ہوں تاکہ بچوں میں درسی کتب کے علاوہ بھی ادبی تحریریوں کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔

۳۔بتدریج اور مربوط:

معیاری نصاب وہی ہوتا ہے جس میں جماعتی اعتبار سے بھی ربط ہو اور درسی کتب کی ترتیب بھی مربوط نظر آئے۔اس حوالے سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔اسباق بتدریج آسانی سے مشکل کی طرف بڑھیں۔

۲۔درسی کتاب کے شروع میں تفریحی اسباق شامل کیے جائیں اور بعد میں تعمیری نوعیت کے اسباق کو جگہ دی جائے تاکہ بچے تحصیل کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

۳۔کوشش کی جائے کہ درسی کتب میں شامل اسباق میں قواعد اور موضوع کے حوالے سے ربط پایا جائے۔اگر ایسا ہو جائے تو تحصیلِ زبان میں بہت سہولت ہو جائے گی۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۱۹۔

موضوعی حوالہ سے نصاب کے لوازمات:

زبان کے ساتھ ساتھ موضوعی حوالہ سے بھی اردو نصاب کے بہت سے لوازمات ہیں جن کے بغیر اردو نصاب مکمل قرار نہیں پاتا۔ان لوازمات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ضروری ہے کہ نصاب بچوں کی نفسیات کے عین مطابق ہو۔وہ نصاب جس میں بچوں کی دلچسپی قائم نہ ہو پائے گی، اپنی تمام تر دیگر صفات کے باوجود صرف اس لیے ناکام ہو جائے گا کہ بچے اس میں دلچسپی نہیں لیں گے۔

بچوں کی دلچسپی کے حصول کے لیے بہتر ہوگا کہ نصاب میں بچوں کو مرکزیت دی جائے۔یعنی اس میں شامل زیادہ تر اسباق بچوں کے حوالہ

سے ہوں۔اسی طرح مجوزہ سرگرمیوں میں بھی بچوں کو شرکت کے مواقع میسر آئیں۔ نیز نصاب بچوں کی خواہشات کا آئینہ دار ہو۔

۲۔ چونکہ ہم ایک نظریاتی قوم ہیں اس لیے اردو نصاب کو قومی اقدار کے ساتھ ساتھ ہماری معاشرتی اقدار کا حامل بھی ہونا چاہیے۔ گویا قومی نوعیت کے اسباق کے علاوہ معاشرتی حوالہ سے بھی اسباق نصاب کا حصہ ہونے چاہییں۔

۳۔ نصاب میں نظریۂ پاکستان اور اسلامی فلسفۂ حیات کے حوالہ سے اسباق کا ہونا ازحد ضروری ہے۔نظریۂ پاکستان سے آگہی ہوگی تو بچے اپنے وطن کی نظریاتی بنیادوں سے آشنا ہو پائیں گے۔ جبکہ اسلامی فلسفہ سے آگہی انہیں نظریۂ پاکستان کے حوالہ سے مزید پختہ تر کردے گی۔

۴۔ نصاب کو موضوعی اور سبقی تناسب کے حوالہ سے متوازن ہونا چاہیے۔یعنی اس میں نظم ونثر کے اسباق متوازن ہوں اور اسباق کے چناؤ میں دیگر علوم سے متعلق اسباق کو بھی مناسب جگہ دی گئی ہو۔

۵۔ نصاب لچک دار نوعیت کا ہو۔اس میں ماحول اور بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق تبدیلی کی گنجائش ہو۔

۶۔ کسی بھی زبان کی طرح اردو زبان کا نصاب بھی عملی نوعیت کا ہونا چاہیے۔نصاب ایسا ہو جس میں زیادہ سے زیادہ عملی سرگرمیوں کے مواقع میسر آسکیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۰۔

اردو نصاب کے قومی مقاصد:

اردو نصاب کے قومی مقاصد درج ذیل ہیں:

ا۔ قومی اور علاقائی زبانوں کا احترام سکھایا جائے۔

۲۔ پاکستان کے تمام باشندوں سے محبت کے جذبات کو فروغ دیا جائے۔

۳۔ قومی پرچم اور قومی ترانے کے احترام سے بچوں کو آگاہ کیا جائے۔

۴۔ طلبہ میں اسلامی شعور کو فروغ دیا جائے۔

۵۔ پاکستانی مصنوعات اور لباس سے رغبت پیدا کی جائے۔

۶۔ پاکستانی ادب وثقافت سے بچوں کی دلچسپی میں اضافہ کیا جائے۔

۷۔ چونکہ نظریۂ اسلام جغرافیائی حدود کی بنیاد پر قومیتوں کے تصور کی نفی کرتا ہے اس لیے نصاب بچوں کو ملّتِ اسلامیہ کے تصور سے آشنا کرے۔

۸۔ بچوں میں قومی ترقی کے جذبہ کو فروغ دیا جاسکے۔

۹۔ قومی سلامتی کی خاطر طلبہ میں جذبۂ قربانی کو بڑھاوا دیا جائے۔

۱۰۔ طلبہ کو اہم قومی تہواروں سے آشنائی دلائی جائے۔

۱۱۔ دین و دنیا میں تفریق کے تصور کی نفی کی جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۱۔

ابتدائی سطح کی تعلیم میں نصاب زبان کے مقاصد:

تحصیلِ زبان کے سلسلہ میں ابتدائی سطح کی تعلیم میں نصابِ زبان کے مقاصد درج ذیل ہیں:

(الف) گفتگو کی مہارت:

بچوں کے سیکھنے کا عمل چونکہ بولنے اور سننے سے شروع ہوتا ہے اس لیے ابتدائی سطح پر نصابِ زبان کا پہلا مقصد گفتگو کی مہارت ہے۔اس حوالے سے درج ذیل امور کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ بچہ اپنی بات کہنے پر قدرت حاصل کر لے۔

۲۔ بچوں میں سوال کا جواب دینے کی صلاحیت پیدا کی جا سکے۔

۳۔ بچے دوسروں کی بات سمجھنے پر قدرت حاصل کر لیں۔

(ب) پڑھنے کی مہارت:

گفتگو کی مہارت کے ساتھ ساتھ ابتدائی سطح پر بچوں میں پڑھنے کی صلاحیت کا فروغ نصابِ زبان کا ایک اہم مقصد ہے۔اس حوالے سے درج ذیل امور پر نظر رکھی جاتی ہے:

۱۔ بچہ الفاظ کے جوڑ توڑ کر سکے۔

۲۔ بچہ پڑھی جانے والی عبارت کو مکمل طور پر سمجھ سکے۔

۳۔ بچے کو بتدریج خاموش مطالعہ پر قدرت حاصل ہو جائے۔

(ج) درست اور غلط میں تمیز:

ابتدائی سطح پر نصابِ زبان کا ایک مقصد بچوں میں غلط اور درست میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔اس تناظر میں درج ذیل امور مدِ نظر رکھے جاتے ہیں۔

۱۔ بچے ہجّوں میں غلطی کی شناخت کر سکیں۔

۲۔ بچے جملوں کی ساخت میں غلطی کی پہچان سکیں۔

۳۔ طلبہ انشائی اصولوں میں ہونے والی عمومی غلطیوں کا ادراک کر سکیں۔

(د) لکھنے کی مہارت:

بولنے، پڑھنے اور درست غلط میں امتیاز کرنے کے ساتھ ساتھ بنیادی لسانی مہارتوں کے حوالے سے نصابِ زبان کا ایک بڑا مقصد ابتدائی سطح پر لکھنے کی مہارت پر عبور ہے:

ا۔بچہ مکمل اور مخلوط الفاظ لکھنے پر قادر ہو جائے۔

۲۔بچہ مناسب رفتار سے لکھ سکے۔

سبق نمبر:۲۱

جماعت اول ودوم کے لیے اردو نصاب کے اہداف

خصوصی سطح پر اردو نصاب کے اہداف میں ا۔مشاہدہ کرنا، ۲۔سماعت وادراک، ۳۔گفتگو کی مہارت، ۴۔پڑھنے کی مہارت، ۵۔لکھنے کی مہارت اور ۶۔آدابِ معاشرت سے آگہی شامل ہیں۔ذیل میں جماعت اول ودوم کے حوالے سے انہیں پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۲۔

مشاہدہ کرنا:

''اپنے گرد ونواح میں موجود اشیا کو دیکھ کر ان کے متعلق رائے قائم کرنے کے عمل کو مشاہدہ کرنا کہتے ہیں۔''

جماعت اول اور دوم کی سطح پر اردو کے نصاب سے توقع کی جاتی ہے کہ کم از کم بچے مشاہدہ کے حوالے سے ذیلی مہارتیں حاصل کر لیں:

ا۔ناموں کی شناخت:

جماعت اول اور دوم کی سطح پر بچے کو مقرون اشیا یعنی ٹھوس اشیا کے ناموں اور ان کی شناخت ہو جانی چاہیے۔نیز بچہ اس قابل ہو جائے کہ وہ کھانے پینے اور عام اشیا کے نام اور ان کی پہچان کر سکے۔

۲۔اشیا کے استعمال پر قدرت:

بچہ عام اشیا کا استعمال جان لے اور عملاً اس استعمال پر اسے خود بھی قدرت ہو اور وہ ان اشیا کے متعلق گفتگو کر سکے۔

۳۔مماثل اشیا میں امتیاز:

ہم روزمرہ زندگی میں بہت سی ملتی جلتی اشیا استعمال کرتے ہیں۔اس سطح پر بچے کو کم از کم اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ عام استعمال کی مماثل اشیا میں امتیاز کر سکے اور ان اشیا کا الگ الگ استعمال بھی جانتا ہو۔

۴۔حروف کی شناخت:

اس سطح پر ضروری ہے کہ بچہ کم از کم حروفِ تہجی کی مکمل پہچان کرنے کے قابل ہو جائے اور حروف سے لفظ بنانے لگے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکمل اور مخلوط حروف کے ساتھ ساتھ ہم شکل حروف کو بھی با آسانی پہچان لے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۳۔

سماعت وادراک:

''سماعت کے لفظی معنی سننا اور ادراک کے معنی سمجھنا کے ہیں۔ گویا سماعت و ادراک سے مراد بچوں کی سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے۔''

جماعت اول اور دوم کے اردو نصاب میں ایسے اسباق اور سرگرمیاں ہونی چاہییں جن سے بچے:

۱۔ مختلف آوازوں کی شناخت کر سکیں اور انہیں دہرا سکیں۔

۲۔ کہانی سن اور سمجھ سکیں۔

۳۔ نظم یا گیت سن کر لطف اندوز ہو سکیں۔

۴۔ گفتگو کو مکمل توجہ سے سن اور سمجھ سکیں۔

۵۔ ایک جیسی آوازوں والے حروف مثلاً ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ض ظ، ک ق، وغیرہ میں امتیاز کر سکیں اور خود بھی بول سکیں۔

۶۔ زبانی ہدایات کو سن اور سمجھ کر ان پر عمل کر سکیں۔

۷۔ لب و لہجہ سے احساسات کو سمجھ سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۲۴۔

گفتگو میں مہارت:

جماعت اول اور دوم کے اردو نصاب سے توقع کی جاتی ہے کہ گفتگو میں مہارت کے حوالے سے بچے درج ذیل امور پر قادر ہو جائیں:

۱۔ تین سے پانچ منٹ تک تقریر کر سکیں۔

۲۔ گزشتہ روز کی روداد سنا سکیں اور اپنا تعارف کروا سکیں۔

۳۔ واقعہ یا کہانی سنا سکیں۔

۴۔ اردو لہجہ میں بات کرے۔

۵۔ بچے کی گفتگو میں روانی ہو۔

۶۔ تصویر دیکھ کر اس پر تبصرہ کر سکے۔

۷۔ بچے کی گفتگو پُر اعتماد ہو۔

۸۔ گفتگو میں اٹکاؤ اور رکاوٹ نہ ہو۔ بچہ مناسب رفتار اور آواز میں بات کر سکے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۲۵۔

پڑھنے کی مہارت:

پڑھنے کے حوالے سے جماعت اول اور دوم کی سطح پر اردو نصاب میں وہ اسباق اور سرگرمیاں شامل ہونی چاہییں جن سے بچے درج ذیل امور سر انجام دے سکیں۔

ا۔ بچہ درسی کتاب میں شامل الفاظ پڑھ سکے اور مماثل الفاظ کی شناخت کر سکے۔

۲۔ بچے کو بلند خوانی یعنی بآوازِ بلند پڑھنے اور خاموش مطالعہ پر قدرت حاصل ہو جائے۔

۳۔ بچہ سوالنامہ پڑھ کر جواب دے سکے۔

۴۔ بچہ مناسب رفتار سے پڑھ سکے۔

۵۔ بچے کو کہانیوں کی کتابیں پڑھنے میں دلچسپی پیدا ہو۔

مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی موثر صلاحیت کے لیے ضروری ہے کہ بچہ درج ذیل امور سے پرہیز کا عادی ہو جائے:

ا۔ پڑھتے وقت سر ہلانا

۲۔ لیٹ کر یا غلط انداز میں بیٹھ کر پڑھنا

۳۔ کتاب آنکھوں کے قریب کر کے پڑھنا

۴۔ سطر پر انگلی چلا کر پڑھنا

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۶۔

لکھنے کی مہارت:

جماعت اول اور دوم کی سطح تک بچوں سے لکھنے کے حوالے سے درج ذیل مہارتوں کی توقع کی جاتی ہے۔ چنانچہ اردو کے نصاب میں ذیلی امور کی انجام دہی کے لیے مطلوبہ عناصر ہونے چاہییں۔

ا۔ بچہ سیدھے، خم دار اور گول خطوط کھینچنا سیکھ لے۔

۲۔ بچے کو نقطوں اور دندانوں کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔ یعنی وہ جان لے کہ اردو میں نقطوں کی جگہ اور تعداد سے حرف بدل سکتا ہے۔ یہی حال دندانوں کا ہے۔

۳۔ بچہ سالم اور مخلوط اشکال کے حروف اور الفاظ پہچان اور لکھ سکے۔

۴۔ بچے کو ہم آواز حروف کی پہچان ہو جائے اور وہ سن کر بھی ایسے حروف لکھ سکے۔

۵۔ بچے کو نقل نویسی کا فن آجائے۔

۶۔ بچہ املا نویسی کے فن پر قدرت حاصل کر لے۔

۷۔ بچے کو اندازہ ہو جائے کہ بری لکھائی کیا ہوتی ہے اور وہ کس طرح خوش نویسی پر قدرت حاصل کر سکتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۷۔

آدابِ معاشرت سے آگہی:

یہ درست ہے کہ پہلی اور دوسری جماعت میں بالعموم متذکرہ بنیادی لسانی مہارتوں پر عبور دلایا جاتا ہے لیکن یہی وہ عمر ہے جس میں تشکیل دی

جانے والی عادات تمام عمر قائم رہتی ہیں۔ چنانچہ جماعت اول اور دوم کا اردو نصاب ترتیب دیتے وقت آدابِ معاشرت کے عنصر سے صرفِ نظر برتنا ممکن نہیں۔

جماعت اول اور دوم کے اردو نصاب سے توقع کی جاتی ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد بچہ درج ذیل آدابِ معاشرت سیکھ لے۔

۱۔ بچے کو سلام کرنے کی عادت ہو جائے۔

۲۔ بچے کو کمرے میں آتے جاتے وقت اجازت لینے کا شعور مل جائے۔

۳۔ بچہ اٹھنے بیٹھنے کے آداب سے آگاہ ہو جائے۔

۴۔ بچے کو جواب دینے کے لیے مطلوبہ کلمات سے آگہی ہو جائے اور وہ ان کے استعمال کا عادی ہو جائے۔

۵۔ بچے کو عزت واحترام کے الفاظ وکلمات سے آگہی ہو جائے نیز وہ گفتگو میں ان الفاظ کے استعمال کا عادی ہو جائے۔

۶۔ بچہ سیکھ لے کہ انفرادیت پر اجتماعیت کو ترجیح حاصل ہے اس لیے بچوں کو مل جل کر رہنا چاہیے۔

۷۔ بچوں کو روزمرہ اشیا کی حفاظت کی فطری طور پر عادی ہونی چاہیے۔

سبق نمبر:۲۲

اردو نصاب کے اہداف: جماعت سوم کے لیے

خصوصی سطح پر اردو نصاب کے اہداف میں ۱۔مشاہدہ کرنا، ۲۔سماعت وادراک، ۳۔گفتگو کی مہارت، ۴۔پڑھنے کی مہارت، ۵۔لکھنے کی مہارت اور ۶۔آدابِ معاشرت سے آگہی شامل ہیں۔ذیل میں جماعت سوم کے حوالے سے انہیں پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۸۔

مشاہدہ کرنا:

جماعت سوم میں اردو نصاب کے لیے بچوں کی مشاہداتی صلاحیت کے حوالے سے درج ذیل اہداف کا حصول ضروری ہے:

۱۔متعلمین قابلِ دید عمارات کی سیر کو جائیں اور وہاں سے حاصل شدہ معلومات کو موثر طور پر ذہن نشین کر سکیں۔

۲۔عام جانوروں اور پرندوں کو پہچانے اور ان کے طرزِ زندگی سے آگاہ ہوں۔

۳۔مختلف اشیا، حیوانات اور پرندوں کی نوعیت میں امتیاز کر سکیں۔

۴۔اپنے مشاہدات کے حوالے سے رائے قائم کر سکیں۔

۵۔اپنے سامنے ہونے والے اعمال اور حرکات وسکنات کی نقل کر سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۲۹۔

سماعت وادراک:

جماعت سوم میں سننے اور سمجھنے کے حوالے سے اردو نصاب سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ درج ذیل اہداف کا حصول ممکن بنائے۔

۱۔متعلمین بات سن کر یاد رکھنے کے قابل ہو جائیں۔

۲۔کسی کی بات سن کر اس کا تجزیہ کر سکیں۔

۳۔کسی عام موضوع پر اپنے خیالات میں ترتیب کو ملحوظ رکھیں۔

۴۔بچے صحیح اور غلط تلفظ میں امتیاز کر سکیں۔

۵۔تقریر اور دیگر سمعی معاونات کی تفہیم کر سکیں۔

۶۔بچے کو سرگوشی کی تفہیم اور اظہار پر قدرت حاصل ہو جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۰۔

گفتگو کی مہارت:

جماعت سوم میں توقع کی جاتی ہے کہ اردو نصاب درج ذیل اہداف کے حصول میں معاون ہو:

۱۔ بچے اپنے مشاغل اور مشاہدات کی تفصیل بتا سکیں۔

۲۔ گزشتہ روز کی روداد ترتیب سے بیان کر سکیں۔

۳۔ مطلوبہ ادائیگی کے ساتھ کہانی یا نظم سنا سکیں۔

۴۔ کسی موضوع پر تعارفی اظہارِ خیال کر سکیں۔

۵۔ آزادانہ گفتگو کر سکیں اور گفتگو میں روانی ہو۔

۶۔ بچے درست لب ولہجہ کی پابندی کی کوشش کرنے لگیں۔

۷۔ بچے اٹکاؤ کے بغیر مختصر انداز میں اپنی بات کہنے کا فن سیکھ لیں۔

۸۔ بچوں کو عام بات چیت اور گفتگو کی عادت پڑ جائے۔

۹۔ بچے نصابی سوالات کا جواب دینے لگیں۔

۱۰۔ بچوں کو خواب سنانے پر قدرت حاصل ہو جائے۔

۱۱۔ بچے مناسب آواز اور رفتار میں بات کر سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۱۔

پڑھنے کی مہارت:

جماعت سوم میں پڑھنے کی مہارت کے حوالے سے اردو نصاب درج ذیل اہداف کے حصول کو ممکن بنائے:

۱۔ متعلمین چار سے پانچ حرفی الفاظ یعنی پیچیدہ الفاظ پڑھنے پر قدرت حاصل کر لیں۔

۲۔ بچوں میں غیر نصابی کتب پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔

۳۔ بلند خوانی کے دوران بچہ مناسب رفتار اور روانی سے پڑھ سکے۔

۴۔ بچہ اخبار پڑھنے کی صلاحیت حاصل کر لے۔

۵۔ پڑھی ہوئی تحریر کو یاد رکھنے اور بیان کرنے پر قدرت حاصل ہو جائے۔

۶۔ بچہ مفادِ عامہ کے پیغامات پڑھ سکے۔

۷۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر پڑھنے میں بچے کو دشواری نہ ہو۔

۸۔ بچہ آزادانہ مطالعہ میں دلچسپی لینے لگے۔

۹۔اردو میں مختلف رسم الخط رائج ہیں، جماعت سوم تک توقع کی جاتی ہے کہ بچہ خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق پڑھنے پر قادر ہو جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۲۔

لکھنے کی مہارت:

جماعت سوم کا نصاب یوں ترتیب دیا جائے کہ اس سے لکھنے کی مہارت کے حوالے سے درج ذیل اہداف حاصل ہو جائیں۔

۱۔تیسری جماعت تک پہنچتے پہنچتے بچوں کو شعوری طور پر خوش نویسی کا عادی ہو جانا چاہیے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں پختہ ہو جانے والی عادات بعد ازاں بہت دشواری سے بدلتی ہیں چنانچہ جماعت سوم تک بچوں کو خوش نویسی کا عادی ہو جانا چاہیے۔

۲۔تیسری جماعت کے طلبہ کو تخلیقی انشا مثلاً کہانی نویسی، مضمون نویسی وغیرہ پر کسی حد تک مہارت حاصل ہو جانی چاہیے۔

۳۔طلبہ ہم آواز الفاظ لکھنے پر قادر ہوں۔

۴۔طلبہ الفاظ اور متفرق جملوں سے بڑھ کر عبارت کی املا نویسی پر قادر ہو جائیں۔

۵۔املا کی طرح عبارتوں کی نقل پر بھی انہیں قدرت ہو۔

۶۔خط، کہانی یا نظم وغیرہ کو درست انداز میں لکھ سکیں۔

۷۔روزنامچہ لکھنے کی طرف راغب ہو جائیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۳۔

آدابِ معاشرت:

تیسری جماعت تک بچوں کا شعور کسی حد تک بیدار ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے توقع کی جاتی ہے کہ اس عمر تک وہ معاشرتی اخلاقیات کی مطابقت سے خود کو استوار کرنے لگیں۔ چنانچہ اردو نصاب میں ایسے اسباق اور سرگرمیاں ہونی چاہئیں جن سے جماعت سوم کے طلبہ کے حوالے سے درج ذیل اہداف کا حصول ممکن ہو جائے:

۱۔طلبہ کی گفتگو میں شائستگی و شگفتگی نظر آئے۔

۲۔طلبہ وقت کی پابندی کے قائل ہوں اور وقت کی پابندی ان کی زندگی میں نظر آئے۔

۳۔طلبہ خورد و نوش کے آداب سے آگاہ ہوں۔

۴۔طلبہ ذاتی مفاد کی بجائے جذبۂ قربانی کی طرف مائل ہونے لگیں۔

۵۔طلبہ بنیادی اخلاقی اقدار پر عمل کرنے لگیں۔

۶۔دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے طلبہ میں اپنی مدد آپ کے جذبات فروغ پائیں۔

۷۔طلبہ عمومی زندگی میں بھی صفائی کے عادی ہو جائیں۔

سبق نمبر: ۲۳

اردو نصاب کے اہداف جماعت چہارم کے لیے

ابتدائی تین جماعتوں کے بعد طلبہ سکول اور تعلیمی سفر سے مکمل طور پر آشنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ جماعت چہارم تک پہنچتے پہنچتے بچوں کا شعور بیدار ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے اس جماعت سے نصاب کے مقاصد اور اہداف بھی وسیع تر ہو جاتے ہیں۔

جماعت چہارم کے لیے اردو زبان کا نصاب ترتیب دیتے ہوئے بنیادی طور پر ذیلی مقاصد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے:

اول: بچوں کی ذہنی تربیت کی جائے تاکہ وہ شعوری طور پر جان لیں کہ تعلیم کی اہمیت کیا ہے اور وہ اس عمل سے کس طرح اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

دوم: بچوں کو زیادہ سے زیادہ معلومات مہیا کی جاسکیں تاکہ ان کا ذہنی افق وسیع تر ہو سکے۔

سوم: زبان کی تحصیل کا شوق بیدار ہو تا کہ وہ اپنی بات تحریر و تقریر دونوں صورتوں میں موثر انداز میں کہہ سکیں۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل اہداف کا تعین کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ مقاصدِ زبان کس حد تک حاصل ہو سکے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۳۴۔

مشاہدہ کرنا:

۱۔ جماعت چہارم میں مشاہداتی عمل کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اس سطح پر توقع کی جاتی ہے کہ بچوں کو وسیع تر معلومات فراہم کی جائے۔ اس سلسلہ میں بچوں کو سیر و تفریح کے ذریعے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعارف کروایا جاتا ہے۔

چنانچہ نصاب میں ایسے اسباق شامل ہونے چاہئیں جن کی تفہیم کے لیے بچوں کو مختلف تاریخی اور تجارتی مقامات پر لے جایا جائے تاکہ وہ اپنے ملک و قوم کی تاریخ کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعارف ہو سکیں۔

۲۔ اس مرحلہ پر بچوں کو نامکمل سے مکمل کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ یعنی انہیں نامکمل مشاہدات کروا کر سوچنے پر ابھارا جاتا ہے کہ زیرِ مشاہدہ اشیا اور تصورات کی تکمیل کیوں کر ہو سکتی ہے۔

اس ہدف کی تکمیل کے لیے بچوں کو نامکمل اشیا دکھا کر ان کے مکمل اظہار کو کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح نامکمل تصورات بتا کر بچوں سے ان کی تکمیل کروائی جاسکتی ہے۔

۳۔ مشاہداتی حوالے سے جماعت چہارم کے اردو نصاب کا ایک ہدف تصویر سے کہانی بنانے کا ہے۔ یہ عمل بچوں میں تخلیقی رجحان کے

فروغ میں معاون ثابت ہوتا ہے۔تصویر دیکھ کر کہانی ترتیب دینے کے لیے بچوں کو اپنی قوتِ مختیلہ کا استعمال کرنا پڑتا ہے جو مشاہداتی عمل سے حاصل ہونے والی معلومات کے ذہن نشین رکھنے میں بھی معاون ہوتی ہے اور بچوں کو عملیت پسندی کی طرف بھی ابھارتی ہے۔

۴۔ جماعت چہارم میں اردو نصاب کا ایک اہم ہدف بچوں میں جمالیاتی حس کی بیداری ہے۔اس ہدف کے حصول کے لیے نصاب میں ایسے اسباق شامل ہونے چاہئیں جن میں بچوں کو مظاہرِ فطرت سے متعارف ہونے کا موقع ملے اور ان میں فطرت سے لگاؤ پیدا ہو۔اسی طرح ضروری ہے کہ بچے حسیاتی طور پر فطری عوامل کو محسوس کریں۔یعنی ہوا کی ٹھنڈک اور گرمی یا موسموں کی خوشگواری یا ناخوشگواری کا احساس ان پر اثرات مرتب کرے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۵۔

سماعت وادراک:

سماعت وادراک کے حوالے سے توقع کی جاتی ہے کہ جماعت چہارم کے طلبہ درج ذیل مہارتیں حاصل کرلیں:

۱۔ بچہ کوئی بھی بات سنتے وقت ہمہ تن گوش رہے۔یعنی بچوں کو توجہ اور ارتکاز پر قدرت حاصل ہوجائے۔

۲۔ بچے کہانی سن کر نتیجہ اخذ کرسکیں۔ یقیناً ایسا اسی وقت ممکن ہوگا جب وہ سننے کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی صلاحیت بھی حاصل کرلیں گے۔

۳۔طلبہ سمعی مواد کو مکمل طور پر سمجھ سکیں۔یعنی وہ کہانی، نظم، گیت یا گفتگو جو انہیں سنائی جائے وہ اس سے معنی اخذ کرسکیں کیونکہ سننے کے ساتھ ساتھ سمجھنا بھی ضروری ہے ورنہ سننے کی صلاحیت بھی بیکار ہوجائے گی۔

۴۔ جماعت چہارم تک پہنچتے پہنچتے بچوں کو قدرے طویل اسباق کے تفہیمی مطالعہ پر قادر ہوجانا چاہیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ طویل سبق کی تدریس کے دوران بچوں کا سماعتی ارتکاز بھی قائم رہے اور تفہیمی سلسلہ بھی متاثر نہ ہو۔

۵۔ بچے تفصیلی گفتگو کے قابل ہوجائیں۔ واضح رہے کہ سماعت وادراک پر بات کرتے ہوئے، طویل گفتگو کے قابل ہوجانے کا مطلب بچوں کی بولنے کی مہارت کا تقاضا نہیں۔ بات چیت کے لیے صرف بولنا کافی نہیں ہوتا۔ سننے اور دوسرے کی بات کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۶۔ جماعت چہارم کے طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ سنی جانے والی ہدایات کو دُہرا بھی سکیں اور ہدایات کی پیروی بھی کرسکیں۔ پیروی یا تقلید اسی صورت ممکن ہے جب وہ بات کو مکمل طور پر سمجھ بھی چکے ہوں۔

۷۔ بچے اشعار سن کر حفظ کرسکیں۔یعنی اشعار یاد کرنے کے لیے ان کی تحریری دستیابی لازمی نہ ہو۔ دورانِ تدریس آنے والے اشعار میں سے بچے اپنی پسند کا کلام سن کر ہی یاد کرلیں۔

۸۔کسی موضوع پر ہونے والی گفتگو میں عدم تسلسل کی نشاندہی کرسکیں۔یعنی بچے گفتگو کو اس حد تک سمجھ پائیں کہ اس میں ٹوٹنے والے تسلسل پر انہیں فوراً اندازہ ہوجائے کہ گفتگو مرکزی نکتے سے ہٹ گئی ہے۔ایسا صرف مکمل تفہیم کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

۹۔ بچوں کو درست لب ولہجہ پر قدرت حاصل ہوجائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے سنے جانے والے تلفظ کو سمجھ رہے ہوں اور انہیں بولا

جانے والا تلفظ اور لب ولہجہ یاد بھی رہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۶۔

گفتگو کی مہارت:

۱۔معیاری لب ولہجہ کی اہمیت سماعت وادراک میں بھی مسلّم ہے اور گفتگو کی مہارت میں بھی۔ جماعت چہارم کے وہ بچے جو معیاری لب و لہجہ اپنانے پر قادر ہوں گے وہ اپنا مدعا بہتر انداز میں کہہ پائیں گے۔

۲۔بچے کا ذخیرۂ الفاظ اور اعتماد اس حد تک بڑھ جائے کہ وہ اپنے مشاہدہ کا موثر ابلاغ کر سکے۔

۳۔بچہ کم از کم تین سے پانچ منٹ تک تقریر کر سکے۔

۴۔بچہ تصویر دیکھ کر واقعہ بیان کر سکے۔

۵۔بچہ اپنے احساسات وجذبات کو موثر انداز میں بیان کر سکے۔

۶۔بچہ موثر طور پر تحت اللفظ میں اشعار پڑھ سکے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۷۔

پڑھنے کی مہارت:

اردو نصاب کے اہداف کے مطابق قرات یا پڑھنے کے حوالے سے جماعت چہارم کے طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔بچے طویل اسباق کی قرات کے ساتھ ساتھ انہیں سمجھنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لیں۔

۲۔توضیح وتشریح کے بغیر پڑھے ہوئے مواد کا وضاحتی بیان کر سکیں۔

۳۔تیزی سے قرات کرتے ہوئے بھی بچے عبارت کو سمجھ سکیں۔

۴۔بچوں کو اخبارات، اور رسائل پڑھنے میں دلچسپی پیدا ہو جائے۔

۵۔ٹیلی ویژن یا اشتہارات میں آنے والے مفادِ عامہ کے پیغامات کو بچے پڑھ اور سمجھ سکیں۔

۶۔چھپی ہوئی تحریروں کے ساتھ ساتھ بچے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر کو بھی پڑھ اور سمجھ سکیں۔

۷۔روانی سے شاعری پڑھ سکیں اور پسندیدہ اشعار یاد کر سکیں۔

۸۔کتب خانے سے اپنی پسندیدہ کتاب کا انتخاب کر سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۸۔

لکھنے کی مہارت:

نصاب میں ایسے اسباق اور سرگرمیاں شامل کی جائیں جن سے جماعت چہارم کے طلبہ میں لکھنے کے حوالے سے درج ذیل اہداف حاصل ہو سکیں:

۱۔ بچے اپنا قلم خود تیار کر سکیں۔ آج کل استعمال ہونے والے قلم کو تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ مارکر کاٹنے کی مہارت کے حوالے سے یہ بات درست ہے۔

۲۔ بچے خوش خطی کے مقابلوں میں شریک ہو سکیں اور ان میں خوش خطی کا شوق پیدا ہو۔

۳۔ بچوں کو درست املا پر عبور حاصل ہو جائے۔

۴۔ بچے سادہ خطوط اور مضامین لکھنے پر عبور حاصل کر لیں۔

۵۔ بچوں کو کہانی لکھنے کا سلیقہ حاصل ہو جائے۔

۶۔ بچوں کو قدرے تفصیلی روزنامچہ لکھنے کی عادت ہو جائے۔

۷۔ بچوں کو یادداشتیں جمع کرنے کا شوق ہو اور وہ تحریری طور پر اس کی قدرت حاصل کر لیں۔

۸۔ بچے اپنی پسند کی عبارت کی نقل کر کے محفوظ کر سکیں۔

۹۔ بچوں کو جماعتی چارٹ بنانے کا سلیقہ آ جائے اور وہ تختۂ تحریر پر لکھنا سیکھ لیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۳۹۔

آدابِ معاشرت:

نصابِ زبان سے جہاں زبان سکھانے کا کام لیا جاتا ہے وہیں اس سے یہ توقع بھی کی جاتی ہے کہ بچے اسے پڑھ کر معاشرتی آداب بھی سیکھ جائیں۔ اس حوالے سے جماعت چہارم کے اردو نصاب کے اہداف درج ذیل ہیں:

۱۔ بچوں میں اپنے سکول کی عمارت کو سجانے سنوارنے کا شوق پیدا ہو۔

۲۔ بچے سکول کے سامان کی حفاظت کرنے لگیں۔

۳۔ بچوں میں سکول، گھر اور محلے کی صفائی کا شوق پیدا ہو۔

۴۔ بچوں میں یہ شعور پیدا ہو کہ قدرتی وسائل کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے۔

۵۔ بچوں میں ہاتھ سے کام کرنے کا شوق پیدا ہو۔ یعنی بچے محنت پر فخر کریں اور ہر لمحہ اس کے لیے آمادہ ہوں۔

۶۔ بچے جانوروں سے محبت کریں۔

۷۔ بچے پھل، پھول اور پودوں کی حفاظت کریں۔

۸۔ بچوں میں یہ شعور پیدا ہو کہ بڑوں کی عزت کرنی چاہیے اور چھوٹوں سے شفقت کرنی چاہیے۔

سبق نمبر: ۲۴

اردو نصاب کے اہداف: جماعت پنجم کے لیے

جماعت پنجم کے لیے نصاب ترتیب دیتے ہوئے درج ذیل اہداف کو مدِ نظر رکھنا چاہئے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۴۰۔

مشاہدہ کرنا:

جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ جماعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اہداف کی وسعت اور پیچیدگی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی حوالے سے مشاہداتی عمل پانچویں جماعت میں گزشتہ جماعتوں سے وسیع تر ہوجاتا ہے۔ اس سطح پر توقع کی جاتی ہے کہ طلبا:

۱۔ مختلف مقامات کو دیکھ کر آزادانہ رائے زنی پر قادر ہو جائیں۔ یعنی طلبا اس قابل ہوں کہ وہ کسی منظر پر اپنا نکتہ نظر قائم کر سکیں۔

۲۔ فطری مناظر پر موثر گفتگو کر سکیں۔

۳۔ پیچیدہ تصاویر دیکھ کر کہانیاں ترتیب دے سکیں۔

۴۔ اپنے کسی بھی سفر کی دلچسپ روداد بیان کر سکیں۔

۵۔ کسی بھی بات کی جزئیات بیان کر سکیں اور ان جزئیات میں تسلسل اور منطقی ربط ہو۔

۶۔ مختلف اشیا، مناظر اور صورتِ احوال میں تقابل و تجزیہ کر سکیں۔ یعنی ایک منظر، شے یا صورتِ حال کا دوسرے منظر، شے یا صورتِ حال سے تقابل کر سکیں۔

۷۔ اپنی قوتِ متخیلہ کا استعمال کرنا سیکھ لیں۔ یعنی ایک حقیقی صورتِ حال دیکھ کر خود سے اس کے مماثل صورتِ حال تشکیل دے سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۴۱۔

سماعت و ادراک:

پانچویں جماعت کے طلبا کو اس قابل ہوجانا چاہیے کہ وہ کوئی بات سن کر نہ صرف اس سے معنی کشید کر سکیں بلکہ وہ اس بات کو اس حد تک سمجھ لیں کہ اسے یاد بھی رکھ سکیں۔ سماعت و ادراک کے حوالے سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔ طلبا مختلف تقریبات میں توجہ سے بات سن اور سمجھ سکیں۔ ان کی قوتِ ارتکاز اس حد تک بڑھ جائے کہ وہ تقریبات میں بیزار نہ ہوں۔

۲۔ طلبا طویل تقاریر یا گفتگو سے تنگ نہ آئیں اور انہیں یہ تقاریر یا گفتگو الجھاؤ کا شکار نہ کرے۔

۳۔طلبا سمعی آلات سے لطف اندوز ہونا سیکھ لیں اور محض آواز سن کر پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔بچپنے میں صرف آواز سن کر بچہ دیکھنے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن پانچویں جماعت تک بچوں کا شعور اس حد تک بیدار ہو جانا چاہیے کہ صرف آواز سے بھی تفہیم ہونی چاہیے۔

۴۔بچے ٹیلی فون پر پیغام وصول کر سکیں۔

۵۔وصول شدہ پیغام درست طور پر مطلوبہ شخص کو پہنچا سکیں۔اسی صورت میں سماعت کے بعد ادراک یا تفہیمی صلاحیت کا ثبوت ملے گا۔

۶۔بچوں میں ریڈیو سننے کا شوق پیدا ہوا اور وہ مخصوص مدت تک ریڈیو سن سکیں اور اس سے لطف اندوز ہوں۔

۷۔بچے درست تلفظ سمجھ سکیں اور ان میں اس تلفظ کی پیروی کا شوق پیدا ہو۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۴۲۔

گفتگو کی مہارت:

پانچویں جماعت تک پہنچ کر بچوں کو بنیادی گفتگو کی تمام تر مہارتیں حاصل کر لینی چاہیے۔ان بنیادی مہارتوں کے حوالے سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔طلبا اپنے مشاہدات اور تاثرات کا رواں اور موثر بیان کر سکیں۔

۲۔بچے اپنی خواہشات کا واضح اور بلا جھجک اظہار کر سکیں۔

۳۔عام گفتگو میں بچوں کا تلفظ اور لب و لہجہ درست ہو۔

۴۔بچہ سکول اسمبلی میں پر اعتماد انداز میں کسی موضوع پر اظہارِ خیال کر سکے۔

۵۔بچہ کسی آسان موضوع پر فی البدیہہ تقریری اظہار کی قدرت حاصل کر لے۔

۶۔بچے کی گفتگو اور بات چیت دلائل پر مبنی ہو۔

۷۔بچہ اپنے علاقے اور ماحول پر گفتگو کر سکے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا ذخیرۂ الفاظ ہو کہ وہ محدود مگر مرتب گفتگو کر سکے۔

۸۔بچہ اپنے خیالات کا موثر اور منظم اظہار کر سکے۔

۹۔بچہ پیچیدہ تصاویر اور مناظر پر گفتگو کر سکے۔

۱۰۔بچہ نظم و نثر کی معیاری قرات کر سکے۔

۱۱۔بچے کو ڈراما میں شرکت کا شوق ہو اور وہ مکالمات کو بلند آواز سے بول سکے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۴۳۔

پڑھنے کی مہارت:

پڑھنا بھی وہ بنیادی لسانی مہارت ہے جس پر پانچویں جماعت تک اساسی عبور حاصل ہو جانا چاہیے۔اس حوالے سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔طلبا اخبارات و رسائل روانی سے پڑھ سکیں۔

۲۔ بچوں کو دستی تحریریں یا قلمی نسخوں کی قرات میں دشواری نہ ہو۔

۳۔ بچے طویل تحریریں پڑھتے وقت اکتاہٹ کا شکار نہ ہوں۔

۴۔ بچوں کو مطالعہ کی درست عادات میں پختگی حاصل ہو جائے۔

۵۔ بچے اپنی پسند کے شعرا اور نثر نگاروں کو شوق سے پڑھیں اور اپنی پسند کا کلام یاد بھی کریں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۴۴۔

لکھنے کی مہارت:

پانچویں جماعت تک بچہ جوڑ توڑ جیسے ابتدائی مراحل سے گزر کر ترقیاتی مراحل کی طرف بڑھتا ہے۔اس مرحلہ پر توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔ بچوں میں خوش خطی کا شعور بھی پیدا ہو جائے اور وہ شوق سے خوش خطی کی طرف توجہ دیں۔

۲۔ بچے سبک رفتاری سے لکھنے کے شوق میں املائی اغلاط نہ کریں بلکہ ایسی املائی اغلاط سے ہر ممکن حد تک پرہیز کریں۔

۳۔ بچے رموزِ اوقاف کا بنیادی استعمال سیکھ لیں۔

۴۔ بچے عملی ضروریات کی اساسی تحریریں سیکھ لیں۔ان تحریروں میں خطوط، رسیدیں اور درخواستیں وغیرہ شامل ہیں۔

۵۔ بچہ کمرۂ جماعت کے لیے چاٹ تیار کر سکے اور تختۂ تحریر پر لکھ سکے۔

۶۔ بچہ تخلیقی انشا مثلاً کہانی، واقعہ نگاری، روداد نویسی، مضمون نویسی، خاکہ نگاری مکالمہ نویسی جیسی اصناف کے اساسی اصولوں سے آگاہ ہو جائے اور خود سے ان میں طبع آزمائی کر سکے۔

۷۔ بچہ منتخب اشعار کی بیاض تیار کر سکے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۴۵۔

آدابِ معاشرت سے آگہی:

جیسا کہ گزشتہ موضوعات میں بھی سفارش کی گئی کہ اردو نصاب کے ذریعے جہاں لسانی مہارتوں پر توجہ دی جاتی ہے وہیں تدریس زبان کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے بچوں کو مطلوبہ آدابِ معاشرت سے آگاہ بھی کیا جائے۔

چنانچہ پانچویں جماعت میں اردو نصاب پڑھ لینے والے طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔ وہ سادہ طرزِ زندگی کو پسند کرنے لگیں۔

۲۔ انہیں صفائی ستھرائی سے فطری لگاؤ ہو جائے۔

۳۔ انہیں فکری طور پر ادراک ہو جائے کہ وہ پاکستانی ہیں اور پاکستانی ہونے کا کیا مطلب ہے۔یعنی بچے نظریۂ پاکستان کی بنیادوں سے آشنا ہو جائیں۔

۴۔ بچے ایک دوسرے کی مدد پر آمادہ ہوں اور انہیں باہمی تعاون کی عادت پڑ جائے۔

۵۔ بچے بنیادی قوانین سے آگاہ ہوں اور ان قوانین کی پاسداری کریں۔

۶۔ بچے مساوات کو پسند کریں اور طبقاتی تقسیم کی حوصلہ شکنی کریں۔

سبق نمبر: ۲۵

اردو نصاب کے اہداف چھٹی سے آٹھویں جماعتوں کے لیے

جماعت پنجم تک طلبا بنیادی لسانی مہارتوں میں اساسی نوعیت کی مہارت حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ بعد کے مراحل میں انہیں لسانی مہاروں میں مزید بہتری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی جماعتوں میں اہداف اور مقاصد کا سانچہ کسی حد تک بدل جاتا ہے جس کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۴۶۔

عمومی مقاصد:

چھٹی سے آٹھوی جماعت کے لیے اردو نصاب ترتیب دیتے وقت درج ذیل عمومی مقاصد مدِ نظر رکھے جاتے ہیں۔

۱۔ ایسے اقدامات کیے جائیں کہ پانچویں جماعت تک حاصل شدہ اہداف میں مجموعی طور پر مزید بہتری لائی جا سکے۔

۲۔ بنیادی لسانی مہارتوں کو مزید نکھارا جائے۔

۴۔ طلبا میں غور و فکر کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کیا جائے۔

۴۔ بچوں میں غیر نصابی مطالعہ کا شوق پیدا کیا جائے۔

۵۔ بچوں میں اس حقیقت کا شعور پیدا ہو کہ مطالعاتی اسباق دراصل عملی زندگی میں فوائد کے لیے ہوتے ہیں چنانچہ بچوں میں مطالعہ سے حاصل ہونے والے اسباق کو عملی زندگی میں بروئے کار لانے کا شوق پیدا ہو۔

۶۔ اظہارِ خیال کے حوالے سے طلبا کی تحریری و تقریری صلاحیتوں کی مزید تربیت ہو۔

۷۔ لسانی مہارتوں کے لیے بچوں کو نہ صرف صرف و نحو کی اہمیت کا احساس پیدا ہو بلکہ وہ ابتدائی صرف و نحو پر عبور بھی حاصل کر لیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۴۷۔

تفہیمِ نثر:

بنیادی لسانی مہارتوں میں ابتدائی قدرت حاصل کر لینے کے بعد چھٹی سے آٹھویں جماعت کے طلبا کو اختصاصی مہارتوں کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اسی لیے ہر جہت پر الگ الگ توجہ دی جانی چاہیے۔ چنانچہ اس سطح پر تفہیمِ نثر کے حوالے سے توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔ طلبا طویل اسباق کو روانی سے پڑھ سکیں۔ کیونکہ اگر ان کے لیے رواں قرات ہی ایک مسئلہ بن گئی تو تفہیم یعنی سمجھنے کی توقع بیکار ہے۔ اسی

لیےقرات کی مہارت میں طلبا کواس حدتاک ہوجانا چاہیے کہ طویل اسباق کو پڑھتے وقت انہیں تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا احساس نہ ہو۔

۲۔طلبا کو خاموش مطالعہ پر قدرت حاصل ہوجائے۔کیونکہ خاموش مطالعہ پر قدرت کے بغیر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ طالبعلم کو پڑھنے پر مکمل ارتکاز حاصل ہوگیا ہے۔

۳۔طلبا سبق پڑھ کر مجموعی معنی کی کشید پر قادر ہوجائیں۔یعنی انہیں سبق کے مجموعی ماحصل کی سمجھ آجائے۔

۴۔مجموعی تفہیم کے بعد جزوی تفہیم کا مرحلہ آتا ہے۔یعنی طلبا اس قابل ہوجائیں کہ انہیں سبق میں شامل مختلف عبارتوں کی الگ الگ تفہیم کرنے پر بھی عبور حاصل ہو۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رکھنے کا ہے کہ پہلے بچہ مجموعی تفہیم سیکھتا ہے۔بعد میں الگ الگ اجزا کی تفہیم کرائی جاتی ہے۔اجزا کی انفرادی تفہیم پہلے کروادینے کے نتیجے میں بچہ الجھاؤ کا شکار ہوسکتا ہے۔اس لیے سفارش کی جاتی ہیے کہ نثری اسباق پڑھاتے وقت اساتذہ کو چاہیے کہ پہلے سبق کامختصر خلاصہ بتا کراس کے مجموعی معنی بتاد
یں۔اسی طرح چھٹی سے آٹھویں جماعت کے طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ سبق کی قرات کے بعد مجموعی اور پھر عبارتی تفہیم پر قادر ہو جائیں۔

۵۔عبارتوں کی تفہیم کے بعد طلبا کو اس سطح پر اس قابل بھی ہونا چاہئے کہ وہ عبارتوں کی توضیح وتشریح کر سکیں۔گزشتہ جماعتوں تک محض سمجھ لینا کافی تھا لیکن اس سطح پر تفہیمی مہارت میں مزید ترقی کے لیے ضروری ہے کہ طلبا وضاحتی تشریحات بھی کریں۔

٦۔تشریح کی مہارت کی طرح تلخیص نگاری بھی ایک مہارت ہے۔چنانچہ اس سطح پر طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ تشریح کے علاوہ مختصر لکھنا بھی سیکھ لیں۔اسی لیے اس سطح پر تشریح کے ساتھ ساتھ بچوں سے اسباق کا خلاصہ بھی لکھوایا جاتا ہے۔چنانچہ بچوں کو سبق کا خلاصہ لکھنے کی مہارت بھی ہونی چاہیے۔

۷۔طلبا کو مختلف اصناف میں امتیاز کا ہنر ہونا چاہیے۔یعنی افسانوی اور غیر افسانوی نثر کی درجہ بندی کے ساتھ ساتھ بچوں کو یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ اس اساسی درجہ بندی کی ذیل میں کونسی اصناف آتی ہیں۔نیز بچہ ان اصناف کو پڑھ کر ان کی شناخت بھی کر سکے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۴۸۔

تفہیمِ شعر:

جیسا کہ گزشتہ عنوان میں سفارش کی گئی کہ چھٹی سے آٹھویں جماعت میں لسانی مہارتوں میں ابتدائی عبور کے بعد اختصاصی مہارتوں پر توجہ دی جاتی ہے،اس حوالے سے نثری تفہیم کے بعد اب شعری تفہیم پر بات ہوگی۔

شعری تفہیم کے سلسلہ میں چھٹی سے آٹھویں جماعت میں توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔طلبا شاعری کو اس کے لوازمات کے مطابق پڑھنے پر قادر ہوجائیں۔

۲۔علمِ بیان کے بنیادی اجزا یعنی تشبیہ اور استعارہ سے آگہی حاصل کرلیں۔کیونکہ ان کے بغیر شعری تفہیم کا تصور محال ہے۔

۳۔طلبا نظم کے مجموعی تاثر سے آگہی پر قادر ہوجائیں۔

۴۔طلبا نظم کے اشعار کی جداگانہ سادہ تشریح کرنا سیکھ لیں۔ یہاں بھی گزشتہ عنوان میں بیان کردہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ پہلے مجموعی تفہیم ہوگی بعدازاں اجزا کی تفہیم وتشریح کا مرحلہ ہوگا۔

۵۔طلبا کو بنیادی شعری اصطلاحات مثلاً مطلع، مقطع، ردیف، قافیہ اور تخلص وغیرہ کے معنی معلوم ہوں۔

۶۔طلبا نظم کا مرکزی خیال لکھ سکیں۔

۷۔طلبا کو عمومی طور پر شاعری سے رغبت پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اس عمر میں تشکیل پانے والی پسند نہ پسند بعدازاں قائم رہتی ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۴۹۔

قواعدِ زبان سے آگہی اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ:

قواعدِ زبان اور ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے چھٹی سے آٹھویں جماعت میں توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔طلبا علمِ صرف کے بنیادی مباحث سے آگاہ ہو اور انہیں مفرد اور مرکب الفاظ کی نوعیت اور ساخت کا علم ہو۔

۲۔طلبا اسم، فعل اور حرف سے آگہی رکھتے ہوں اور انہیں کلمہ کی ان مختلف صورتوں کی ذیلی اقسام کا علم ہو۔

۳۔طلبا کو لغت بینی کا شوق ہو کیونکہ یہی شوق ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کا بہترین ذریعہ ہے۔

۴۔طلبا مختلف الفاظ، محاورات اور تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کرنے کا فن جانتے ہوں۔

۵۔طلبا میں تحصیلِ زبان کا شوق پیدا ہو کیونکہ یہی شوق انہیں لسانی حوالے سے مضبوط تر کر سکتا ہے۔

۶۔طلبا کو یہ احساس ہو جائے کہ درست اردو لکھنا اور بولنا ان کی شخصیت کو نکھار کر پیش کرتا ہے۔ایسی صورت میں تحصیلِ زبانِ اردو کا شوق از خود جِلا پا جائے گا۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۰۔

انشا کی مہارت:

نظم ونثر کی تفہیمی صلاحیت اور قواعدِ زبان پر مطلوبہ مہارت حاصل کر لینے کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ چھٹی سے آٹھویں جماعت کے طلبا انشائی صلاحیتوں کے حامل بھی ہوں۔ چنانچہ اس سطح پر توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔عملی تحریروں کے حوالے سے طلبا خط، درخواست اور رسید لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

۲۔طلبا کو مضمون نویسی کے بنیادی اصولوں سے آگہی ہو اور وہ کم ازکم ڈیڑھ سو سے اڑھائی سو الفاظ کی طوالت کا مضمون لکھنے پر قدرت رکھتے ہوں۔

۳۔طلبا مکالمہ نویسی کے اصولوں سے آشنا ہوں اور تقریباً بیس سے پچیس مکالمات پر مبنی کوئی مکالمہ تحریر کر سکتے ہوں۔

۴۔طلبا کو روداد نویسی اور آپ بیتی کے ضوابط سے آشنائی ہو اور وہ کسی شے کی سادہ سی آپ بیتی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ کسی تقریب یا سفر کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کر سکیں۔

۵۔طلبا کو کہانی نویسی سے دلچسپی ہو اور وہ اخلاقی کہانیوں کے ساتھ ساتھ تخلیقی کہانیاں لکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۱۔

ذہنی وفکری تربیت:

چھٹی سے آٹھویں جماعت کے طلبا کے لیے اردو نصاب ترتیب دیتے وقت اس ہدف کو خاصی اہمیت دی جانی چاہئے۔ یہ درست ہے کہ اردو نصاب کا ایک اہم ترین مقصد تحصیلِ زبان ہے لیکن اس سطح پر بچوں کی ذہنی اور فکری تربیت بھی نا قابلِ فراموش ہے۔ یہی وہ عمر ہے جس میں فروغ پانے والے رویے، رجحانات، افکار اور مزاج بعد ازاں تمام عمر ہماری شخصیت کا حصہ رہتے ہیں۔ چنانچہ چھٹی سے آٹھویں جماعت کی سطح پر توقع کی جاتی ہے کہ:

۱۔نصاب میں ایسے اسباق شامل ہوں جن سے بچوں کو سوچنے اور غور کرنے کی عادت پڑے۔ یہی اس سطح پر نصاب کا ایک بڑا ہدف ہے۔ اگر اس سطح پر بچہ غور وفکر پر قادر ہو جائے گا تو آئندہ اسے مختلف مسائل کی طے تک پہنچنے میں دشواری نہیں ہوگی۔

۲۔طلبا محض غور وفکر کے عادی نہ ہوں، انہیں، اپنے مسائل خود حل کرنے کی عادت بھی ہو۔

۳۔بچوں میں قومی شعور پیدا ہوا اور وہ اپنے قومی تشخص پر فخر کریں۔

۴۔طلبا مشاہیرِ تاریخِ اسلام سے تعارفی آگہی رکھتے ہوں اور انہی کو اپنا آئیڈیل تصور کریں۔

۵۔طلبا کو اپنی ثقافتی روایات سے آشنائی حاصل ہو اور وہ اپنے تہواروں کو منانے کا درست سلیقہ جانتے ہوں۔

۶۔طلبا باہمی تعاون پر یقین رکھتے ہوں اور امتیازات کے قائل نہ ہوں۔

۷۔طلبا نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر شرکت کا شوق رکھیں۔ یہی صحت مند سرگرمیاں صحت مند شخصیت کی ضامن ہوتی ہیں۔

سبق نمبر:۲۶
سبق کی تیاری

''سبق کی تیاری سے مراد ذہنی ترتیب وتنظیم کی وہ تحریری صورت ہے جس کی روشنی میں تدریسی عمل تشکیل پاتا ہے۔''

دراصل ہم پڑھانے سے قبل بہت کچھ طے کرتے ہیں کہ ہم یوں پڑھائیں گے، تدریسی عمل میں فلاں مثالیں دیں گے، تفہیمی عمل کو بہتر بنانے کے لیے فلاں فلاں سرگرمی ہوگی، لیکن سب کچھ غیر تحریری ہونے کی صورت میں ہم وقت آنے پر بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ نتیجتاً تدریسی عمل متاثر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ سفارش یہی کی جاتی ہے کہ کسی بھی سبق کی تدریس سے قبل اس کی ترتیب وتنظیم کی خاطر تمام متوقع سرگرمیاں اور اقدامات ضابطہ تحریر میں لائے جائیں۔ اس عمل کو''سبق کی تیاری'' کہتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۲۔

۱۔ سبق کی تیاری کی اہمیت:

سبق کی تیاری کی اہمیت درج ذیل نکات کی صورت میں واضح ہوجاتی ہے:

۱۔ سبق کی تیاری معیاری طور پر کی جائے تو معلم کبھی بھی تدریس کے عمومی اور خصوصی مقاصد کو فراموش نہیں کرتا جس کے نتیجے میں کہا جاسکتا ہے کہ سبق کی تیاری مقاصدِ تدریس کے حصول کا پہلا زینہ ہے۔

۲۔ معلم جب سب کچھ طے کر کے جماعتی کمرے میں داخل ہوتا ہے تو منطقی طور پر اس کی تدریس زیادہ پر اثر ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اسے کسی مرحلہ پر یہ نہیں سوچنا پڑتا کہ کہیں وہ کچھ بھول تو نہیں گیا یا اس کے بعد اسے کیا کرنا ہے۔ سب کچھ تحریری صورت میں موجود ہونے کے باعث وہ مکمل توجہ سے پڑھاتا ہے۔ اسی لیے سبق کی تیاری تدریسی عمل کو زیادہ پر تاثیر کردیتی ہے۔

۳۔ تدریسی عمل میں ایک خاص ترتیب آجاتی ہے کیونکہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے نتیجے میں ہوتا ہے۔

۴۔ چونکہ معلم تمام تر تیاری کے بعد طلبا کے سامنے آتا ہے اس لیے وہ زیادہ پر اعتماد ہوتا ہے۔ یہ اعتماد اس کے تدریسی عمل کو مزید متاثر کن بنا دیتا ہے۔

۵۔ چونکہ تدریسی عمل ترتیب سے وقوع پذیر ہوتا ہے اس لیے طلبا کو سیکھنے کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔ گویا معلم کی طرف سے ہونے والی سبقی تیاری، نہ صرف اس کے تدریسی عمل کو معیاری بناتی ہے بلکہ اس کے نتیجے میں طلبا کے لیے سیکھنا زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔

۶۔ سبق کی تیاری سے تمام تدریسی سرگرمیوں کو متناسب وقت ملتا ہے۔ بصورتِ دیگر معلم بسا اوقات وقت گزارنے کے لیے کچھ سرگرمیوں

پر زیادہ وقت صرف کرتا ہے اور کچھ سرگرمیاں نتیجتاً ہو ہی نہیں پاتیں۔

۷۔ سبق کی تیاری کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں تدریسی عمل طلبا کی ذہنی سطح کے زیادہ مطابق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معلم روز کی تدریس کے بعد جب کسی خاص سبق کی تیاری کرنے لگتا ہے تو وہ اپنے طلبا کی ذہنی سطح کی مطابقت سے مثالوں اور سرگرمیوں کا تعین کرتا ہے۔

۸۔ سبق کی تیاری کا ایک فائدہ یہ ہے کہ معلم بار بار ایک سے اسباق پڑھا کر جان لیتا ہے کہ کون سی سرگرمیاں تدریسی عمل کو متاثر کر رہی ہیں اور کون سی سرگرمیوں کے نتیجے میں تدریسی عمل زیادہ متاثر کن ہو رہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے تجربے کی روشنی میں نئی سرگرمیاں ترتیب دے سکتا ہے اور مستعمل سرگرمیوں اور تدابیر کو بدل سکتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۵۳۔

سبق کی تیاری کے عمومی اصول:

سبق کی تیاری کے لیے چند بنیادی اصول وضوابط کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ اصول وضوابط درج ذیل ہیں۔ ان کی پاسداری کر کے ہی ہم سبقی تیاری کے حوالے سے ایک مکمل خاکہ ترتیب دے سکتے ہیں:

۱۔ معلم واضح طور پر زیرِ تدریس سبق کے خصوصی مقاصد کا تعین کرے تا کہ سبق پڑھا لینے کے بعد آزمایا جا سکے کہ متعینہ مقاصد پورے ہو سکے یا نہیں۔

۲۔ سبق کی تیاری کے خاکہ میں ان تمام تدابیر اور سرگرمیوں کو ترتیب سے درج کیا جائے تا کہ اسی ترتیب کو بعد ازاں جماعتی کمرے میں دورانِ تدریس ادا کیا جا سکے۔

۳۔ معلم کو چاہیے کہ سبقی تیاری کے خاکہ میں اس تمام مواد کا اندراج کرے جو دورانِ تدریس استعمال ہوگا۔ اس مواد میں متوقع معاونات اور مثالیں شامل ہیں۔ ایسا کرنے سے معلم کو پہلے سے معلوم ہو جائے گا کہ کون سا مواد جماعت میں پیش کیا جا سکتا ہے اور کون سا مواد مفید ہونے کے باوجود جماعتی کمرے میں موثر طور پر استعمال نہیں ہو سکتا۔ ایسے مواد کی اہمیت کی روشنی میں جماعتی کمرے سے باہر بھی تدابیر اور سرگرمیاں ترتیب دی جا سکتی ہیں۔

۴۔ کسی بھی تعلیمی سطح پر کوئی بھی سبق ایک نشست میں نہیں پڑھایا جا سکتا۔ ایسا کرنے کی صورت میں یقیناً تفہیمی عمل متاثر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سفارش کی جاتی ہے کہ سبق کو مختصر ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے اور اس تقسیم کا اندراج سبقی تیاری کے خاکہ میں کیا جائے۔

۵۔ سبقی تیاری کے خاکہ میں یہ طے کرنا از حد ضروری ہے کہ معلم تدریسی عمل میں طلبا کی شرکت کو کس طرح یقینی بنائے گا۔ یعنی تدریسی عمل میں کس کس مرحلہ پر طلبا کو شریکِ عمل کیا جائے گا۔ دراصل ہمیں یہ امر ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ صرف معلم کی وضاحتیں اور خطاب تفہیمی عمل مکمل نہیں کر سکتا۔ وہی تدریس کامیاب کہلاتی ہے جس میں طلبا کو زیادہ سے زیادہ شرکت کا موقع ملے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ سبقی تیاری کا خاکہ اس امر کو واضح کرے کہ طلبا کی شرکت کہاں کہاں ہوگی۔

۶۔سبقی تیاری کے خاکہ میں ان سرگرمیوں اور کلمات کا اندراج ضروری ہے جن کے ذریعے طلبا کی آمادگی اور دلچسپی کو یقینی بنایا جائے گا۔ آمادگی اور دلچسپی پیدا کیے بغیر تدریسی عمل کی کامیابی کا تصور ممکن نہیں۔

۷۔سبق کو زندگی عین مطابق یا قریب تر دکھانا نہائت ضروری ہے۔ کیونکہ ہم جو کچھ بھی پڑھاتے ہیں، اس کا اہم ترین مقصد انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر کرنا ہے۔اس لیے سبقی تیاری کے خاکہ میں ایسی مثالیں جمع کرنی چاہییں جن سے سبق کے افادی پہلو واضح ہو سکیں۔

۸۔معلم کو سبقی خاکہ میں ان سرگرمیون کا ذکر بھی کرنا چاہیے جن کے ذریعے سے طلبا کی انفرادی تربیت کو یقینی بنایا جائے گا۔

9۔اسی طرح ان سرگرمیوں کی وضاحت بھی ضروری ہے جن سے مستقبل کے ان معماروں کو موثر اجتماعی زندگی کا درس دیا جائے گا۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۴۔

ہربرٹ کے تدریسی اقدامات:

معروف ماہرِ تعلیم ہربرٹ سپینسر نے کامیاب تدریسی عمل کے لیے پانچ تدریسی اقدامات کی وضاحت کی ہے۔ان اقدامات میں تیاری، پیش کش، توضیح و تشریح، عمومیت یا تعمیم اور اطلاق و اعادہ شامل ہیں۔سبقی تیاری کا خاکہ ترتیب دیتے وقت ان اقدامات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ان کی بدولت ہم تدریسی عمل کو جامع بنا سکتے ہیں۔

ا۔تیاری:

یہاں تیاری سے مراد وہ مرحلہ ہے جس میں معلم تدریسی عمل شروع کرتا ہے اور طلبا کو ذہنی طور پر اپنے مطلوبہ موضوع کی طرف لاتا ہے۔گویا طلبا کو پڑھنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر سب سے پہلے معلم چند تمہیدی کلمات کا سہارا لیتا ہے۔ظاہر ہے معلم جماعتی کمرے میں آتے ہی تدریس شروع نہیں کرتا۔ کہیں نہ کہیں سے گفتگو کا آغاز کیا جاتا ہے۔ یہ ابتدائیہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اگر شروع میں بچے مکمل طور پر استاد کی طرف متوجہ ہو جائیں تو تدریسی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔چنانچہ سبقی خاکہ تیار کرتے وقت طے کر لینا چاہیے کہ تمہیدی کلمات کس نوع کے ہوں گے۔

تمہیدی کلمات کے بعد معلم کو طلبا سے چند متعلقہ سوالات کرنے چاہییں۔اس عمل سے ایک تو معلم بچوں کی سابقہ معلومات کی پیمائش کر پائے گا اور دوسری طرف تدریسی عمل میں طلبا کی شرکت انہیں معلم کی طرف متوجہ رکھے گی۔

ابتدائی سوالات کے بعد باقاعدہ اعلانِ سبق کیا جاتا ہے۔یعنی بتایا جاتا ہے کہ ہم کیا پڑھنے جا رہے ہیں۔بہتر ہے کہ معلم زبانی اعلان کے ساتھ ساتھ سبق کا عنوان تختۂ تحریر پر بھی لکھ دے تاکہ طلبا اسے نوٹ کر لیں۔

۲۔پیشکش:

بچوں کو ذہنی طور پر سبق پڑھنے کے لیے تیار کر لینے کے بعد باقاعدہ تدریس کا مرحلہ آتا ہے۔سبق کی باقاعدہ تدریس کے اس مرحلہ کو ہربرٹ سپینسر پیشکش کا نام دیتا ہے۔

اس مرحلہ کا آغاز بقول سپینسر سرسری تعارف سے ہونا چاہیے۔یعنی معلم سبق کا مجموعی تعارف کروادے یا سبق کے مجموعی تاثر سے بچوں کو

آگاہ کردے۔ کہانی وغیرہ ہونے کی صورت میں سبق کا انتہائی مختصر تعارفی خلاصہ بھی بتایا جاسکتا ہے۔ البتہ ایسی صورت میں کہانی کا اختتامیہ نہیں بتانا چاہیے تاکہ بچوں کی دلچسپی قائم رہے۔

سرسری تعارف کے بعد سبق کی تقسیم کا مرحلہ آتا ہے۔ یعنی سبق کو مختصر ٹکڑوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ عنوان میں سفارش کی گئی کہ سبق کو یکا یک مکمل نہیں کر دینا چاہیے۔ اسے مختصر ٹکڑوں میں تقسیم کر کے پڑھانا چاہیے۔

۳۔ توضیح وتشریح:

پیشکش کے بعد ہربرٹ توضیح وتشریح کی بات کرتا ہے۔ گویا مرحلہ وار سرسری مطالعہ سے گہرے مطالعہ کی طرف بڑھا جاتا ہے۔

اس مرحلہ میں پہلے زبانی وضاحت کی جاتی ہے۔ یعنی نثر پارہ ہو یا نظم، پہلے معلم زبانی تشریح کرتا ہے اور بعد میں معاونات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

زبانی وضاحت کے بعد معاونات کے استعمال کا مرحلہ اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ بچے وہ باتیں جو زبانی وضاحت میں نہیں سمجھ پاتے، تدریسی معاونات کے ذریعے سمجھ جاتے ہیں۔

اسی لیے سبقی خاکہ میں توقع کی جاتی ہے کہ معلم سبقی تدریس میں متوقع معاونات کا تعین کرلے۔

معاونات کے ذریعے وضاحت کے بعد بقول سپینسر معلم کو جزوی اعادہ کرنا چاہیے۔ یعنی دورانِ تدریس فوری سوالات کیے جانے چاہییں تاکہ معلوم ہوجائے کہ طلبا معلم کی بات سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔

۴۔ عمومیت یا تعمیم:

وضاحتی مرحلہ کے بعد ہربرٹ عمومیت یا تعمیم کی بات کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وضاحتی عمل کے بعد کلیہ وضع کیا جائے۔ اس مرحلہ کا اطلاق تدریس زبان میں قواعد پڑھاتے وقت بہتر طور پر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ کسی سبق سے حاصل ہونے والے درس کے حوالے سے بھی کلیہ وضع کیا جاسکتا ہے۔ کلیہ کی تشکیل کے بعد متعلقہ مثالیں دی جاتی ہیں۔ چنانچہ سبقی خاکہ میں کلیہ کی تشکیل اور متعلقہ مثالیں درج ہونی چاہییں۔

۵۔ اطلاق واعادہ:

تدریسی عمل مکمل ہوجانے کے بعد سپینسر اطلاق واعادہ کی بات کرتا ہے۔

اطلاق کا مطلب یہ ہے کہ پڑھائے گئے سبق کو زندگی سے جوڑ کر اس کی افادی حیثیت کو واضح کیا جائے۔ جبکہ اعادہ کے ذریعے دیکھا جاتا ہے کہ طلبا کو کس حد تک سبق کی تفہیم ہوسکی ہے۔

ہربرٹ سپینسر کے ان بیان کردہ تدریسی اقدامات کو سبقی خاکوں کی تیاری کے دوران مدِنظر رکھنا افادیت کا حامل ہے کیونکہ خاکہ کو بہرحال اقدامات کے عین مطابق ہونا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۵۵۔

وقوفی یا معلوماتی اسباق کی تیاری:

نوعیت کے اعتبار سے اسباق کی تین اقسام ہیں۔ اول: وقوفی یا معلوماتی اسباق، دوم: ذوقی یا استحسانی اسباق، سوم: مہارتی یا مشقی اسباق۔

سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ وقوفی یا معلوماتی اسباق کن اسباق کو کہا جاتا ہے۔

''اردو میں ہجوں، الفاظ عبارتوں اور قواعد کا علم دینے والے اسباق کو وقوفی یا معلوماتی اسباق کہتے ہے۔''

گو یا وہ اسباق جن کے ذریعے زبان کے قواعد اور حروفِ تہجی یا الفاظ سازی جیسے بنیادی امور کی تدریس کی جاتی ہے، وقوفی یا معلوماتی اسباق کی ذیل میں آتے ہیں۔ ایسے اسباق کی تیاری میں درج ذیل مراحل اور نکات کو مدِ نظر رکھا جانا چاہیے:

ا۔ پیشگی تیاری:

پیشگی تیاری سے مراد سبق پڑھانے سے قبل تمہیدی کلمات اور سبق کی تدریس شروع کرنے کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ پر معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ سبقی خاکہ میں:

(الف) سبق کے عمومی وخصوصی مقاصد کا تعین کرے تا کہ اسے معلوم ہو کہ تدریس کے بعد وہ بچوں میں کن مہارتوں اور معلومات کا حصول چاہتا ہے۔

(ب) سبق کے اہم نکات کو ترتیب دے تا کہ تدریسی عمل عدم توازن کا شکار نہ ہو۔

(ج) سبق شروع کروانے سے پہلے موضوع کے حوالے سے بچوں کی سابقہ معلومات جاننے کے لیے مختصر سوالات ترتیب دے تا کہ با قاعدہ گفتگو بچوں کی معلومات کے عین مطابق شروع کی جا سکے۔

(د) یہاں سبق کی نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اہم الفاظ اور ان کے مصدقہ معنی کی فہرست بھی تیار کی جاسکتی ہے۔ یوں سبق کی تدریس موثر ہو سکے گی۔

۲۔ پیش کش:

سبقی خاکہ کی تیاری کے دوسرے مرحلہ میں با قاعدہ سبق کی تدریس کے حوالے سے تیاری کی جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر معلم سبقی خاکہ میں درج کرتا ہے کہ:

(الف) طلبا کی دلچسپی حاصل کرنے کے لیے کس طرح کا انداز اختیار کرے گا۔ اعلانِ سبق یا سبق کے تعارف کے لیے اس مرحلہ پر سبقی خاکہ میں ابتدائی کلمات لکھے جاسکتے ہیں۔

(ب) چونکہ وقوفی یا معلوماتی اسباق کا تعلق زبان کے بنیادی اور قواعدی امور سے ہے اس لیے بات سمجھاتے وقت طلبا کی زیادہ سے زیادہ شمولیت ضروری ہے تا کہ وہ عدم سرگرمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ سبقی خاکہ میں طلبا کی شمولیت کے لیے اس سطح پر مختصر سوالات یا سبق کی مناسبت سے سرگرمیاں ترتیب دی جاسکتی ہیں۔ سوالات ہونے کی صورت میں بہتر ہو گا کہ چند مثالی سوالات سبقی خاکہ میں لکھ لیے

جائیں۔

(ج) تدریسی عمل میں معاونات کی افادیت کے پیشِ نظران کا موثر استعمال کیا جانا چاہیے۔اپنی بات کی وضاحت کے لیے معلم پیش کش کے اس مرحلہ پر تدریسی معاونات کا استعمال کرتا ہے۔سبقی خاکہ میں ضروری ہے کہ ان معاونات کی فہرست سازی کر لی جائے اور طے کر لیا جائے کہ کب کس معاونت کا استعمال ہو گا۔

۳۔عمومیت یا تعیم:

پیشکش کے مرحلہ میں سبقی وضاحت کے بعد تعمیمی مرحلہ پر بات کو اصول یا ضابطے کا رنگ دیا جاتا ہے۔چنانچہ سبقی خاکہ میں:

(الف) معلم سبق کے حوالے سے کلیہ وضع کرتا ہے۔مثلاً اردو میں واحد جمع یا مذکر مونث کس طرح بنتے ہیں وغیرہ۔

(ب) کلیہ وضع کر لینے کے ساتھ ساتھ سبقی خاکہ میں متعلقہ مثالوں کا اندراج کیا جاتا ہے۔

۴۔اعادہ:

سبقی خاکہ کے آخر میں طے کیا جاتا ہے کہ تدریسی عمل کے بعد بچوں کے تفہیمی عمل کے جائزہ اور پیمائش کے لیے کن مشقی سرگرمیوں کا سہارا لیا جائے گا۔اعادہ دو طرح کا ہو سکتا ہے۔

(الف) معلم جزوی اعادہ کے لیے مشق یا سرگرمی کا تعین کرے گا۔

(ب) اسی طرح کلی اعادہ کا طریقہ وضع کیا جائے گا۔

یوں وقوفی یا معلوماتی سبق کی تیاری کا خاکہ مکمل ہو جائے گا۔

ذیلی موضوع نمبر ۱۵۶۔

ذوقی یا استحسانی اسباق کی تیاری:

''ذوقی یا استحسانی اسباق سے مراد وہ اسباق ہیں جن کے ذریعے بچوں میں نظم ونثر کا ذوق وشوق پیدا کیا جاتا ہے۔''

گو یا وہ اسباق جن میں نظم ونثر پڑھائے جاتے ہیں۔ان اسباق کا ایک مقصد تو بچوں کو اردو ادب سے آشنا کرنا اوران میں ادب کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنا ہے دوسرا انہی اسباق کے ذریعے بچوں کو مختلف نوعیت کی معلومات بھی مہیا کی جاتی ہیں۔ ذیل میں ان اسباق کے لیے سبقی خاکہ کی تیاری کے مراحل پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔پیشگی تیاری:

یہ سبقی خاکہ کا مرحلہ اول ہے،۔یہاں باقاعدہ سبق کی تدریس شروع نہیں ہوتی۔البتہ سبق پڑھانے کے لیے فضا ہموار کی جاتی ہے۔اس مرحلہ کی تیاری کے لیے ضروری ہے کہ سبقی خاکہ میں:

(الف) وضع کیا جائے کہ زیرِ تدریس سبق کے خصوصی مقاصد کیا ہیں۔مقاصد وضع کر لینے سے معلم اپنے اصل ہدف سے نہیں ہٹتا۔

(ب) سبق کی تدریس شروع کروانے سے قبل معلم کو موضوع کے حوالے سے بچوں کی سابقہ معلومات کا علم بھی ہونا چاہیے۔اس مقصد کے

حصول کے لیے معلم سبقی خاکہ میں موضوع کے حوالے سے چند مختصر سوالات ترتیب دے سکتا ہے۔

(ج) اسی مرحلہ پر سبق میں شامل چند مشکل الفاظ کی وضاحت بھی کی جاسکتی ہے۔ سبقی خاکہ میں یہ الفاظ اور ان کے معنی درج کر لینے چاہیے تاکہ بعد ازاں تدریسی عمل متاثر نہ ہو۔ الفاظ۔ معنی پیشگی تیاری کی بجائے پیش کش کے مرحلہ میں سبقی وضاحت کے وقت بھی بتائے جاسکتے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سبقی خاکہ میں ان کا اندراج ضروری ہے۔

۲۔ پیشکش:

پیشگی تیاری کے بعد پیش کش کے مرحلہ میں سبقی خاکہ میں ان امور اور اقدامات کا اندراج کیا جاتا ہے جو ذوقی یا استحسانی سبق کی باقاعدہ تدریس میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ان کا اجمال درج ذیل ہے:

(الف) سبقی خاکہ میں سبق کی تدریس کے حوالے سے تمہیدی کلمات کا ہونا ضروری ہے۔ یا کم از کم چند نکات ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔ سبق کے لیے باندھی جانے والی تمہید اور سبق کے تعارفی کلمات سبقی خاکہ میں اس لیے ہونے چاہییں کہ اس مرحلہ پر معلم کا انداز نہائت دلچسپ اور پُر تاثیر ہونا چاہیے کیونکہ آغاز میں ہی اگر طلبا کی دلچسپی قائم نہ ہوسکی تو تدریسی عمل متاثر ہوجائے گا۔

(ب) سبقی خاکہ میں سبق کی تقسیم بھی نہائت اہمیت کی حامل ہے۔ نثری سبق ہونے کی صورت میں سبق کو طوالت یا موضوعی حوالے سے تقسیم کیا جاسکتا ہے جبکہ نظموں کو اشعار یا بندوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(ج) سبقی خاکہ ہی میں یہ وضاحت بھی کی جاتی ہے کہ قرات کے مرحلہ میں معلم پہلے قرات کرے گا یا طلبا۔ جماعت اول اور دوم میں معلم اور طلبا مل کر بھی سبق کی قرات کرتے ہیں اور بعد کی جماعتوں میں معلم، سبق کی نوعیت کے پیشِ نظر کبھی خود پہلے سبق کی قرات کرتا ہے اور کبھی بچوں سے پہلے پڑھاتا ہے۔

(د) قرات کے بعد سبقی ٹکڑوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔ وضاحتی مرحلہ میں پیش کی جانے والی مثالوں کو سبقی خاکہ میں درج کیا جانا چاہیے۔

(ہ) اس مرحلہ پر طلبا کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے طلبا سے سبق کے حوالے سے مختصر سوالات کیے جاسکتے ہیں۔ ان سوالات یا سرگرمیوں کو سبقی خاکہ میں درج ہونا چاہیے۔

۳۔ مشق واعادہ:

سبق کی پیشکش کے بعد طلبا کی آزمائش اور مشق واعادہ کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:

(الف) سبقی خاکہ میں درج کیا جائے کہ پڑھائے گئے سبق کے زبانی اعادہ کرنے کے لیے معلم کیا طریقہ اختیار کرے گا اور بچوں سے کون سے سوالات پوچھیں جائیں گے۔

(ب) سبقی خاکہ کے آخر میں تقابلی اعادہ کیا جاسکتا ہے تاکہ دیکھا جاسکے کہ کسی طالبعلم نے جماعت میں کیا پوزیشن حاصل کی۔ اس عمل سے معلم کی غیر جانبداری پر حرف بھی نہ آئے گا اور مقابلہ کی فضا کی وجہ سے طلبا سبق میں زیادہ دلچسپی بھی لیں گے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۷۔

مہارتی یا مشقی اسباق کی تیاری:

''وہ اسباق جن میں زبان دانی کی مشقوں کے ذریعے لسانی عادات سازی کی جاتی ہے، مہارتی و مشقی اسباق کہلاتے ہیں۔''

یہ وہ اسباق ہیں جن کے ذریعے ہم طلبا کو تقریری وتحریری حوالے سے اظہار پر قدرت دلاتے ہیں۔ گفتگو کا فن، بشمول تقریر ومباحثہ اور تحریری مہارتوں مثلاً مضمون نویسی، خطوط نویسی، درخواست نویسی، مکالمہ وکہانی نگاری وغیرہ مہارتی یا مشقی اسباق کی ذیل میں آتے ہیں۔
ان اسباق کی تدریس کے لیے سبقی خاکہ تیار کرتے وقت درج ذیل اموراور مراحل مدِ نظر رکھنے چاہییں:

۱۔پیشگی تیاری:

سبق کی باقاعدہ تدریس سے قبل طلبا پڑھائی کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے معلم جو ابتدائی اقدامات کرتا ہے، پیشگی تیاری کی ذیل میں آتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) سبقی خاکہ میں سب سے پہلے مقاصد کا تعین کیا جائے۔ مقاصد دو یا تین سے زائد نہیں ہونے چاہییں۔ بصورتِ دیگر مقاصد کی پیمائش مشکل ہوجاتی ہے۔

(ب) سبقی خاکہ میں ان الفاظ اور جملوں کا انتخاب کیا جائے جن میں معلم طلبا کو متعلقہ سبق کی اہمیت سے آگاہ کرے گا۔

(ج) طلبا کی شمولیت کو یقینی بنانے کے لیے اس مرحلہ پر طلبا سے سبق سے متعلق چند مختصر سوالات بھی کیے جاسکتے ہیں۔ ان سوالات کو سبقی خاکہ میں درج کرلینا چاہیے۔

۲۔پیشکش:

پیشگی تیاری کے بعد پیشکش کے مرحلہ میں معلم سبق کی باقاعدہ تدریس کرتا ہے۔ سبقی خاکہ میں اس مرحلہ کے حوالہ سے درج ذیل امور ہونا ضروری ہیں:

(الف) سبق کے باقاعدہ تعارف کے لیے چند الفاظ یا جملوں کا انتخاب کیا جائے۔

(ب) متعلقہ مہارت کی جامع تعریف سبقی خاکہ میں لکھی جائے۔ یہی تعریف بعدازاں طلبا کو لکھوائی جائے۔

(ج) متعلقہ مہارت کی زبانی وضاحت کے لیے اہم نکات سبقی خاکہ میں درج کیے جائیں۔

(د) زبانی وضاحت کے بعد عملی نمونہ دکھانے کے لیے مثال کا انتخاب کیا جائے۔ خط، مضمون، درخواست، مکالمہ یا کہانی ہونے کی صورت میں سبقی خاکہ کے ساتھ مذکورہ مثال نتھی کی جاسکتی ہے۔ جبکہ تقریر یا ڈراما وغیرہ کی صورت میں سمعی وبصری معاونات کا استعمال ہوگا۔ سبقی خاکہ میں ان کی وضاحت ہونی چاہیے۔

۳۔مشق واعادہ:

سبقی خاکہ میں درج کیا جائے کہ مشق و اعادہ کے لیے:

(الف) طلبا کی آزمائش کے لیے کون سی سرگرمیاں ہوں گی۔

(ب) معلم کی رہنمائی کس موقع پر اور کس قدر ہو گی۔

(ج) ڈراما یا تقریر و مباحثہ ہونے کی صورت میں نظم و ضبط کیسے قائم رکھا جائے گا۔

سبق نمبر: ۲۷
تعلیمی جائزہ اور پیمائش

تدریسی عمل کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ معلم کی تدریس کے بعد یہ بھی دیکھا جائے کہ جو کچھ معلم نے پڑھایا وہ متعلمین تک پہنچا کہ نہیں۔ نیز یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ نصابِ تعلیم کے طے شدہ مقاصد کس حد تک حاصل ہو پائے ہیں۔ ان عوامل کے پیشِ نظر تعلیمی جائزہ اور پیمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

''تعلیمی جائزہ سے مراد کمیتی اور کیفیتی دونوں حوالوں سے متعلمین کی کارکردگی جانچنے کا عمل ہے جبکہ پیمائش کا دائرہ کار محض کمیتی جانچ تک محدود ہے۔''

منقولہ تعریف سے ہمارے سامنے جائزہ اور پیمائش کے دو پہلو آتے ہیں:

کمیتی جانچ سے مراد عددی جانچ ہے۔ یعنی یہ دیکھنا کہ طالبعلم نے کس پرچہ میں کتنے نمبر حاصل کیے ہیں اور اس کے کل نمبر کتنے ہیں۔

کیفیتی جانچ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اپنے رویے، جماعت میں حاضری اور شخصیت کے اعتبار سے طالب علم کا کیا مقام ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۵۸۔

تعلیمی جائزہ اور پیمائش کی اہمیت:

تعلیمی جائزہ اور پیمائش کی اہمیت اس بنیادی حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ تعلیمی سفر اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ذیل میں اسی بنیاد پر مختلف نکات کی مدد سے تعلیمی جائزہ اور پیمائش کی اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے:

۱۔ تعلیمی جائزہ اور پیمائش کی بدولت طلبا اپنے مستقبل کے حوالے سے منصوبہ بندی کر پاتے ہیں۔ گویا ہم یہ جان پاتے ہیں کہ کونسا طالبعلم کس مضمون میں زیادہ مضبوط اور کامیاب ہے۔ کس متعلم کا فطری رجحان کس میدان کی طرف ہے۔ ان حقائق سے آشنائی کے بعد یہ تعین کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کس طالبعلم کو کس میدان میں جانا چاہیے۔

۲۔ جائزہ اور پیمائش کا آزمائشی سلسلہ صرف طلبا کے معیار کا تعین نہیں کرتا۔ اس عمل سے معلم کا محاسبہ بھی ہوتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو دو جماعتوں کی کارکردگی میں فرق صرف دونوں جماعتوں کے طلبا کے مقام کا تعین نہیں کرتا۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں کے اساتذہ میں سے کون زیادہ کامیاب ہو پایا۔ گویا کس معلم کی تدریس زیادہ پرتاثیر اور معیاری رہی۔ اس حقیقت کے ادراک سے معلمین اپنی کمزوریوں کو رفع کر سکتے ہیں۔

۳۔ جائزہ اور پیمائش تدریسی عمل پر نظرِ ثانی کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو تدریسی اقدامات ہم لیتے ہیں، درست اور موثر بھی ہوں۔ جب ہم طلبا کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی کارکردگی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تدریسی عمل میں کن خرابیوں یا کمزوریوں کی وجہ سے طلبا کی کارکردگی متاثر ہوئی اور کون سے تدریسی اقدامات موثر رہے۔

۴۔ جائزہ اور پیمائش کی بدولت متذکرہ نظرِ ثانی کے نتیجے میں ہم تدریسی عمل میں ضروری رد و بدل کرنے پر قادر بھی ہو جاتے ہیں۔ یوں کمزور یا غیر تسلی بخش تدریسی اقدامات کو تدریسی عمل سے حذف کر کے معیاری اقدامات شامل کیے جا سکتے ہیں۔

۵۔ تعلیمی سفر کے آغاز پر چند مقاصدِ تعلیم طے کیے جاتے ہیں۔ تعلیمی جائزہ اور پیمائش ان مقاصد کے حصول کا پتہ دیتے ہیں۔ گویا ہم یہ جان پاتے ہیں کہ ہمارے تعلیمی مقاصد کس حد تک حاصل ہو پائے ہیں۔

۶۔ تعلیمی جائزہ اور پیمائش انفرادی سطح پر طلبا کے مقام کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اسی بنیاد پر جماعت میں ان کی درجہ بندی ممکن ہوتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۵۹۔

تعلیمی جائزہ اور پیمائش میں فرق:

تعلیمی جائزہ سے مراد کمیتی اور کیفیتی دونوں حوالوں سے متعلمین کی کارکردگی جانچنے کا عمل ہے جبکہ پیمائش کا دائرہ کار محض کمیتی جانچ تک محدود ہے۔

منقولہ تعریف بذاتِ خود اس امر پر دال ہے کہ تعلیمی جائزہ ایک وسیع اور جامع اصطلاح ہے جبکہ پیمائش کا دائرہ کار صرف کمیتی جانچ تک محدود ہے۔ جائزہ اور پیمائش کے فرق کو ذیلی نکات کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے:

ا۔ تعلیمی جائزہ متعلم کے مکمل مقام کا تعین کرتا ہے۔ یعنی کوئی طالب علم تعلیمی سطح کے ساتھ ساتھ اپنے رویے، کردار اور شخصیت کے اعتبار سے کیسا ہے۔ دوسری طرف پیمائش صرف طالب علم کے نمبروں کا پتہ دیتی ہے۔ گویا تعلیمی جائزہ مجموعی جانچ ہے جبکہ پیمائش جزوی جانچ ہے۔

۲۔ تعلیمی جائزہ قدری جانچ ہے۔ یعنی اس جانچ سے طالب علم کی اصل صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

پیمائش مقداری جانچ ہے۔ یعنی اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طالب علم کے کتنے نمبر ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی طالبعلم رٹے کی بدولت زیادہ نمبر حاصل کر لے۔ پیمائشی اعتبار سے وہ بہتر تصور ہوگا لیکن جائزہ طالب علم کی حقیقی صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔

۳۔ علمی اعتبار سے بات کی جائے تو تعلیمی جائزہ اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ طالب علم تحصیلِ زبان کے عمل میں کس حد تک پہنچا ہے۔ یعنی وہ نظم و نثر کی تفہیم اور قرات پر کس حد تک قدرت رکھتا ہے؟ قواعد و انشا میں اس کی کیا مہارت ہے؟ گفتگو اور شخصیت کے اعتبار سے اس کا کیا معیار ہے؟

پیمائش کا میدان محض یہی ہوگا کہ طالبعلم نے پرچے میں نظم و نثر یا قواعد و انشا کے سوالات میں کتنے نمبر حاصل کیے، خواہ وہ نمبر رٹے کے نتیجے میں حاصل ہوئے ہوں۔

۴۔ تعلیمی جائزہ مکمل تعلیمی عمل کی جانچ ہے۔ یعنی اس میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ متعلم کس حد تک کامیاب ہوا اور اس امر کی پڑتال بھی ہوتی

ہے کہ تدریسی عمل اور معلم کس حد تک کامیاب رہا۔ اسی طرح تعلیمی مقاصد کے حصول کا پتہ بھی تعلیمی جائزہ ہی میں لیا جاتا ہے۔ پیمائش کا نقطۂ ارتکاز صرف طلبا ہوتے ہیں۔

۵۔ تعلیمی جائزہ ایک جدید اصطلاح ہے۔ جسے تعلیمی عمل کی جامع جانچ پڑتال کے لیے تشکیل دیا جاتا ہے۔ پیمائش ایک قدیم روایتی اصطلاح ہے جو بالعموم صرف طالبعلم کی پڑتال پر مرتکز رہتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۰۔

تعلیمی جائزہ کے مقاصد:

تعلیمی جائزہ ایک جدید اصطلاح ہے جو تدریسی عمل کی جامع پڑتال کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔ تعلیمی جائزہ کے چند اہم مقاصد حسب ذیل ہیں۔ یہ مقاصد تعلیمی جائزہ کے وسیع دائرہ کار کا پتہ بھی دیتے ہیں۔

۱۔ معلمین کی صلاحیتوں کا ادراک: یعنی یہ معلوم کرنا کہ معلمین تدریسی عمل پر کس حد تک توجہ دے رہے ہیں اور ان کی تدریسی صلاحیتیں کس حد تک کارگر ہیں۔

۲۔ تعلیمی عمل میں مطلوبہ تبدیلیوں کا تعین: یعنی تعلیمی عمل کی ان خامیوں کی شناخت کرنا جو تعلیمی عمل کو متاثر کرتی ہیں۔

۳۔ انتظامی تبدیلیوں کا تعین: تعلیمی عمل کو زیادہ سے زیادہ پرتاثیر بنانے کے لیے محض تدریسی عمل پر نظر رکھنا کافی نہیں ہوتا۔ بسا اوقات بہت سے انتظامی مسائل، مثلاً سکول کے اوقات کار، جماعتی کمرے میں طلبا کی زیادہ تعداد، سکول میں تعلیمی سہولیات کا فقدان وغیرہ۔ معیاری تعلیمی جائزہ میں ان سب پر نظر رکھی جاتی ہے۔

۴۔ طلبا کے معیار کا تعین: طلبا کے معیار کا تعین تعلیمی جائزہ کا بنیادی نکتہ ہے۔ طلبا کو تعلیمی عمل میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جائزہ اس امر کو یقینی بناتا ہے کہ طلبا کی درست ترین درجہ بندی کی جائے۔

۵۔ والدین کے لیے رہنمائی: تعلیمی جائزہ ہی کہ ذریعہ والدین کو ان کے بچے کے تعلیمی معیار کا پتا چل پاتا ہے۔

۶۔ منتظمین کے لیے اساتذہ کے معیار کی کسوٹی: تعلیمی جائزہ کے ذریعے ہی منتظمین جان پاتے ہیں کہ کس معلم کو کس حد تک ترقی ملنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ شعبہ تعلیم میں پیشہ وارانہ ترقی کی بنیاد تدریسی صلاحیت ہونی چاہیے۔

۷۔ جماعت بندی: تعلیمی جائزہ کی روشنی میں طے پاتا ہے کہ کسی طالب علم کو اگلی جماعت میں ترقی ملنی چاہیے اور کس کو نہیں۔

ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے جامع انداز میں تعلیمی جائزہ از حد ضروری ہے۔ واضح رہے کہ درست نتائج اور متذکرہ مقاصد کا حصول معیاری تعلیمی جائزہ کے بغیر ممکن نہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۱۔

تعلیمی جائزہ کے لوازمات:

تحصیلِ زبان کے حوالے سے بات کی جائے تو مطالعہ، انشا اور قواعد، جائزہ کے تین مختلف پہلو ہیں۔ یہ تینوں پہلو معیاری جانچ کے لیے

مختلف عوامل کے متقاضی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(الف) مطالعاتی جائزہ:

لسانی جائزہ کے حوالے سے مطالعاتی جائزہ میں دیکھا جاتا ہے کہ متعلم نظم ونثر کے مختلف اسباق کو کس حد تک سمجھ پایا ہے۔اس سلسلہ میں:

ا۔ضروری ہے کہ جائزہ میں عبارتوں کی تشریح کے حوالے سے سوالات یا سرگرمیاں شامل کی جائیں تاکہ دیکھا جاسکے کہ متعلم اسباق کی تفہیم پر کس حد تک قادر ہوا اور وہ ان کی توضیح وتشریح کس حد تک کرسکتا ہے۔

۲۔دیکھا جائے کہ متعلم کس حد تک نظم ونثر کی تحسین کرسکتا ہے۔یعنی وہ نظم ونثر کے تجزیہ پر کس حد تک قادر ہے۔

۳۔دیکھا جائے کہ متعلم مختلف الفاظ، مرکبات، تشبیہات اور تلمیحات کو کس حد تک سمجھتا ہے۔

۴۔دیکھا جائے کہ متعلم کا مجموعی اسلوب کیسا ہے اور وہ نظم ونثر کی تشریح اور تجزیہ میں کس نوع کی عبارت آرائی کرتا ہے۔

(ب) انشائی لوازمات:

انشائی اسباق مین تحریری اور تقریری دونوں حوالوں سے بچوں کی پڑتال ہونی چاہیے۔معیاری لسانی جائزہ اس حوالے سے درج ذیل امور کا متقاضی ہے۔

ا۔دیکھا جائے کہ بچہ موثر تقریر یعنی گفتگو کی مہارت کس حد تک رکھتا ہے۔

۲۔دیکھا جائے کہ بچہ الفاظ کی بناوٹ اور تلفظ سے کس حد آشنا ہے۔یعنی وہ خوش خطی یا گفتگو کے بنیادی اصولوں کے متعلق کیا جانتا ہے۔

۳۔دیکھا جائے کہ متعلم کا ذخیرۂ الفاظ کس حد تک وسیع ہے اور اسے مختلف الفاظ کے استعمال پر کتنی قدرت ہے۔

۴۔متعلم کو روانیٔ بیان کے حوالے سے متعلم کا معیار کیا ہے۔یعنی لکھنے کے حوالے سے متعلم کی رفتار کیا ہے اور گفتگو میں اس کی بات کس حد تک رواں ہوتی ہے۔

(ج) قواعدی لوازمات:

قواعدی حوالے سے معیاری جائزہ کا تقاضا ہے کہ دیکھا جائے کہ:

ا۔متعلم الفاظ کی ساخت کے حوالے سے کیا جانتا ہے۔یعنی متعلم واحد جمع، مذکر مونث اور ترکیب سازی وغیرہ کے متعلق کیا جانتا ہے۔

۲۔جملاتی ساخت کے حوالے سے متعلم کا علم کس حد تک ہے۔یعنی جملے کے اجزا، جملے کی اقسام اور معیاری جملہ سازی کا فن وغیرہ۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۲۔

مضمونی یا موضوعی طریقِ امتحان:

پرچہ جات کے ذریعہ طلبا کی جانچ پرکھ کے دو مختلف طریقے ہیں۔ان میں ایک طریقہ کو مضمونی یا موضوعی طریقِ امتحان کہتے ہیں۔

''مضمونی یا موضوعی طریق امتحان'' میں موادِ مضمون کے کسی خاص عنوان سے بحث کی جاتی ہے اور جانچ کا کافی حد تک دارومدار معلم کی پسند ناپسند پر ہوتا ہے۔''

منقولہ تعریف سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس طریقِ امتحان میں متعلمین سے کسی موضوع پر تفصیلی جواب طلب کیا جاتا ہے۔ یہ تفصیلی جواب خلاصہ کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور کسی عبارت یا نظم پارے کی تشریح کی صورت میں بھی۔

اسی طرح منقولہ تعریف اس امر کی غماض بھی ہے کہ پرکھ کی اساس معلم کی پسند ناپسند پر ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ متعلم کی تشریح یا خلاصہ یا کسی وضاحت سے معلم متفق ہو۔

دراصل مضمونی طریقِ امتحان ایک قدیم امتحانی طریقہ ہے اور بالعموم اسے دورِ حاضر میں جانچ کا جامع طریقہ تصور نہیں کیا جاتا۔ اسی لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضمونی امتحان کی بجائے معروضی امتحان کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ رجحان میں تبدیلی کے اسباب مضمونی طریقِ امتحان کے چند مسائل ہیں جو مختصراً درج ذیل ہیں:

۱۔ مضمونی امتحان میں پرچہ کا لگا بندھا سانچا ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں برس ہا برس نصاب بدلتا ہی نہیں اور چند سال ہی میں طلبا جان لیتے ہیں کہ فلاں فلاں سوالات تیار کر کے با آسانی امتحان پاس ہوسکتا ہے۔ اسی طرح معلم بھی جانتا ہے کہ فلاں فلاں سوال کا متوقع جواب کیا ہوگا۔ اس لیے وہ پرچہ بھی غور سے نہیں دیکھتا۔ یوں لگے بندھے سانچے مین ممتحن اور طلبا دونوں تعلیم و تدریس کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔

۲۔ مضمونی طریقِ امتحان میں معلم کی پرکھ نہیں ہو پاتی۔ تمام تر ارتکاز متعلم کے جواب پر رہتا ہے۔

۳۔ چونکہ اس طریقہ میں حتمی جواب طے شدہ نہیں ہوتا اس لیے اس طریقے میں معروضیت موجود نہیں ہوتی۔ اسی لیے پرکھ کے غیر جانبدارانہ ہونے کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

۴۔ اس طریقہ میں مقاصدِ تعلیم کا حصول پوری طرح نہیں ہو پاتا۔ اس کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ اس میں طالب علم کو محض پرچہ کی بنیاد پر جانچا جاتا ہے جبکہ تحصیلِ زبان کے مقاصد وسیع تر ہوتے ہیں۔

۵۔ جانچ کا یہ طریقہ محدود ہے۔ اس میں تمام لسانی مہارتوں کی پیمائش نہیں ہوسکتی۔

۶۔ المختصر، مضمونی طریقِ امتحان ایک کمزور پیمائشی طریقہ ہے جو کمیتی جانچ کی بھی ایک کمزور شکل ہے۔ نیز اس سے جامع نوعیت کا جائزہ ممکن نہیں۔ اس لیے وہ آزمائش جس میں صرف مضمونی طریقِ امتحان اختیار کیا گیا ہو، کو معیاری جانچ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ امتحانات میں مضمونی اور معروضی جانچ دونوں کو شامل کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۶۳۔

قدری جانچ:

دورِ حاضر میں محض امتحانات میں طلبا کو جانچنے کی بجائے جامع انداز مین ان کی پرکھ پر زور دیا جاتا ہے۔ جدید جانچ کے اس طریقہ کو قدری جانچ کہا جاتا ہے۔

”جانچ یا پرکھ کا وہ جامع نظام جس میں صرف مضمونی طریقہ پر ارتکاز نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی ذہنی اور جسمانی

تربیت کی پرکھ بھی ہوتی ہے۔''

گویا طلبا کو جانچنے کے لیے صرف امتحانات منعقد نہیں کیے جاتے بلکہ امتحانات کے علاوہ بھی ایسی سرگرمیوں اور آزمائشوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن سے طلبا کو جامع طور پر جانچا اور پرکھا جاسکے۔

قدری جانچ ایک جدید آزمائشی طریقہ ہے جس کا مقصد متعلمین کی پوری شخصیت کو جانچنا ہے۔ قدری جانچ کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ قدری جانچ ایک مستقل آزمائشی عمل ہے۔ گویا اس طریقہ میں طلبا صرف سالانہ امتحانات کی بنیاد پر نہیں پرکھے جاتے بلکہ ہفتہ وار امتحانات سے سالانہ امتحان اور پھر دیگر سرگرمیوں کے ذریعے بھی طلبا کے تربیتی عمل پر نظر رکھی جاتی ہے۔

۲۔ چونکہ اساتذہ کو طلبا پر ہر حوالے سے نظر رکھنا ہوتی ہے، اس لیے پرکھ کے اس طریقے میں معلمین کو طلبا کے ممکنہ مسائل سے بہتر طور پر آگہی ہو پاتی ہے۔ یوں طلبا کے ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی مسائل کا تدارک بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

۳۔ معلمین کو نصابِ مضمون پر نظرِ ثانی کا موقع بھی ملتا ہے۔ مسلسل عمل ہونے کے باعث اساتذہ بہتر انداز میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کن موضوعات کو نصاب کا حصہ ہونا چاہیے اور کون سے موضوعات مقاصدِ تعلیم کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔

۴۔ نصابِ مضمون کی طرح اساتذہ کو تدریسی اقدامات پر نظر رکھنے کا موقع بھی ملتا ہے اور وہ طے کر پاتے ہیں کہ کون سے تدریسی اقدامات تدریسی عمل کو موثر بنا رہے ہیں اور کن اقدامات کے سبب تدریسی عمل متاثر ہو رہا ہے۔

۵۔ طلبا کی پرکھ کے اس طریقہ میں ممکنہ حد تک معروضی طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں غیر جانبدارانہ اندا میں طلبا کی پرکھ ممکن ہو جاتی ہے۔

۶۔ یہاں یہ بات مدِ نظر رہنی چاہیے کہ زبان کے مضامین میں قدری جانچ کو سوفی صد تک نہیں اپنایا جاسکتا کیونکہ زبان کے مضامین بہر حال کسی حد تک مضمونی طریقہ کا تقاضہ بھی کرتے ہیں۔

سبق نمبر:۲۸

جائزہ اور پیمائش کی مختلف صورتیں

تدریسی عمل کے بعد جائزہ اور پیمائش کے عمل سے اس امر کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ طلبا کس حد تک متعلقہ مضمون میں مہارت حاصل کر پائے ہیں۔اس سلسلہ میں مختلف طرح سے ان کی اہلیت اور قابلیت کو آزمایا جاسکتا ہے۔یہ مختلف طریقے جائزہ اور پیمائش کی مختلف صورتیں کہلاتی ہیں۔انہیں مختلف صورتوں کا جائزہ ذیلی سطور میں لیا گیا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۴۔

معروضی جانچ:

''معروضی جانچ میں نفسِ مضمون کی پاسداری ضروری ہوتی ہے اور موضوع سے گریز کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

دراصل معروضی جانچ میں تفصیلی جواب کی بجائے مختصر اور حتمی جواب طلب کیا جاتا ہے اس لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ جواب غیر واضح یا مبہم دیا جائے۔یا جواب درست ہوگا یا غلط۔چنانچہ موضوع سے متعلق ہونا ضروری ہوجاتا ہے۔

معروضی جانچ کی اقسام:

معروضی جانچ ذیلی صورتوں میں کی جاسکتی ہے:

۱۔درست یا غلط جواب کی آزمائش: یعنی مختلف بیانات درج کر کے طلبا سے درست اور غلط بیان کی نشاندہی کروانا۔

۲۔کثیر الانتخابی جوابات کی آزمائش: یعنی ایک سوال کے تین یا چار جوابات درج کر کے طلبا سے درست جواب کے انتخاب کو کہنا۔

۳۔نامکمل فقروں آزمائش: یعنی جملوں یا عبارت میں خالی جگہ دے کر طلبا سے یہ جگہ درست الفاظ سے پُر کروانا۔

۴۔مشابہت کی آزمائش: یعنی دو کالموں میں مختلف بیانات یا الفاظ درج کر کے طلبا سے مماثلت کی نشاندہی کروانا۔مثلاً مترادفات کی نشاندہی وغیرہ۔

۵۔شناخت کی آزمائش: مختصر تشریحی سوالات پوچھنا یا تصاویر دکھا کر شناخت کروانا۔

معروضی جانچ کے اہم نکات:

معروضی جانچ ایک جدید آزمائشی طریقہ ہے اور بالعموم جائزہ و پیمائش کے لیے کامیابی سے استعمال ہو رہا ہے۔ذیل میں اس کے چند اہم نکات کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس آزمائشی طریقہ کو کہاں، کس حد تک اور کیسے استعمال کرنا چاہیے:

۱۔معروضی جانچ کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس آزمائشی طریقہ میں ہم مکمل نصاب کا احاطہ کر سکتے ہیں۔مضمونی طریقہ میں تفصیلی جوابات کے

باعث معینہ وقت میں صرف چند سوالات پوچھے جاسکتے ہیں جبکہ معروضی جانچ میں مختصر وقت میں بھی درجنوں سوالات پرچے میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔نتیجتاً زیادہ نصاب کی آزمائش ممکن ہوجاتی ہے۔

۲۔اس طریقہ میں محض حتمی جواب ہی ممکن ہوتا ہے۔اس لیے جانچ میں غلطی یا طرف داری کی گنجائش نہیں نکلتی۔

۳۔معروضی آزمائش کو میکانکی طریقہ کہا جاسکتا ہے۔یعنی حل شدہ معروضی پرچہ کی موجودگی میں کوئی ممتحن بھی پرچہ دیکھ سکتا ہے۔اسی طریقہ کی بدولت آج کل پرچہ جات کمپیوٹر کے ذریعے بھی دیکھے جارہے ہیں۔

۴۔اس طریقہ کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں توضیح وتشریح کی گنجائش نہیں ہوتی۔اس لیے تحصیلِ زبان کے مضامین میں یہ طریقہ بسا اوقات قابلِ عمل نہیں رہتا۔البتہ ابتدائی جماعتوں میں اس کا کافی حد تک استعمال ممکن ہے۔

۵۔اس طریقہ میں درست اور واضح ہدایات کا ہونا ضروری ہے۔بصورتِ دیگر یہ طریقہ آزمائش میں ناکام ہوجائے گا۔چنانچہ معروضی پرچہ بناتے وقت سوالات کے متعلق واضح اور حتمی ہدایات جاری کرنی چاہییں۔

۶۔اس طریقہ میں یہ امکان بھی رہتا ہے کہ طلبا ٹک بندی کے ذریعے جوابات دیں اور اتفاقاً ان کے جوابات درست ہوجائیں۔دوسری طرف سوچ سمجھ کر جواب دینے والا غلطی کر بیٹھے۔چنانچہ یہ طریقہ بسا اوقات لیاقت کی درست آزمائش سے قاصر رہتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۵۔

زبانی جانچ:

''زبانی جانچ سے مراد آزمائش کا وہ طریقہ ہے جس میں طلبا کو تحریری انداز کی بجائے زبانی طور پر پرکھا جاتا ہے۔''

یہ طریقہ بالخصوص جماعت سوم تک بہت اہم ہے۔ابتدائی سطح پر تحریری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ طلبا کی گفتگو یا بولنے کی صلاحیتوں کی تربیت بھی مقصود ہوتی ہے اس لیے زبانی جانچ متذکرہ جماعتوں میں جائزہ کی ایک ناقابلِ فراموش صورت ہے۔زبانی جانچ کرتے وقت معلمین کو درج ذیل امور مدِ نظر رکھنے چاہییں:

۱۔یہ دیکھا جائے کہ طالب علم کی گفتگو کس حد تک قابلِ تفہیم ہے۔یعنی اس کی آواز کس حد تک قابلِ سماعت ہے وہ اپنی بات کس حد تک سمجھا پارہا ہے۔

۲۔دیکھا جائے کسی موضوع کے انتخاب کے حوالے سے طالب علم کا چناؤ کیسا ہے۔اگرچہ یہ زبانی جانچ سے زیادہ فکری جانچ کا پہلو ہے لیکن یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ متعلم بولتے وقت اپنے اعصاب پر کس حد تک قابو رکھتا ہے۔یہی قابو اس کے انتخاب کو متاثر کرتا ہے۔

۳۔یہ دیکھا جائے کہ متعلم کو دیا گیا سبق کس حد تک یاد ہے۔یعنی زبانی سنانے کی صورت میں متعلم کتنا اٹکاؤ کا شکار ہوتا ہے۔

۴۔کسی سوال کا جواب اپنے لفظوں میں دینا مقصود ہو تو دیکھا جائے کہ متعلم کے الفاظ کا چناؤ کیسا ہے۔

۵۔دیکھا جائے کہ بولتے وقت متعلم کا انداز کس حد تک متاثر کن ہے۔

۶۔کوئی جواب دیتے یا کہانی سناتے وقت دیکھا جائے کہ متعلم کس حد تک تفصیلات بیان کرتا ہے۔یعنی اسے جزیات کے بیان پر کس حد

تک قدرت حاصل ہے۔

۷۔دیکھا جائے کہ متعلم کا تلفظ کیسا ہے۔اوراس کی ادائیگی کا کیا معیار ہے۔

۸۔نظم سنانے کی صورت میں اسے نظم کے آہنگ پر کس حد تک قدرت ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۶۔

پڑھائی کی جانچ:

''پڑھائی کی جانچ سے مراد وہ آزمائشی طریقہ ہے جس میں متعلم کو قرات کے حوالے سے پرکھا جاتا ہے۔''

آزمائش کے اس طریقہ کی اہمیت بھی زیادہ تر ابتدائی جماعتوں میں تصور کی جاتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آزمائشی طریقہ کی اہمیت ابتدائی جماعتوں میں زیادہ ہے لیکن عملاً یہ حقیقت دیکھنے میں آئی ہے کہ ثانوی جماعتوں اور کسی حد تک اعلیٰ سطحی تعلیم میں بھی طلبا کی قرات متاثر کن نہیں ہوتی۔اس لیے پڑھائی کی جانچ کسی نہ کسی حد تک آزمائشی سلسلہ کا حصہ ہونی چاہیے۔پڑھائی کی جانچ کرتے وقت درج ذیل امور مدِنظر رہنے چاہییں:

۱۔جماعت اول اور دوم کی سطح پر دیکھا جائے کہ بچوں کو ہجے کر کے الفاظ بنانے پر کس حد تک قدرت ہے۔

۲۔دیکھا جائے کہ طلبا کا تلفظ کیسا ہے۔

۳۔دیکھا جائے کہ طلبا کی قرات میں ادائیگی کیسی ہے۔

۴۔دیکھا جائے کہ طلبا جو کچھ پڑھ رہے ہیں، اسے کس حد تک سمجھ رہے ہیں۔

۵۔طلبا کے پڑھنے کی رفتار کیا ہے۔

۶۔دیکھا جائے کہ طلبا پڑھتے وقت درست نشست اختیار کرتے ہیں یا نہیں۔

۷۔دیکھا جائے کہ بچہ پڑھتے وقت کتاب اور آنکھوں میں کس حد تک مناسب فاصلہ قائم رکھتا ہے۔

۸۔پڑھائی میں بچہ آواز کے زیروبم سے کتنا کام لیتا ہے۔

۹۔دیکھا جائے کہ بچے کو نظم ونثر کی قرات میں امتیاز کس حد تک آتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۷۔

لکھائی کی جانچ:

''لکھائی کی جانچ سے مراد وہ پیمائشی طریقہ ہے جس میں طلبا کے لکھنے کی صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے۔''

زبانی جانچ اور پڑھائی کی جانچ کی طرح ابتدائی جماعتوں میں لکھائی کی جانچ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔اس سلسلہ میں معلمین کو درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے:

۱۔دیکھا جائے کہ بچہ حروف جوڑ کر کس حد تک لفظ بنا سکتا ہے۔

۲۔دیکھا جائے کہ بچہ الفاظ کے حجم میں کس حد تک توازن قائم رکھتا ہے۔

۳۔دیکھا جائے کہ بچہ لکھتے وقت سطروں کا خیال کتنا رکھتا ہے۔

۴۔دیکھا جائے کہ بچہ لفظ لکھتے وقت فاصلہ کتنا قائم رکھتا ہے۔

۵۔دیکھا جائے کہ تحریری عمل میں بچے کے ہجے کس حد تک درست ہیں۔

۶۔دیکھا جائے کہ بچہ خوش نویسی کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

۷۔دیکھا جائے کہ لکھنے میں بچے کی رفتار کیا ہے۔

۸۔دیکھا جائے کہ تحریری عمل میں بچہ رموزِ اوقاف کا کتنا خیال رکھتا ہے۔

۹۔دیکھا جائے کہ بچے کو پارا بندی کا فن کس حد تک آتا ہے۔

۰۱۔دیکھا جائے کہ مختلف طرح کی تحریروں میں بچہ اپنے خیالات میں ربط کس حد تک قائم رکھتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۸۔

تحصیلی جانچ:

''تحصیلی جانچ سے مراد معروضی جانچ کی وہ صورت ہے جس میں پرچہ حل کروا کر متعلمین کی مختلف صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے۔''

معروضی جانچ پر ابتدائی گفتگو ہو چکی ہے جس کے بعد لسانی مہارتوں کے حوالے سے آزمائشوں کی مختلف صورتوں کا تعارف کروایا گیا۔ تحصیلی جانچ لکھائی کی جانچ کی ہی ایک صورت ہے کیونکہ پرچہ بہر حال تحریری صورت میں ہی مکمل کیا جاتا ہے۔ البتہ یہاں نقطۂ ارتکاز اس امر پر ہے کہ تحصیلی جانچ میں محض معروضی جانچ کو جگہ دی جاتی ہے۔ عمومی لکھائی کی جانچ میں مضمونی اور معروضی جانچ دونوں کو جگہ ملتی ہے۔

ذیل میں تحصیلی جانچ کے مختلف مراحل کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے:

تحصیلی جانچ میں تیاری کے مراحل:

تحصیلی جانچ کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول: پرچے کی تیاری، انتظام اور نتائج؛ دوم: شماریاتی عمل، تجزیہ اور ترجمانی۔

یہی وہ حصے ہیں جن کی مزید تقسیم تحصیلی جانچ کے مراحل کا پتہ دیتی ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔تیاری:

تیاری دراصل پرچہ بنانے کے مرحلہ کو کہتے ہیں۔ تحصیلی جانچ میں پرچہ کی تیاری کرتے وقت:

(الف) یہ دیکھنا ضروری ہے کہ پرچہ تمام نصاب کا احاطہ کرتا ہو۔ یوں نہ ہو کہ چند موضوعات کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

(ب) پرچہ طلبا کی ذہنی سطح کے مطابق ہو اور معلم یہ جانے کی بجائے کہ طلبا کیا نہیں جانتے ، یہ جاننے کی کوشش کرے کہ انہیں کیا آتا ہے۔

(ج) پرچہ طلبا کو سوچنے پر ابھارے اور ایک معیاری ذہنی مشق کا موقع دے۔

۲۔ پرچہ کی جانچ کا انتظام:

پرچہ بنا لینے کے بعد پرچہ لینے کا مرحلہ آتا ہے۔اس مرحلہ پر ضروری ہے کہ:

(الف) سب سے پہلے طلبا کو مرتب انداز میں بٹھایا جائے۔ بالخصوص زیادہ تعداد والی جماعت میں ضروری ہے کہ طلبا میں مناسب فاصلہ ہو تاکہ نقل کے امکان کی نفی ہو سکے۔

(ب) طلبا کو مطلوبہ ترتیب سے بٹھا لینے کے بعد پرچہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

(ج) پرچہ کی تقسیم کے بعد متعلمین پرچہ حل کرنے کا عمل شروع کرتے ہیں اور معلمین نگرانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہاں ضروری ہے کہ طلبا کو پر سکون ماحول مہیا کیا جائے تاکہ وہ مرتکز ہو کر کام کر سکیں۔

(د) معلم کو چاہیے کہ وہ پرچہ حل ہونے کے دوران مستعد انداز میں نگرانی کرے تاکہ بچوں میں نقل کا رجحان پیدا نہ ہو۔

۳۔ نتائج کی جمع آوری:

پرچہ ہو جانے کے بعد نتائج مرتب کرنے کا عمل شروع ہوتا ہے۔اس مرحلہ پر ضروری ہے کہ:

(الف) سب سے پہلے حل شدہ پرچوں کو نہائت احتیاط سے پرکھا جائے۔

(ب) پرچوں کے جائزہ کے بعد معلم مطلوبہ مقامات پر بچوں کے انفرادی معیار کا تعین کرنے کے لیے پرچوں پر لگائے گئے نمبروں کو مطلوبہ دستاویزات پر درج کرتا ہے۔

(ج) اس بنیادی اندراج کے بعد شماریاتی جائزہ میں اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ پرچہ کے مختلف حصوں میں طلبا نے کتنے نمبر حاصل کیے۔

(د) اس کے بعد تجزیہ و ترجمانی میں دیکھا جاتا ہے کہ کون سا سوال طلبا نے زیادہ کیا ہے اور کون سے سوالات طلبا کو مقابلتاً مشکل لگے ہیں۔

(ہ) اسی طرح یہ دیکھا جاتا ہے کہ معنوی حوالے سے طلبا پرچہ کو کس حد تک سمجھ پائے۔

(و) آخر میں مجموعی طور پر جماعت کی لسانی مہارتوں کے معیار کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۶۹۔

تحصیلی جانچ کے اجزا:

تحصیلی جانچ کے مراحل کے بعد معروضی طریق کی اساس پر قائم تحصیلی جانچ کے اجزا پر مختصر بات ہوگی۔

معروضی جانچ پر بات کرتے ہوئے معروضی جانچ کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالی گئی۔ دراصل وہی صورتیں تحصیلی جانچ کے اجزا ہیں۔البتہ معروضی جانچ کے باب میں معروضی جانچ کی مختلف صورتوں کی مثالیں نہیں بتائی گئیں تھیں۔ یہاں انہی صورتوں کو مثالوں سے سمجھنے کی

کوشش کی گئی ہے۔

۱۔صحیح غلط مد:

ایسے سوالات میں طلبا مختلف بیانات میں سے صحیح اور غلط کا تعین کرتے ہیں مثلاً:

(الف) 'بطخ' مونث ہے۔

(ب) 'اٹھنا' حرف ہے۔

(ج) 'بہادر' اسم ہوتا ہے۔

متذکرہ بیانات میں (الف) درست ہے جبکہ (ب) اور (ج) غلط بیانات ہیں۔

۲۔کثیر الانتخابی جوابات:

وہ سوالات جن میں ایک سوال کے مقابل تین یا چار جواب دیے جاتے ہیں اور طلبا درست جواب کا تعین کرتے ہیں۔مثلاً: ''لڑکا''

(الف) اسم نکرہ ہے۔

(ب) اسم معرفہ ہے۔

(ج) اسم علم ہے۔

۳۔مماثل مد:

وہ سوالات جن میں طلبا مشابہت یا مماثلت تلاش کرتے ہیں۔مثلاً: ایک کالم میں ''گلاب'' لکھ کر دوسرے کالم میں موجود درخت، پتّا اور پھول لکھ کر پوچھا جا سکتا ہے کہ گلاب کے قریب تر لفظ کون سا ہے۔

۴۔تکمیلی مد:

ان آزمائشی سوالات میں طلبا سے خالی جگہ پر کروائی جاتی ہے۔مثلاً: ایسے لوگ روز۔۔۔نہیں ہوتے۔

(الف) زندہ

(ب) مردہ

(ج) پیدا

۵۔اصناف بندی کی مدات

ان سوالات میں اختلاف کی نشاندہی کروائی جاتی ہے۔مثلاً: کوّا، کوئل، طوطا اور بلّی لکھ کر پوچھنا کہ ان میں مختلف کون سا ہے۔

تحصیلی جانچ کے ایک معیاری پرچہ میں مذکورہ تمام مدات یا سوالات کا ایک متوازن تناسب کامیاب آزمائش کی ضمانت ہوسکتا ہے۔

سبق نمبر:۲۹

جائزہ و پیمائش: باعتبار ساخت

نوعیت کے اعتبار سے جائزہ و پیمائش کی مختلف اقسام پر بات کے بعد اب ذیل میں باعتبار ساخت، جائزہ و پیمائش کی وضاحت کی گئی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۰۔

سوالات:

جائزہ و پیمائش میں طلبا کی قابلیت مختلف آزمائشوں پر پرکھی جاتی ہے۔ یہ آزمائشیں خواہ کسی بھی نوعیت کی ہوں، ان کی بنیاد کسی نہ کسی صورت میں سوالات پر ہوتی ہے کیونکہ پوچھے بغیر قابلیت کی جانچ ممکن نہیں۔ چنانچہ

''سوالات سے مراد امتحانی عمل کی وہ بنیادی کنجی ہے جس کے ذریعے متعلمین کی قابلیت اور اہلیت کو پرکھا جاتا ہے۔''

قابلِ لحاظ امور:

تعلیمی سطح اور امتحانی نوعیت خواہ کوئی بھی ہو، معیاری سوالات کی تشکیل کے لیے درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ سوالات ہمیشہ طلبا کی ذہنی سطح کے عین مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی ممتحن کو اپنی لیاقت کا ثبوت دینے سے زیادہ یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ سوالات کی تشکیل اس کی اہلیت کا نہیں طلبا کی قابلیت کا امتحان ہیں۔

۲۔ سوال ہمیشہ مختصر اور تیر بہدف ہونا چاہیے۔ سوال کی طویل عبارت بسا اوقات بات کی وضاحت کی بجائے بات کو مبہم کر دیتی ہے۔ نیز سوال کو مطلوبہ جواب کے عین مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔ سوال میں استعمال ہونے والے الفاظ ہر ممکن حد تک آسان اور واضح ہونے چاہئیں۔

۴۔ ایک آزمائش یا پرچہ میں شامل سوالات متوازن ہوں۔ یعنی پورے نصاب کا احاطہ کر رہے ہوں۔ نصاب کے کسی ایک حصہ پر زیادہ سوالات دیگر حصوں کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہوں گے۔

۵۔ سوالات کی نوعیت ایسی ہو کہ رٹے کی حوصلہ شکنی ہو۔ گویا سوال ایسے نہ ہوں کہ طلبا نصاب کے چند حصوں یا اسباق کو یاد کر کے بعینہ جواب دے دیں۔

۶۔ آزمائش میں معروضی اور انشائی سوالات کو مناسب جگہ دی جائے۔ زیادہ معروضی سوالات زبان کے مضامین میں طلبا کی انشائی

صلاحیتوں کو نہیں پرکھ پائیں گے جبکہ زیادہ انشائی سوالات پرچہ کی طوالت کا باعث بنیں گے نیز معروضی معلومات کا حصول ممکن نہیں رہے گا۔ چنانچہ آزمائش میں معروضی اور انشائی

سوالات کو متوازن جگہ ملنی چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۱۔

انٹرویو:

جائزہ اور پیمائش کی ایک اہم آزمائشی صورت انٹرویو ہے۔

''بذریعہ گفتگو یا زبانی سوالات، طلبا کی قابلیت، اہلیت اور شخصی تاثر کی پرکھ کو انٹرویو کہتے ہیں۔''

انٹرویو ہر سطح پر زبان کے مضامین کی ایک کامیاب آزمائش ہے۔ اس آزمائشی صورت میں ایک تو طلبا کی گفتگو کی مہارت کی پرکھ ہوتی ہے دوسرا طلبا کے اعتماد کا اندازہ لگانے کے لیے بھی یہ آزمائشی صورت معاون ثابت ہوتی ہے۔ آزمائشی سلسلہ میں انٹرویو کی اہمیت کا اندازہ ذیلی نکات کے ذریعہ بھی کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ہر طالب علم تحریری حوالہ سے مضبوط نہیں ہوتا۔ انٹرویو بالخصوص ایسے طلبا کے لیے مفید ہوتے ہیں جو لکھنے سے زیادہ بولنے کی مہارت رکھتے ہیں۔

۲۔ چونکہ انٹرویو انفرادی نوعیت کی آزمائش ہے اس لیے ممتحن کو ہر طالب علم کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۳۔ انٹرویو بولنے کی مہارت کی عمدہ آزمائش ہے۔

۴۔ طلبا کے اعتماد کی پرکھ کا اندازہ انٹرو ویو سے بہتر طور پر لگایا جا سکتا ہے۔

قابلِ لحاظ امور:

موثر آزمائش کے لیے ممتحن کو انٹرویو کے دوران درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ ممتحن ایسے سوالات کرے جن سے متعلم کے اعتماد کی پرکھ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں مشکل سوالات پوچھنے کی بجائے وہ سوالات پوچھنے چاہئیں جن کا جواب ممتحن کے خیال میں طالب علم کو آتا ہے۔ اس صورت میں یہ دیکھنا ممکن ہوگا کہ متعلم معلوم علم کو کس حد تک اعتماد سے بیان کر پاتا ہے۔

۲۔ دورانِ انٹرویو، ممتحن متعلم کی گفتگو کی مہارت کی پرکھ کرے۔ یعنی یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ متعلم کا لب و لہجہ کیسا ہے، اس کا تلفظ کس حد تک درست ہے، اس کی جملہ سازی کیسی ہے، ذخیرہ الفاظ کتنا وسیع ہے وغیرہ۔

۳۔ ممتحن یہ جانچے کہ متعلم سوال کو کس حد تک سمجھ کر جواب دے رہا ہے۔ بالعموم دیکھنے میں آیا ہے کہ متعلمین پوری بات سنے اور سمجھے بغیر جواب دینے لگتے ہیں۔

۴۔ ممتحن غور رکھے کہ متعلم کی گفتگو میں شائستگی کا کیا معیار ہے۔ وہ طلبا جن کا ذخیرۂ الفاظ بہتر ہوگا اور جو زبان کے آداب سے واقف ہوں

گے،ان کی گفتگو زیادہ شائستہ ہو گی۔

۵۔چونکہ انٹرویو ایک انفرادی نوعیت کی آزمائش ہے اس لیے ممتحن کو چاہیے کہ متعلم کے مسائل سے آشنائی کی کوشش کرے۔یہ مسائل ذہنی ونفسیاتی، گھریلو اور تعلیمی نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ہم ان مسائل سے آشنا ہو کر ہی ان کے تدارک کی کوشش کر سکتے ہیں۔

۶۔انٹرویو متعلمین کی پسند ناپسند کو جاننے کا بھی ایک موثر ذریعہ ہے۔چنانچہ ممتحن کو انٹرویو ترتیب دیتے وقت خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے ذریعہ متعلم کے محبوب مشاغل، مضامین اور جہات کا اندازہ کیا جا سکے۔متعلمین کی پسند ناپسند جان کر ان کے رویہ کا تعین بھی آسان ہو جاتا ہے اور آئندہ تعلیمی سفر میں متعلمین کی جہت کے تعین میں بھی معاون ہوتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۷۲۔

بحث مباحثہ:

> ''یہاں بحث مباحثہ سے مراد روایتی تقریری مقابلہ جات نہیں۔جائزہ و پیائش کے عمل میں ''بحث'' جماعتی کمرے میں ہونے والی وہ گفتگو ہے جس کے ذریعے متعلمین کی قابلیت کے معیار کا اندازہ کیا جاتا ہے۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے طلبا روایتی وضاحتی انداز کے تدریسی عمل سے اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔بالخصوص وہ طلبا جو گفتگو کرنا اور سوال پوچھنا پسند کرتے ہیں۔وہ روایتی خطابیہ تدریسی طریقے سے موثر طور پر نہیں سیکھ پاتے۔مباحثہ ایسے طلبا کے لیے نہائت مفید ہوتا ہے۔

بحث مباحثہ کے چند اہم فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔متعلمین کو گفتگو کے فن پر دسترس حاصل ہوتی ہے۔

۲۔متعلمین ایک موضوع پر اظہارِ خیال کے نتیجے میں زیرِ بحث موضوع کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

۳۔تحریری اظہار میں کمزور طلبا کے لیے یہ آزمائشی طریقہ مقابلتاً زیادہ موزوں ہے۔

۴۔بار بار کی مشق سے بولنے سے خوفزدہ طلبا بھی گفتگو میں تاک ہو جاتے ہیں اور ان کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔

قابلِ لحاظ امور:

بلاشبہ بحث آزمائش کا ایک موثر ذریعہ ہے لیکن اس سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس کے لوازمات کے عین مطابق بروئے کار لایا جائے۔چنانچہ بحث کے حوالہ سے معلمین کو درج ذیل امور مدِ نظر رکھنے چاہئیں:

۱۔بحث کے لیے دیا جانے والا موضوع طلبا کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔بصورتِ دیگر تمام بچوں کے لیے سرگرمی میں حصہ لینا دشوار ہو جائے گا اور مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔

۲۔بہتر ہو گا کہ موضوع روزمرہ زندگی سے قریب تر ہو۔گویا ایسا موضوع ہو جس پر متعلمین غیر شعوری طور پر بھی بہت کچھ جانتے ہوں۔

۳۔تمام متعلمین کو بولنے کے یکساں مواقع میسر آنے چاہئیں تا کہ سب کو بحث کے فن پر پرکھا جا سکے۔ممتحن کو چاہیے کہ بچوں کو دو یا تین ایسے گروہوں میں تقسیم کرے جس میں بولنے اور بولنے سے کسی حد تک خوفزدہ دونوں طرح کے طلبا شامل ہوں تا کہ برابری کی فضا قائم ہو

سکے۔ یوں کمزور طلبا بولنے کے شائق طلبا کی دیکھا دیکھی بولنے لگیں گے۔

۴۔ دورانِ بحث ممتحن یا معلم کو صرف مشاہدہ پر ارتکاز کرنا چاہیے۔ یعنی دورانِ بحث ممتحن کی مداخلت کم سے کم ہو۔

۵۔ ممتحن موضوع کو یوں لے کر چلے کہ طلبا میں نئے سوالات اٹھانے کا رجحان تقویت پا سکے۔ یعنی بحث ایک ہی نکتہ کے گرد گھوم کر یکسانیت کا شکار نہ ہو۔

۶۔ ممتحن بچوں کی سماعت وادراک کا مشاہدہ کرے اور دیکھے کہ طلبا گفتگو میں صرف اپنا حصہ ڈال رہے ہیں یا واقعتاً بات سمجھ کر گفتگو میں شریک ہو رہے ہیں۔

۷۔ ممتحن اس امر پر بھی غور رکھے کہ کون منطقی انداز میں بات کرتا ہے اور کسی کی گفتگو میں جذباتیت زیادہ نمایاں ہے۔

۸۔ ممتحن کو بحث کے دوران ہی طلبا کے معیار کی رریکارڈ سازی کر لینی چاہیے کیونکہ بیس پچیس طلبا کی جماعت میں بھی یہ دعویٰ کرنا ممکن نہیں کہ ممتحن کو سب بچوں کا ردِ عمل زبانی یاد ہو گیا ہے۔ ممکن ہے بعد میں ریکارڈ سازی کے دوران بہت سے نکات فراموش ہو جائیں۔ چنانچہ معیاری آزمائش کے لیے ضروری ہے کہ ممتحن معیار بندی اور اس معیار بندی کی ریکارڈ سازی فوراً کر لے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۳۔

مشقیں:

> ''مشق کے لفظی معنی کسی کام کو بار بار کرنا ہے۔ تاہم تدریسی عمل میں وہ سرگرمیاں جو کسی نئے سبق، کام اور مہارت پر عبور اور حتمی معیار بندی میں معاون ہوتی ہیں، مشقیں کہلاتی ہیں۔''

یعنی وہ سرگرمیاں جو اولاً کسی عمل میں مہارت کے لیے کی جاتی ہیں اور پھر حتمی معیار بندی کے کام آتی ہیں۔

مشقوں کی اہمیت:

تدریسی عمل اور جائزہ و پیمائش میں مشقوں کی بہت اہمیت ہے جو درج ذیل نکات کی روشنی میں دیکھی جا سکتی ہے:

۱۔ چونکہ مشقوں کا تعلق عملی سرگرمی سے ہے اس لیے ان سے حاصل ہونے والا علم مشاہداتی اور تجرباتی نوعیت کا ہوتا ہے جو زبانی وضاحت کے مقابلہ میں زیادہ موثر ہوتا ہے۔

۲۔ طلبا پر علم حاصل کرنے کے مختلف طریقے منکشف ہوتے ہیں۔

۳۔ مشقوں سے حاصل ہونے والا علم زیادہ پختہ ہوتا ہے۔

۴۔ بار بار کی مشق سے بچوں کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔ مشقوں سے بچوں میں اضافی مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

قابل لحاظ امور:

جائزہ و پیمائش میں مشقیں کرواتے وقت چند اہم امور مدِ نظر رہنے چاہئیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔مشق بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق ہواور پہلے تدریسی عمل میں اس کا عملی مشاہدہ، تجربہ اور مظاہرہ ہو چکا ہو۔

۲۔مشق بچوں کے عمومی ماحول کے مطابق ہو۔یعنی مشق کی تکمیل کے لیے بچوں کو روزمرہ زندگی کے امور سے زیادہ ہٹنا نہ پڑے۔

۳۔مشقوں میں دلچسپی کا عنصر موجود ہو کیونکہ عدم دلچسپی کی صورت میں بچے مشقوں سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔نتیجتاً مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو پاتے۔

۴۔دھیان رہے کہ مشقی امور بچے خود سرانجام دیں۔بسا اوقات والدین یا بڑے بہن بھائی چھوٹے بچوں کا کام کر دیتے ہیں۔ظاہر ہے یہ ایک منفی عمل ہے جو تدریسی مقاصد اور درجہ بندی کو متاثر کرتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۷۴۔

کلاس ٹیسٹ:

''کلاس ٹیسٹ سے مراد وہ امتحانی طریقہ ہے جو سکول کی سطح پر منعقد کیا جاتا ہے۔اس میں مضمونی اور معروضی دونوں طرح کی آزمائشیں شامل ہیں۔''

مضمونی آزمائش:

''آزمائش کی وہ قدیم صورت جس میں سوالات کا تفصیلی جواب درکار ہوتا ہے۔''

مضمونی آزمائش کی خوبیاں اور خامیاں:

۱۔مضمونی آزمائش کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ اس سے طلبا کی تفہیمی صلاحیتوں کا درست اندازہ ہو جاتا ہے۔یعنی معلوم ہو جاتا ہے کہ طلبا کو اسباق کی کس حد تک سمجھ آ پائی ہے۔

۲۔چونکہ طلبا سے تفصیلی جواب کی توقع کی جاتی ہے اس لیے ان کی تنقیدی اور تقابلی صلاحیتوں کے اندازے کے لیے بھی یہ طریقہ مفید ہے۔

۳۔تفصیلی جواب کی بدولت ہی طلبا کے عمومی رجحانات سے آگہی کے لیے بھی مضمونی آزمائش معاون ہے۔

۴۔مضمونی آزمائش کی ایک خامی یہ ہے کہ یہ ابتدائی جماعتوں میں قدرے غیر موزوں ہے چونکہ بچے تفصیلی جواب کی معیاری قدرت نہیں رکھتے۔

۵۔اس آزمائشی طریقہ کے نتیجے میں طلبا مکمل نصاب کی بجائے منتخب اسباق تیار کر کے بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔نتیجتاً مکمل نصاب کا احاطہ نہیں ہو پاتا۔

۶۔بسا اوقات متعلمین تفصیلی جواب تو لکھ دیتے ہیں لیکن ان کا جواب غیر متعلقہ معلومات سے بھرپور ہوتا ہے۔یوں آزمائشی وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور جامع پرکھ بھی نہیں ہو پاتی۔

معروضی آزمائش:

''معروضی آزمائش میں موضوع کی پاسداری ضروری ہوتی ہے اور نفسِ مضمون سے گریز کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

معروضی آزمائش کی خصوصیات:

ا۔معروضی آزمائش میں نصاب کا بخوبی احاطہ ہوجاتا ہے۔

۲۔معروضی آزمائش ابہام سے پاک ہوتی ہے۔جواب یادرست ہوتا ہے یا غلط۔

۳۔ معروضی آزمائش کی جانچ آسان ہوتی ہے۔

۴۔معروضی آزمائش کا ایک اہم مسئلہ جامعیت کا فقدان ہے۔یعنی مختصر جوابات میں وضاحت اور تشریح کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۵۔طلبا بسا اوقات اندازے سے جواب دے دیتے ہیں چنانچہ اس آزمائش میں تُکّ بندی کا احتمال رہتا ہے۔

المختصر کلاس ٹیسٹ ترتیب دیتے وقت مضمونی اور معروضی آزمائشوں کی خوبیوں اور خامیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حتمی فیصلہ کرنا چاہیے اور دونوں نوع کی آزمائشوں کے امتزاج کو ترجیح دینی چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۷۵۔

معیاری ٹیسٹ:

''معیاری ٹیسٹ سے مراد وہ آزمائشیں ہیں جو سکول کے معلمین کی بجائے ماہرینِ تعلیم ترتیب دیتے ہیں اور جنہیں بیک وقت ہزاروں طلبا کی جانچ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔''

منقولہ بالا تعریف سے معیاری ٹیسٹ کے دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ ان ٹیسٹوں کی نوعیت عمومی ہوتی ہے۔یعنی ان میں کسی خاص سکول یا علاقے کے بچوں کی بجائے ہزاروں طلبا کے لیے ٹیسٹ بنایا جاتا ہے۔

دوم یہ کہ چونکہ یہ ٹیسٹ ماہرینِ تعلیم ترتیب دیتے ہیں اس لیے توقع کی جاتی ہے کہ ان کا معیار عام سکول ٹیسٹوں سے بہتر ہوگا۔

پانچویں، آٹھویں اور نویں دسویں کے بورڈ کے امتحانات معیاری ٹیسٹوں کی صورت ہیں۔

معیاری ٹیسٹ کے مقاصد:

معیاری ٹیسٹ کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

ا۔دیکھا جائے کہ طلبا کا عمومی معیار کیا ہے۔یعنی ایک پرچہ کو مختلف سکولوں اور جگہوں کے طلبا کس حد تک حل کر پاتے ہیں۔یوں طلبا کے عمومی معیار کا اندازہ ممکن ہوجاتا ہے۔

۲۔دیکھا جائے کہ تیار کردہ نصاب وسیع پیمانے پر کس حد تک کامیابی سے چل رہا ہے۔اس آزمائش کے نتیجے میں نصاب پر نظرِ ثانی ممکن ہو جاتی ہے۔

۳۔وسیع پیمانے پر جائزہ کے لیے پرچہ بناتے وقت سوالات کی نوعیت بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔چنانچہ معیاری ٹیسٹ سے اس بات کا اندازہ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے کہ کس طرح کے سوالات زیادہ مشکل تصور کیے جا رہے ہیں اور طلبا کن سوالات کو زیادہ حل کرتے ہیں۔

۴۔ معیاری ٹیسٹ کا ایک اہم مقصد طلبا کی لیاقت کی درجہ بندی بھی ہوتا ہے۔ اس آزمائش سے معلوم ہوجاتا ہے کہ انفرادی سطح پر کون کس مقام پر ہے۔

معیاری ٹیسٹ کے فوائد:

ا۔ معیاری ٹیسٹ کا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ یہ عام معلمین کی بجائے ماہرینِ تعلیم ترتیب دیتے ہیں۔ چنانچہ اس میں کمزوری کی توقع مقابلتاً کم ہوتی ہے۔

۲۔ چونکہ معیاری ٹیسٹ کے ممتحنین کا انتخاب بھی مختلف جگہوں سے کیا جاتا ہے اس لیے اس آزمائش میں جانبداری کا اندیشہ نہیں رہتا۔

۴۔ طلبا کی لیاقت کا درست اندازہ ہوجاتا ہے۔

۴۔ معیاری ٹیسٹ کی بدولت سکولوں کی درجہ بندی بھی ممکن ہوتی ہے۔ چنانچہ سکولوں کے معیار کا درست اندازہ بھی معیاری ٹیسٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔

سبق نمبر: ۳۰

جائزہ و پیمائش: بااعتبار مدت:

ساخت کے اعتبار سے جائزہ و پیمائش پر بات کر لینے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ مدت کے حوالہ سے جائزہ و پیمائش کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۶۔

روزانہ جائزہ:

''روزانہ جائزہ سے مراد روز کی جانے والی جانچ ہے۔''

یعنی روز کی بنیاد پر کی جانے والی جانچ جس میں ہلکے پھلکے انداز میں اس امر کو پرکھا جا سکتا ہے کہ جو کچھ بچوں کو سکھایا جا رہا ہے، کیا وہ اس کو حاصل بھی کر پا رہے ہیں؟ اس سلسلہ میں روزانہ جائزہ میں مختصر آزمائشوں کے ذریعے بچوں کی پرکھ کی جاتی ہے۔

روزانہ جائزہ کی مختصر صورتیں:

روزانہ جائزہ کی مختصر صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ **دورانِ سبق جائزہ:** یعنی سبق کے دوران سبقی تقسیم کی بنیاد پر بچوں سے مختصر سوالات پوچھے جا سکتے ہیں۔ یہ سوالات قواعد کے حوالہ سے بھی ہو سکتے ہیں اور سبقی وضاحت یا ترتیب کے بارے میں بھی۔ تاہم دورانِ سبق جائزہ کو بہر حال مختصر اور زبانی ہونا چاہیے۔

۲۔ **سبق کے خاتمہ پر جائزہ:** سبق کے آخر میں طلبا سے پوچھے جانے والے سوالات اس ذیل میں آتے ہیں۔ یہ سوالات بالعموم اسباق کے آخر میں دی گئی مشقوں، خود آزمائی اور سرگرمیوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔ معلم اپنی صوابدید پر نئے سوالات اور ورک شیٹس بھی تشکیل دے سکتا ہے۔

۳۔ **تفویض کار:** تفویض کے معنی دینا کے ہیں جبکہ کار کا مطلب کام ہے۔ گویا تفویض کار سے مراد گھر کے لیے دیا جانے والا کام ہے۔ چونکہ گھر کے لیے بچوں کو روزانہ کی بنیاد پر کام دیا جاتا ہے۔ اس لیے اسے روزانہ جائزہ کی ذیل میں لاتے ہیں۔

۴۔ **آموختہ:** آموختہ کا مطلب سیکھا ہوا کے ہیں۔ روزانہ جائزہ کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ معلم ماضی قریب میں بچوں کو پڑھائے ہوئے اسباق میں سے کسی کے متعلق مختصر سوالات کر سکتا ہے۔ یہ سوالات گزشتہ سبق اور موجودہ سبق میں تسلسل کے تناظر میں بھی کیے جا سکتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۷۔

ہفتہ وار جائزہ:

''ہفتہ وار جائزہ سے مراد ایک ہفتہ میں پڑھائے گئے اسباق کی مختصر تحریری آزمائش ہے۔''

منقولہ تعریف سے تین مختلف پہلوؤں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اول یہ کہ یہ جائزہ ایک ہفتہ کے بعد منعقد ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ جائزہ زبانی نہیں تحریری ہوتا ہے اور سوم یہ کہ اس جائزہ میں اختصار کا خیال رکھا جاتا ہے۔

ہفتہ وار جائزہ کی اہمیت و فوائد:

۱۔ ہر ہفتہ رسمی نوعیت کا ایسا جائزہ جس کے متعلق طلبا جانتے ہوں کہ اس کا ریکارڈ بھی رکھا جائے گا، اس حوالہ سے نہائت مفید ہے کہ طلبا تعلیمی سفر کے دوران کسی بھی سطح یا مرحلہ پر ست الوجودی کا شکار نہیں ہوتے بلکہ ہر لمحہ مستعد رہتے ہیں۔

۲۔ طلبا کے لیے ہفتہ وار بنیادوں پر پڑھے گئے اسباق کو ذہن نشین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بصورتِ دیگر کئی مرتبہ یہ حقیقت دیکھنے میں آئی ہے کہ طلبا مہینہ بھر کچھ نہیں کرتے اور پھر آخر میں چند روز سب کچھ رٹ لینا چاہتے ہیں۔ گو یا ہفتہ وار جائزہ سے طلبا کے لیے اسباق ذہن نشین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہر ہفتہ تحریری جائزہ کے نتیجہ میں معلمین کو تدریسی عمل پر نظرِ ثانی کرنے کا موقع میسر آتا ہے۔ ہر ہفتہ جائزہ کے باعث معلمین جان پاتے ہیں کہ کس نوع کے نکات طلبا سمجھ رہے ہیں اور کونسے نکات کس سبب سے طلبا کے لیے مشکلات کا باعث بن رہے ہیں۔ ایسی صورت میں معلمین اپنے تدریسی عمل پر بہتر انداز میں غور کر سکتے ہیں۔

۴۔ وہ اسباق جو معلمین کی تمام تر کاوش کے باوجود طلبا کے لیے مبہم یا ناقابلِ تفہیم رہتے ہیں، ان کا ایک محرک کمزور یا غلط تدریسی اقدامات ہو سکتے ہیں۔ ہفتہ وار جائزہ ان اقدامات کی جگہ نئے اقدامات متعارف کروانے میں بھی معاون ہوتا ہے۔

۵۔ چونکہ ہفتہ وار جائزہ تحریری نوعیت کا ہوتا ہے اس لیے اس کا ریکارڈ بنانا ممکن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہفتہ وار جائزہ کو جامع جائزہ و پیمائش کی بنیاد بھی کہا جا سکتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۷۸۔

ماہانہ جائزہ:

''ماہانہ جائزہ میں ایک ماہ میں پڑھے گئے اسباق کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تحریری و تقریری نوعیت کے اس جائزہ میں تمام بنیادی لسانی مہارتوں کا احاطہ مقصود ہوتا ہے۔''

یعنی اس جائزہ کی زمانی اعتبار سے یہی تعریف ہے کہ اس میں ایک ماہ میں پڑھے گئے اسباق کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ امر بھی ذہن نشین رکھنے کا ہے کہ ماہانہ جائزہ میں تمام لسانی مہارتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اس لیے یہ جائزہ صرف تحریری یا محض تقریری نہیں نہیں ہو سکتا۔

ماہانہ جائزہ کی اہمیت اور فوائد:

ماہانہ جائزہ موسمِ گرما کی تعطیلات کو چھوڑ کر سال میں آٹھ سے نو مرتبہ منعقد ہوتا ہے۔مستقلاً پیمائش کے باعث ماہانہ جائزہ کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ بار بار کی آزمائش سے بچوں میں مقابلہ کی فضا جنم لیتی ہے جس کے نتیجے میں طلبا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں یہ مقابلہ کی فضا بچوں کو زیادہ سے زیادہ پڑھائی کی طرف مائل رکھتی ہے۔

۲۔ بالعموم جہاں ماہانہ جائزہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، ان سکولوں میں اس جائزہ کی با قاعدہ رپوٹیں بنائی جاتی ہیں۔ یوں ریکارڈ سازی میں معاونت ہوتی ہے۔یہی رپوٹیں بعدازاں حتمی جائزہ کی بنیاد بن جاتی ہیں۔

۳۔ ہر ماہ جامع جائزہ کے باعث معلم کے لیے طلبا کی درجہ بندی آسان ہوجاتی ہے۔ نیز معلمین کو یہ جاننے کا موقع بھی ملتا ہے کہ کون سا طالبعلم کس مہینے کس مقام پر رہا۔ یوں معلمین یہ بھی جان پاتے ہیں کہ آخر کن وجوہات کی بنا پر کوئی متعلم اپنی کارکردگی کو قائم نہیں رکھ سکا اور کس متعلم کی تعلیمی کارکردگی بہتر ہوئی۔

۴۔ ماہانہ جائزہ معلمین کے لیے مقاصدِ تعلیم پر نظر رکھنے کے حوالے سے بھی مفید ہے۔ بسا اوقات ہم بہت سے اضافی مقاصد تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن بنیادی تعلیمی مقاصد نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ ماہانہ جائزہ معلمین کو طے شدہ مقاصد تعلیم کے عین مطابق رہنے میں مدد دیتا ہے۔

۵۔ ماہانہ جائزہ کے باعث معلمین بچوں کے بدلتے ہوئے رجحانات پر بھی نظر رکھ پاتے ہیں۔ اسباق کی نوعیت، گھریلو حالات اور گرد و نواح کے واقعات متعلمین کی سوچ اور رجحانات کو متاثر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر مہینہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ بچوں کی نفسیات میں کس نوع کی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۷۹۔

سہ ماہی جائزہ:

''تین ماہ کی ذیلی منزل کی تکمیل پر منعقد ہونے والی جامع جانچ کو سہ ماہی جائزہ کہتے ہیں۔''

ہمارے یہاں بہت سے سکولوں میں تعلیمی سال کو تین تین ماہ مین تقسیم کرلیا جاتا ہے۔نصاب کو بھی اسی اعتبار سے مختلف حصوں میں بانٹ لیا جاتا ہے۔ یوں ہر تین ماہ بعد طے شدہ نصاب کے مطابق امتحانات کا انعقاد ہوتا ہے۔ یہ امتحانات جامع نوعیت کے ہوتے ہیں اور اگلے سہ ماہی امتحانات میں پچھلے نصاب کو نہیں دُہرایا جاتا۔ یوں ہر سہ ماہی امتحان نصابی تقسیم کا حتمی امتحان ہی ہوتا ہے۔ آخر میں تمام سہ ماہی امتحانات کے نتائج کو یکجا کر کے حتمی نتیجہ ترتیب دیا جاتا ہے۔

سہ ماہی جائزہ کے فوائد:

سہ ماہی جائزہ کسی حد تک ایک جدید جائزہ جاتی نظام ہے اور بہت سے سکولوں میں کامیابی سے آزمایا جارہا ہے۔اس کے چند اہم فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ چونکہ اس نوع کے جائزہ جاتی نظام میں نصاب کو تین سے چار حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اس لیے اساتذہ اور طلبا دونوں کے لیے آسانی ہو جاتی ہے۔

۲۔ مختصر ٹکڑوں میں تقسیم اور بار بار یاد کرنے کی الجھن سے آزادی کے باعث طلبا کے لیے اسباق یاد کرنا مشکل نہیں رہتے۔ سالانہ جائزہ جاتی نظام میں خواہ کتنے ہی ہفتہ وار یا ماہانہ امتحانات ترتیب دے لیے گئے ہوں، سال بعد تمام نصاب پر مشتمل پرچہ کی تیاری کرنا پڑتی ہے جو ایک مشکل عمل محسوس ہوتا ہے۔ نیز ایسی صورت میں طلبا ہفتہ وار یا ماہانہ امتحانات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

سہ ماہی امتحان چونکہ مختصر نصاب پر مشتمل ہوتا ہے اور اپنی نوعیت میں حتمی ہوتا ہے اس لیے طلبا اسے زیادہ سنجیدگی سے لیتے ہیں۔

۳۔ نصابی تقسیم کے باعث، مجموعی نصاب کا بہتر احاطہ ہو جاتا ہے۔ معلم اور متعلم دونوں جانتے ہیں کہ انہیں طے شدہ نصاب کو تین ماہ کی مدت میں مکمل کرنا ہے۔ چنانچہ نصاب کے تمام حصوں کو یکساں توجہ ملتی ہے۔

۴۔ سہ ماہی نظام تمام لسانی مہارتوں پر مساوی توجہ کے حوالہ سے بھی مفید ہے۔

۵۔ یہ امتحانی طریقہ ہر جماعت کے لیے یکساں طور پر فائدہ مند ہے اور ابتدائی تعلیم کے تمام مدارج سے ثانوی اور اعلیٰ تعلیم تک کامیابی سے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

سہ ماہی جائزہ کے نقصانات:

بالعموم سہ ماہی نظام کو مثبت انداز میں ہی لیا جاتا ہے تاہم عملی تجربات سے دو ایسے نکات سامنے آئے ہیں جنہیں سہ ماہی نظام کے نقصانات یا مسائل قرار دیا جا سکتا ہے:

۱۔ یہ جائزہ جاتی طریقہ بسا اوقات طلبا کے لیے بوجھل بن جاتا ہے اور انہیں کم مدت میں زیادہ نصاب تیار کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح معلمین کے لیے بھی کم مدت میں بچوں کو زیادہ اسباق پڑھانا پڑتے ہیں۔ نیز سہ ماہی کے دوران کی ذیلی آزمائشوں کی تیاری اور جانچ بھی معلمین کے لیے مسئلہ بن جاتی ہے۔

اس مسئلہ کا حل دراصل نصاب کی تقسیم میں مضمر ہے۔ ہمارے یہاں کم وقت میں زیادہ موضوعات پڑھانے کی کوشش ایسے مسائل کو جنم دیتی ہے۔ چنانچہ سہ ماہی نظام میں نصاب ترتیب دیتے وقت معلمین اور طلبا دونوں کی اہلیت اور صلاحیت کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ سہ ماہی نظام میں زیادہ تعلیمی مصروفیت کے باعث غیر نصابی سرگرمیوں کے لیے وقت نہیں ملتا۔ نتیجتاً طلبا کتابی کیڑے بن کر رہ جاتے ہیں۔

اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ نصاب کو ہی اس انداز میں ترتیب دیا جائے کہ ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے لیے مناسب وقت دیا جا سکے۔ تحصیلِ زبان کے مضامین میں چند ہم نصابی سرگرمیوں کو نصاب میں بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۸۰۔

ششماہی جائزہ:

''سال کے وسط تک پڑھے گئے اسباق کی جامع جانچ کو ششماہی جائزہ کہتے ہیں۔''

جائزہ کا یہ طریقہ اب ماہانہ اور سہ ماہی جائزہ جات میں ضم ہو چکا ہے۔البتہ چند روایتی مدارس میں یہ طریقہ بروئے کار لایا جاتا ہے۔

ششماہی جائزہ کے اہم نکات:

دورِ حاضر میں ششماہی جائزہ کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا۔البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ طریقہ صریحاً منفی یا غلط ہے۔ جہاں آج اس کے بہت سے مسائل کی نشاندہی کی جاتی ہے وہیں اس کے چند فوائد بھی ہیں۔ششماہی جائزہ کے فوائد اور مسائل ذیلی نکات کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں:

۱۔اس جائزہ جاتی طریقہ میں نصاب کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا جاتا ہے۔گویا نصابی تقسیم بہت سی پیچیدگیوں سے بچ جاتی ہے۔

۲۔اس طریقہ میں تمام لسانی مہارتوں پر یکساں طور پر توجہ دی جاسکتی ہے۔

۳۔اس طریقہ میں چونکہ سال میں صرف دو جامع امتحان منعقد کیے جاتے ہیں اس لیے تدریسی عمل کے لیے بہت سا وقت مل جاتا ہے۔

۴۔چونکہ سال میں صرف دو امتحانات منعقد ہوتے ہیں اس لیے اس جائزہ جاتی نظام میں فیڈ بیک بہت کمزور ہوتا ہے۔گویا چھ ماہ تک معلم صرف پڑھاتا رہتا ہے اور اسے یہ جاننے کا موقع نہیں ملتا کہ اس کی تدریس کس حد تک موثر ہے اور اسے اپنے انداز یا تدریسی اقدامات میں کس نوعیت کی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔اس سقم کے باعث تعلیمی مقاصد کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

۵۔سال میں صرف دو جائزوں کے باعث معلم اپنے طے شدہ تدریسی اقدامات پر نظرِ ثانی نہیں کر پاتا۔ پہلے چھ ماہ مکمل ہونے کے بعد اگر اسے اپنے تدریسی اقدامات نامناسب معلوم ہو بھی جائیں تو تب تک نصف نصاب مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔

۶۔ یہ جائزہ جاتی طریقہ چھوٹی جماعتوں کے لیے موزوں نہیں ہے۔چھوٹے بچوں سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ چھ ماہ تک پڑھائے گئے اسباق کا بیک وقت امتحان دیں۔

۷۔اس جائزہ جاتی نظام کے نتیجہ میں طلبا سستی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ امتحانات چھ ماہ کے بعد ہوں گے اس لیے ابتدائی مہینوں میں ان کی توجہ پڑھائی کی طرف زیادہ نہیں رہتی۔

۸۔ششماہی جائزہ میں طلبا کے نفسیاتی رجحانات اور بتدریج بدلتے ہوئے مزاج کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔گویا طلبا صرف نصابی اعتبار سے پرکھے جاتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۱۔

سالانہ جائزہ:

''سال بھر کے تدریسی عمل کے بعد اگلے درجہ میں ترقی کے لیے منعقد کیا جانے والا جائزہ، سالانہ جائزہ کہلاتا ہے۔''

دراصل ہمارے بہت سے سکولوں میں مخلوط نظام رائج ہے۔سہ ماہی امتحانات کے بعد تعلیمی سال کے آخر میں مجموعی امتحان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ترتیب کے اعتبار سے تیسری یا چوتھی سہ ماہی سال کا آخری امتحان ہوسکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس میں تمام نصاب کا ازسرِ نو جائزہ

لیا جائے۔اس کے باوجود ہمارے بہت سے سکولوں میں ایسا کیا جاتا ہے۔

ایسے بھی بہت سے سکول ہیں جہاں خالصتاً سالانہ جائزہ جاتی طریقہ رائج ہے۔ایسے سکولوں میں تعلیمی سال کے دوران چند ذیلی آزمائشیں منعقد ہوتی ہیں

لیکن انہیں ریکارڈ کا حصہ نہیں بنایا جاتا اور نہ ہی وہ حتمی طور پر متعلم کے نتائج پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ چنانچہ معلم اور متعلمین ان آزمائشوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔یہی وجہ ہے کہ سالانہ جائزہ جاتی طریقہ کو زیادہ موثر نہیں سمجھا جاتا۔

سالانہ جائزہ کی دوصورتیں:

سالانہ جائزہ کی دوصورتیں کلاس ٹیسٹ اور معیاری ٹیسٹ ہیں۔

(الف) کلاس ٹیسٹ سے مراد سکول کی سطح پر سال بعد منعقد ہونے والا امتحان ہے جس کے بعد متعلم کو اگلے درجہ میں ترقی دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

(ب) معیاری ٹیسٹ سے مراد ماہرینِ تعلیم کا تیار کردہ وہ امتحان ہے جس کے ذریعے بیک وقت ہزاروں طلبا کی تعلیمی لیاقت کو جانچا جاتا ہے۔ہمارے یہاں پانچویں، آٹھویں، نویں اور دسویں جماعت کے امتحانات سکول کی سطح پر معیاری ٹیسٹ کی صورتیں ہیں۔

سالانہ جائزہ کے اہم نکات:

۱۔سالانہ جائزہ کے ذریعے طلبا کی درجہ بندی ممکن ہوجاتی ہے۔گویا طے کرنا ممکن ہوجاتا ہے کہ کس متعلم کو اگلے درجہ میں ترقی ملے گی اور کون موجودہ درجہ میں رہے گا۔

۲۔چونکہ سالانہ جائزہ میں وسط مدتی امتحانات کو زیادہ اہمیت نہیں ملتی اس لیے اسی ایک جائزہ کی بنیاد پر متعلم کی مجموعی کارکردگی کا تعین کیا جاتا ہے۔جہاں قلیل مدتی امتحانات اور سالانہ امتحان کا مخلوط نظام رائج ہے وہاں کسی حد تک یہ مجموعی تعین حقیقت کے قریب تر ہوتا ہے لیکن جہاں محض سالانہ جائزہ ہی پرکھ کی کسوٹی ہے وہاں مجموعی کارکردگی کا تعین واجبی سا ہی ہوتا ہے۔

۳۔یہ جائزہ جاتی طریقہ لائق طلبا کے لیے سہولت کا باعث ہے۔وہ سال کا زیادہ تر حصہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں اور آخر میں اسباق ذہن نشین کر لیتے ہیں۔

۴۔کمزور طلبا کے لیے یہ طریقہ اس لیے ایک مسئلہ بن جاتا ہے کہ انہیں مکمل نصاب بیک وقت تیار کرنا پڑتا ہے۔ایسے طلبا کے لیے سہ ماہی نظام بہتر ہوتا ہے کہ وہ منقسم نصاب کو یاد کرتے ہیں اور اگلی بار انہیں وہی اسباق دوبارہ یاد نہیں کرنے پڑتے۔

۵۔سالانہ جائزہ میں نصاب کا مکمل احاطہ نہیں ہوتا۔ایک پرچہ میں آٹھ دس سوالات سے زائد شامل نہیں کیے جاسکتے۔طلبا محض اہم سوالات کو تیار کر لیتے ہیں یوں باقی ماندہ نصاب کی طرف کسی کی توجہ نہیں جاتی۔

۶۔اس طریقہ میں مقاصدِ تعلیم پر نظر رکھنا بھی ممکن نہیں۔سال بعد ایک تین گھنٹے کے پرچہ سے تعین کرنا ممکن نہیں کہ مطلوبہ تعلیمی مقاصد کس حد تک حاصل ہوئے۔یوں یہ طریقہ درست طور پر تعلیمی مقاصد کا ترجمان نہیں ہوسکتا۔

المختصر سہ ماہی جائزہ کو اس کے تقاضوں اور اصل نوعیت کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو اس سے بہت سے فوائد لیے جا سکتے ہیں۔

سبق نمبر:۳۱۔

پرچہ کی تیاری:

جائزہ اور پیمائش خواہ کیسی بھی ہو، بہر حال ایک معیاری پرچہ کے بغیر کامیاب آزمائش کا تصور محال ہے۔ چنانچہ جائزہ اور پیمائش کی مختلف صورتوں اور اقسام پر گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ معیاری پرچہ کیسے تشکیل دیا جاتا ہے۔ ذیل میں ان اہم مراحل اور پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے جو معیاری پرچہ بناتے وقت معلم اور ممتحنین کو مدِ نظر رکھنے چاہئیں:

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۲۔

منصوبہ بندی:

معیاری پرچہ تشکیل دیتے ہوئے سوالات منتخب کرنے سے پہلے پرچہ کی باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔

''منصوبہ بندی میں مقاصد کا تعین کرنا، نفسِ مضمون کا تعین کرنا اور امتحانی خاکہ ترتیب دینا شامل ہے۔''

منقولہ بالا تعریف سے منصوبہ بندی کے مرحلہ کے تین اہم پہلو سامنے آتے ہیں جن پر ذیل میں روشنی ڈالی گئی ہے:

(الف) مقاصد کا تعین:

مقاصد کا تعین کرتے وقت ضروری ہے کہ:

۱۔ نصاب کے مقاصد پر نظر رکھی جائے تاکہ اسی حوالہ سے پرچہ کے سوالات ترتیب دیے جا سکیں۔ نصاب کے مقاصد کا خیال رکھنا ماہانہ جائزہ سے سالانہ جائزہ تک کے تمام پرچہ جات میں ضروری ہے۔ مختصر مدتی امتحانات میں نصاب کے محض وہ مقاصد دیکھے جائیں گے جو زیرِ امتحان محدود نصاب سے متعلق ہوں گے جبکہ حتمی امتحان میں نصاب کے تمام مقاصد مدِ نظر رہنا چاہئیں۔

۲۔ نصاب کے طے شدہ مقاصد کے ساتھ ساتھ ہر معیاری معلم اپنے متعلمین کو دیکھتے ہوئے چند مقاصد خود بھی طے کرتا ہے۔ پرچہ کی تیاری کے دوران ان مقاصد کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

۳۔ مقاصد کے حصول کا پتا چلانے کے لیے ان سے متعلقہ سوالات ترتیب دیے جانے چاہئیں۔ گویا مقاصد کی روشنی میں سوالات ترتیب دیے جائیں۔

(ب) نفسِ مضمون کا تعین:

مقاصد پر از سرِ نو نظر کر لینے کے بعد نفسِ مضمون کا تعین کرتے وقت ضروری ہے کہ:

۱۔زیرِ امتحان عنوانات و اسباق کا تعین کیا جائے۔مختصر مدتی امتحانات میں یہ تعین نصاب کی تقسیم کے عین مطابق ہوگا جبکہ سالانہ امتحانات میں مضمون کے تمام عنوانات میں سے کسی کو بھی پرچہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

۲۔عنوانات کی فہرست سازی کے بعد اہمیت کے اعتبار سے عنوانات کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ یہ اقدام اس لیے مفید ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پرچہ میں اہم عنوانات و اسباق فراموش ہو جائیں۔

۳۔اہم عنوانات و اسباق کے تعین کے بعد اہم اسباق و عنوانات کے متعلق مختلف سوالات ترتیب دیے جاتے ہیں۔واضح رہے کہ سوالات کی یہ تشکیل محض حتمی پرچہ میں رہنمائی کے لیے ہے اس لیے سوالات کی تعداد کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔زیادہ سوالات کا بہر حال یہ فائدہ ضرور ہے کہ حتمی

پرچہ میں سوالات کے انتخاب میں سہولت رہتی ہے۔

(ج)امتحانی خاکہ بنانا:

امتحانی خاکہ سے مراد ایک ایسا نمونہ جاتی پرچہ ہے جس میں تعین کیا جائے کہ:

۱۔کیا تمام اہم مطلوبہ عنوانات پرچہ کا حصہ بن رہے ہیں؟

۲۔کیا ترتیب دیے گئے سوالات سے تعلیمی مقاصد کے حصول یا عدم حصول کا پتہ لگایا جاسکتا ہے؟

۳۔کیا سوالات میں مقاصد اور عنوانات کا اہمیتی تناسب درست ہے؟

ان سوالات کا مثبت جواب ایک معیاری پرچہ کا ضامن ہوگا۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۳۔

پرچہ کی تیاری اور تشکیل:

پرچہ کے تشکیلی مرحلہ پر ذیلی امور مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ پرچہ کے ہر حصہ کے لیے ضرورت سے زائد سوالات کا انتخاب کیا جائے تاکہ بعد ازاں موزوں ترین سوالات چنے جاسکیں۔

۲۔متذکرہ زائد سوالات میں سے مطلوبہ سوالات منتخب کیے جائیں۔

۳۔منتخب سوالات پر نظرِ ثانی کی جائے اور دیکھا جائے کہ کہیں موضوعی یا تحریری حوالہ سے کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی؟

۴۔دیکھا جائے کہ کیا پرچہ وضع کردہ اصولوں کے عین مطابق ہے؟

یہاں وضع کردہ اصولوں سے مراد وہ ضوابط ہیں جو طلبا کو دورانِ تدریسی عمل بتائے گئے تھے۔ان اصولوں سے روگردانی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ایسا کرنا معلم اور متعلم دونوں کے لیے صحت مند عمل نہ ہوگا۔

۵۔دیکھا جائے کہ پرچہ پہلے ترتیب دیے گئے خاکہ سے مطابقت رکھتا ہے؟

۶۔دیکھا جائے کہ پرچہ میں شامل سوالات میں حسنِ ترتیب متاثر تو نہیں ہورہا؟ (بالعموم یہی سفارش کی جاتی ہے کہ سوالات کی تقدیم و تاخیر

نصابی اسباق کی مطابقت سے ہونی چاہیے۔)

۷۔سوالات کی تشکیل کے بعد پرچہ پر مطلوبہ ہدایات درج کی جاتی ہیں۔ضروری ہے کہ یہ ہدایات واضح،آسان اورحتمی نوعیت کی ہوں۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۴۔

آزمائشی مرحلہ:

پرچہ سازی کے بعد آزمائش کا مرحلہ آتا ہے۔اس مرحلہ پر متعلمین پرچہ حل کرنے کا کام کرتے ہیں۔ممتحنین کو اس مرحلہ پر درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے:

۱۔دیکھا جائے کہ کیا متعلمین کے پاس پرچہ حل کرنے کے لیے مطلوبہ سامان موجود ہے؟ بالخصوص چھوٹی جماعتوں میں مطلوبہ سامان کی یقین دہانی زیادہ ضروری ہوتی ہے کیونکہ چھوٹے بچوں سے احتیاط کی توقع،دورانِ پرچہ بہت سے مسائل کو جنم دے سکتی ہے۔

۲۔نقل کے رجحان کی حوصلہ شکنی کے لیے متعلمین کی نشستوں کی درست ترتیب آزمائشی مرحلہ کا ایک اہم لوازمہ ہے۔زیادہ قریب بیٹھنے کے نتیجہ میں فطری طور پر بچے نقل کی کوشش کرتے ہیں۔چنانچہ بچوں کی نشستوں میں مناسب فاصلہ ضروری ہے۔

۳۔نفسیاتی اعتبار سے بچوں کا امتحانی مرکز سے مانوس ہونا بھی ضروری ہے۔اس لیے معیاری ٹیسٹ کے موقع پر سفارش کی جاتی ہے کہ متعلمین پرچہ سے ایک روز قبل امتحانی مرکز کا دورہ کرلیں۔امتحانات کی انتظامیہ کو بھی بار بار کمروں کی ترتیب نہیں بدلنی چاہیے۔

سکول کی سطح پر انتظامیہ کو چاہیے کہ ہر ممکن حد تک بچوں کی آزمائش ان کے جماعتی کمرے ہی میں منعقد کریں۔

۴۔پرچہ کے دوران مناسب ماحول کی فراہمی بھی انتظامیہ کے فرائض کا حصہ ہے۔زیادہ شور،موسمی شدت اور پرسکون نشستوں کی عدم دستیابی سے بچوں کی آزمائش متاثر ہوسکتی ہے۔

۵۔اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ بچے آزمائش پر مکمل ارتکاز کرسکیں۔بسا اوقات ممتحنین کی بار بار کی ہدایات اور امتحانی مرکز میں افراد کی آمدو رفت بھی بچوں کی توجہ کو متاثر کرتی ہے۔

۶۔متذکرہ لوازمات کی یقین دہانی کے ساتھ ساتھ ممتحنین کی طرف سے مستعد نگرانی ہونی چاہیے۔اس امر کا احساس کہ نقل یا کسی بھی غیر سنجیدہ حرکت کے نتیجہ میں متعلمین کو نقصان ہوسکتا ہے،بچوں کو ازخود خلافِ ضابطہ اعمال سے روکے رکھتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۵۔

جوابی کاپی کی پرتال:

آزمائشی مرحلہ کے بعد جوابی کاپی کی پرتال کا مرحلہ آتا ہے۔گویا یہ دیکھا جاتا ہے کہ طلبا کی کاوشیں کس حد تک کامیاب رہیں۔اس مرحلہ پر معلم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ انتہائی احتیاط کے ساتھ جوابی کاپی کی پڑتال کرے کیونکہ اس کی چھوٹی سی غلطی یا بے احتیاطی متعلمین کے جائزہ جاتی عمل کو متاثر کرسکتی ہے۔چنانچہ اس عمل سے گزرتے ہوئے معلم کو درج ذیل نکات مدِنظر رکھنے چاہئیں:

۱۔معلم کو پڑتال کے بنیادی اصولوں سے آگہی ہو۔بالخصوص انشائی یا مضمونی نوعیت کے سوالات میں معیار بندی نہایت حساس ہوجاتی

ہے۔ایسے سوالات میں درست معیار کا تعین بہت ضروری ہے۔

۲۔معلم پرچہ میں دی گئی ہدایات سے بخوبی آشنا ہو اور جوابی کاپی دیکھتے وقت ان ہدایات کو ذہن نشین رکھے۔

۳۔معیاری ٹیسٹوں کی جوابی کاپیوں کی پڑتال کے وقت اگرچہ جانبداری کا سوال پیدا نہیں ہوتا البتہ سکولوں کے امتحانات میں معلم کو مکمل غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔کسی طالب علم کو زیادہ یا کم پسند کرنا ایک فطری عمل ہوسکتا ہے لیکن جوابی کاپی کی پڑتال کے وقت متعلم سے زیادہ اس کی تحریر کو اہمیت دینی چاہیے۔

۴۔اغلاط کی واضح طور پر نشاندہی کی جانی چاہیے تاکہ کسی اعتراض کی صورت میں ثابت کیا جاسکے کہ نمبروں میں کمی یا زیادتی کا کیا سبب تھا۔

۵۔بالخصوص سکول کے امتحان میں مطلوبہ مقامات پر مختصر رہنمائی بھی کر دینی چاہیے تاکہ بچوں کو جوابی کاپیاں دکھائی جائیں تو انہیں معلوم رہے کہ درست مطلوبہ جواب کیا ہوسکتا تھا۔ایسی صورت میں جماعت میں جوابی کاپیوں پر نظرِ ثانی کا مرحلہ آسان ہوجاتا ہے۔واضح رہے کہ جماعت میں جوابی کاپی پر طلبا کی نظرِ ثانی پانچویں جماعت کے بعد ہی ہونی چاہیے۔اس سے قبل جوابی کاپیاں نظرِ ثانی کے لیے بچوں کے گھر بھجوائی جاسکتی ہیں۔

۶۔جوابی کاپی پر موجود جوابات کے نمبر لگا لینے کے بعد معلم کو انتہائی احتیاط سے کل نمبروں کی جمع آوری کرنی چاہیے۔

۷۔تمام جوابی کاپیوں کی پڑتال کے بعد حاصل شدہ کل نمبر ایوارڈ لسٹ پر درج کیے جاتے ہیں۔یاد رہے کہ یہی ایوارڈ لسٹیں بعد ازاں طلبا کی درجہ بندی کی بنیاد بنتی ہیں چنانچہ ان میں درست اندراج ضروری ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۶۔

نتائج کی تیاری کے اصول:

جوابی کاپی کی پڑتال کے بعد معلمین مجموعی نتائج مرتب کرتے ہیں۔ہفتہ وار اور ماہانہ جائزہ میں تو مجموعی نتائج مرتب نہیں کرتے پڑتے لیکن حتمی جائزہ کے وقت تمام ذیلی جائزہ جات میں متعلمین کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہوئے ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے اس لیے نتائج کی تیاری بھی ایک حساس مرحلہ بن جاتا

ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے۔

۱۔معلم کو سکول انتظامیہ کی طرف سے نتائج کے متعلق وضع کردہ اصولوں سے آگہی ہو۔گویا وہ جانتا ہو کہ کس ذیلی جائزہ کو حتمی جائزہ میں کس تناسب کی اہمیت دینا ہے۔

۲۔معلم بنیادی ریاضی پر دسترس رکھتا ہو تاکہ جمع تفریق میں غلطی کا امکان نہ رہے۔

۳۔نتائج کی جمع آوری کے بعد مطلوبہ دستاویزات میں نتائج کا اندراج کیا جائے۔یہ دستاویزات سکول کے نظامِ امتحان کے مطابق مختلف ہوسکتی ہیں۔

۴۔حتمی رپورٹ پر طالب علم کے متعلق مختصر رائے زنی کی جانی چاہیے۔یہ بھی طلبا کی درجہ بندی کا ایک لوازمہ ہے۔

۵۔ ہمارے یہاں درجہ بندی کا روایتی معیار درج ذیل ہے:

۶۰فی صد سے زائد: فسٹ ڈویژن

۴۵ سے ۵۹ فیصد سے تک: سیکنڈ ڈویژن

۳۳ سے ۴۴ فیصد تک: تھرڈ ڈویژن

۳۳فی صد سے کم: فیل

۶۔ جدید درجہ بندی کا معیار کچھ یوں ہے:

۷۰ فیصد سے زائد: Grade A.

۶۰ سے ۶۹ فیصد تک: Grade B.

۵۰ فیصد سے ۵۹ فی صد تک: Grade C.

۴۰ سے ۴۹ فی صد تک: Grade D.

۴۰فی صد سے کم: Grade F.

ذیلی موضوع نمبر: ۱۸۷۔

گریڈنگ میں پرسنٹائل کا استعمال:

طلبا کی درجہ بندی کے لیے استعمال ہونے والے طریقوں میں ایک جدید طریقہ پرسنٹائل رینک (فیصدی درجہ) ہے۔

"جائزہ جاتی نظام میں پرسنٹائل سے مراد درجہ بندی کا وہ کلیہ ہے جو مجموعی تعلیمی عمل میں متعلم کے تقابلی درجہ کا تعین کرتا ہے۔"

منقولہ تعریف سے پرسنٹائل کے دو پہلو سامنے آتے ہیں:

اول: تقابلی درجہ بندی، یعنی اس طریقہ میں محض یہ دیکھ لینا کافی نہیں کہ طالب علم نے کسی مضمون میں کتنے نمبر حاصل کیے ہیں۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جماعت کے دیگر طلبا کے مقابلہ میں کسی خاص طالب علم کا کیا مقام ہے۔

دوم: مجموعی تعلیمی عمل، یعنی صرف یہ دیکھنا کافی نہیں کہ طالب علم نے فلاں پرچہ میں کتنے نمبر حاصل کیے۔ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کے دیگر نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں طالب علم کا کیا معیار رہا۔

پرسنٹائل کی مثال:

چونکہ پرسنٹائل رینک کی بنیاد محض متعلم کے اپنے نمبر نہیں ہوتے اور دیکھا جاتا ہے کہ دیگر طلبا کے مقابلہ میں کوئی طالب علم کس مقام پر ہے اس لیے دیگر طلبا کے معیار کے بغیر اس ایک طالب علم کے درجہ کا تعین ممکن نہیں رہتا۔

مثلاً اگر ایک طالب علم نے نوے فی صد نمبر حاصل کیے اور اس کے نمبر جماعت میں چوراسی فی صد طلبا سے زائد ہیں تو اس کا پرسنٹائل

رینک (فیصدی درجہ) چوراسی ہوگا۔

دوسری طرف اگر ایک طالب علم نے پچاس فی صد نمبر حاصل کیے اور اس کے حاصل کردہ نمبر چورانوے فی صد طلبا سے زائد ہیں تو اس کا پرسنٹائل رینک (فی صدی درجہ) چورانوے ہوگا۔

گویا پہلی صورت میں زیادہ نمبر لینے کے باوجود پرسنٹائل رینک کم رہا چونکہ تقابلی بنیاد پر سولہ فی صد طلبا کے نمبر اس سے زیادہ ہیں جبکہ دوسری مثال میں کم نمبر پر بھی پرسنٹائل رینک زیادہ ہو گیا چونکہ صرف چھ فی صد طلبا کے نمبر اس طالب علم سے زیادہ ہیں۔

المختصر، درجہ کا تعین جماعت کے دیگر طلبا کے مجموعی مقام کی روشنی میں ہوگا۔

مضامین کی مجموعی گریڈنگ کا کلیہ:

مضامین کی مجموعی گریڈنگ کے لیے گریڈز کو .A B.C.D.F وغیرہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ہر گریڈ کو ایک عددی درجہ دے دیا جاتا ہے۔مثلاً A=4 اور B=3 تصور کر لیا جائے تو چار مضامین پڑھنے والے طالب علم کے مجموعی گریڈ کا تعین یوں ہوگا۔

A=4+B=3+A=4+B=3

ٹوٹل:14

14/4=3.5

واضح رہے کہ گریڈنگ کے اس نظام کو استعمال کرنے والے مختلف مغربی درس گاہوں کی پیروی کرتے ہیں اس لیے مختلف گریڈوں سے مختلف عددی نمبر منسوب کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نظام کے تحت گریڈنگ کرتے ہوئے معلم کو اپنے سکول کے وضع کردہ اصولوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ بہر حال جمع آوری کا طریقہ بیان کردہ اصول کے تحت ہی ہوگا۔

سبق نمبر:۳۲

اضافی مطالعہ

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۸۔

تعلیمی عمل اور نصابی سازی کے حوالے سے جان لینے کے بعد اب یہ دیکھا جائے گا کہ نصاب سے ایک قدم آگے بڑھ کر معلمین طلبا کی کرداری تربیت اور ان کی شخصیت کے نکھار میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ نیز طلبا کو اپنے علم میں اضافے اور عملی زندگی میں کامیابی کے لیے کن عوامل پر نظر رکھنی چاہیے۔

اس سلسلہ میں اضافی مطالعہ کی اہمیت نا قابلِ فراموش ہے تاہم قبل اس کے کہ دیکھا جائے کہ اضافی مطالعہ کیا ہے اور طلبا کے لیے اس کی کیا اہمیت ہے، یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ''مطالعہ'' کا کیا مطلب ہے۔

''پڑھنے کا وہ عمل جس سے ہمیں معلومات حاصل ہوں اور جس سے ہمارے رویہ اور استعداد میں کرداری تبدیلی واقعہ ہو، 'مطالعہ' کہلاتا ہے۔''

منقولہ تعریف سے دو پہلوؤں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اول: معلومات کا حصول اور دوم: کرداری تبدیلی۔

ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ پڑھے گا اس کا علم ان لوگوں سے زیادہ ہو گا جو مطالعاتی شوق نہیں رکھتے۔ اسی طرح جو حقیقتاً سمجھ کر پڑھے گا، اس کے رجحانات، سوچ اور طرزِ عمل میں بھی ان لوگوں کے مقابلہ میں فرق ہو گا جو کتابوں سے دور رہتے ہیں۔

مطالعہ اور اضافی مطالعہ میں فرق:

''متعلقہ امور میں معلومات کے حصول کے لیے نصابی کتب کے علاوہ پڑھنے کا عمل اضافی مطالعہ کہلاتا ہے۔''

یعنی معلومات کے حصول کے لیے نصابی کتب پڑھنا بنیادی مطالعہ کی ذیل میں ہو گا جبکہ نصابی کتب سے ہٹ کر کتب بینی اضافی مطالعہ کی ذیل میں آئے گی۔

اضافی مطالعہ کے مقاصد اور اہمیت:

۱۔ زبان پر بہتر عبور: جو طلبا نصابی کتب کے علاوہ دیگر کتب پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں، زبان کے حوالہ سے ان کی معلومات دیگر طلبا سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان کا ذخیرۂ الفاظ عام طلبا سے بہتر ہوتا ہے اور وہ مجموعی طور پر زبان پر زیادہ بہتر دسترس رکھتے ہیں۔

۲۔ تشبیہات و تلمیحات کے پس منظر سے آگہی: بالخصوص تحصیلِ زبان کے حوالہ سے جو بچے اردو زبان و ادب پر مشتمل اضافی کتابیں پڑھتے ہیں انہیں تشبیہات و استعارات اور تلمیحات وغیرہ کے پس منظر سے بہتر آگہی ہو جاتی ہے۔ ایک تو انہیں ادب کی ان اصطلاحات پر دیگر طلبا

کے مقابلہ میں زیادہ دسترس حاصل ہوجاتی ہے نیز علم کی وسعت کے باعث ان کے لیے متذکرہ اصطلاحات کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ وہ عام طلبا کے مقابلہ میں توضیح وتشریح میں کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔

۳۔نصابی تفہیم میں سہولت: اضافی مطالعہ کے شائق طلبا نصابی اسباق کو بھی بہتر طور پر سمجھ پاتے ہیں۔ گویا اضافی مطالعہ تفہیمی صلاحیتوں کو بھی جلا بخشتا ہے۔

۴۔کتب خانے کی اہمیت کا احساس: اضافی مطالعہ کرنے والے بچوں کو نہ صرف کتب خانے سے استفادہ کرنے کا فن آجاتا ہے بلکہ انہیں کتب خانے کی اہمیت سے آشنائی بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ یہ شعور زندگی بھر بہت سے معاملات میں ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۸۹۔

مطالعہ کی مختلف صورتیں:

نوعیت کے اعتبار سے مطالعہ کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ اول: گہرا مطالعہ اور دوم: سرسری مطالعہ۔

گہرا مطالعہ:

''لسانی اور معنوی تفہیم پر مبنی مطالعہ گہرا مطالعہ کہلاتا ہے۔''

یعنی وہ تفصیلی مطالعہ جس میں زبان کے اسرار و رموز اور مکمل معنوی تفہیم ضروری قرار پاتی ہے، گہرے مطالعہ کی ذیل میں آتا ہے۔

گہرے مطالعہ کے اصول:

۱۔سابقہ تجربات اور معلومات سے متعلق تحریر: گہرے مطالعہ کا پہلا اصول یہی ہے کہ پڑھی جانے والی تحریر کا موضوع بچے کے لیے اجنبی نہ ہو۔ ایسے موضوعات جو بچے کے لیے نئے ہوں ان کا گہرا مطالعہ بچے کو اکتاہٹ کا شکار کر دیتا ہے کیونکہ تفہیمی عمل ایسی صورت میں بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

۲۔مطالعاتی تسلسل: گہرے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو مسلسل مطالعہ کی عادت ہو۔ وہ لوگ جو بالعموم مطالعاتی شوق نہیں رکھتے، گہرے مطالعہ سے بہت جلد تنگ آجاتے ہیں۔

۳۔لغت کے استعمال کی عادت: گہرے مطالعہ میں چونکہ لسانی امور کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے نیز مکمل معنوی تفہیم درکار ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو لغت بینی کی عادت بھی ہوتا کہ مشکل الفاظ کو سمجھے بغیر گزارنے کی بجائے ان کے معنی دیکھے اور سمجھے جا سکیں۔

۴۔نوٹس بنانا: گہرے مطالعہ کے دوران سامنے آنے والے اہم نکات محض ایک قرات کے نتیجہ میں یاد نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اہم نکات کو الگ نوٹ بھی کر لیا جائے تا کہ موضوع کے اہم نکات [illegible]ط کر لیے جائیں۔

سرسری مطالعہ:

''وہ سبک رفتار قرات جس کا مقصد کم وقت میں مجموعی معنی کی سطحی تفہیم ہو، سرسری مطالعہ کہلاتی ہے۔''

گویا جب ہم کم وقت میں کسی تحریر کے بنیادی نکات سے آگہی چاہتے ہیں، ہم سرسری مطالعہ کے عمل سے گزر رہے ہوتے ہیں۔

سرسری مطالعہ کے اصول:

۱۔ **مسلسل مشق:** سرسری مطالعہ پر عبور مسلسل مشق کے بغیر ممکن نہیں۔ چونکہ اس مطالہ میں کم وقت میں زیادہ معنی سمجھنا مقصود ہوتا ہے اس لیے ممکن نہیں کہ ہر شخص پہلی کوشش میں مطلوبہ مقاصد حاصل کر لے۔ ممکن ہے کہ سبک رفتار قرات پر عبور کے باعث تحریر کم وقت میں پڑھی جائے لیکن مطلوبہ تفہیمی عمل مکمل نہ ہو پائے۔ اسی لیے سرسری مطالعہ پر عبور کے لیے مسلسل مشق ضروری ہے۔

۲۔ **اہم الفاظ اور نکات پر نظر:** سرسری مطالعہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہم الفاظ اور نکات پر نظر رکھے۔ مطالعاتی عمل میں وہ اس قدر ماہر ہو کہ اسے سبک رفتار قرات میں بھی اس امر کا اندازہ ہو جائے کہ عبارت میں کون سے الفاظ اور نکات اہم ہو سکتے ہیں۔

۳۔ خاموش مطالعہ کی عادت: چونکہ سرسری مطالعہ کی بنیاد سبک رفتار قرات ہے اس لیے ضروری ہے کہ سرسری مطالعہ کرنے والا خاموش مطالعہ کرنے کا عادی ہو۔ بلند مطالعہ کی صورت میں اہم نکات کو ذہن نشین کرنا اور عبارت کو جزوی طور پر پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۴۔ **جماعت سوم کے بعد قابلِ عمل:** سرسری مطالعہ جماعت اول اور دوم کے طلبا کے لیے ممکن نہیں۔ اس دور میں بچے ابھی قرات کی مہارت پر مکمل عبور حاصل نہیں کر پاتے۔ اس لیے ان سے سبک رفتاری اور اہم نکات کی ذہن نشینی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۹۰۔

مطالعہ کی تکنیک:

بہت سے لوگوں کو فطری طور پر مطالعہ کرنے سے رغبت ہوتی ہے۔ ایسے افراد کو مطالعاتی عمل میں تسلسل کے لیے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ البتہ وہ لوگ جو شعوری طور پر یہ عادت اختیار کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ شروع میں یہ عمل بسا اوقات بہت خشک اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ یہاں یہ پہلو بھی مدِ نظر رہنا چاہیے کہ فطری طور پر مطالعہ کے شوقین افراد بھی مطالعاتی تکنیکوں کو نہ اپنائیں تو ممکن ہے کہ وہ بھی جلد ہی اس عمل سے اکتانے لگیں۔ چنانچہ ہر دو طرح کے افراد اور طلبا کو مطالعاتی عادات سازی کے لیے درج ذیل نکات ذہن نشین رکھنے چاہئیں:

۱۔ پہلے پہل روزمرہ امور سے متعلق کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ مطالعاتی عمل طبیعت پر گراں نہ گزرے۔ نیز روزمرہ امور کے سو صفحات ہی کیوں نہ ہوں، روز کچھ نہ کچھ پڑھا جائے۔ یہی باقاعدگی بالآخر مطالعاتی عادت بن جائے گی۔

۳۔ ضروری ہے کہ ہمیں مطالعہ کی دونوں صورتوں یعنی گہرے مطالعہ اور سرسری مطالعہ پر قدرت ہو کیونکہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ گہرا مطالہ ہی کیا جائے۔ واضح رہے کہ مطالعہ کی مذکورہ صورتیں ہر شخص کی ضرورت نہیں ہوتیں لیکن عادات سازی کے لیے دونوں پر قدرت ضروری ہے۔ کتاب کے چناؤ کے لیے بسا اوقات سرسری مطالعہ لازمی ہو جاتا ہے۔ منتخب کر لینے کے بعد اس کا گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مطالعاتی عمل گہرے اور سرسری مطالعہ کا امتزاج ہونا چاہیے۔

۴۔مستقل مطالعہ کے لیےضروری ہے کہ طلبا خاموش مطالعہ کرنے کے عادی ہوں۔خاموش مطالعہ کی عادت اس عمل کو یوں آسان کر دیتی ہے کہ اس صورت میں کسی بھی وقت اور کہیں بھی مطالعہ کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔

۵۔سنجیدہ مطالعہ کرنے والے ہمیشہ نوٹس بنانے کے بھی عادی ہوتے ہیں۔اس عمل سے معلومات ط کرنا ممکن ہو جاتا ہے اور مطالعہ کا اصل معنوں میں حق ادا ہوجاتا ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ مستقل پڑھنے کے ساتھ ساتھ اگر معلومات کی فراموشی کا عمل بھی جاری رہے تو مطالعہ سے کوئی عملی فائدہ نہیں ہوگا۔جبکہ

مفید مطالعہ وہی ہے جس سے ہم حقیقتاً ہم کچھ نہ کچھ حاصل بھی کریں۔

۶۔مطالعہ کی عادت کی پختگی کے لیےضروری ہے کہ غیر متعلقہ کتب پڑھنے سے گریز کیا جائے۔ایسا کرنا اپنی توانائیوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔

۷۔ضروری نہیں کہ ہم ہروقت پڑھنا چاہیں۔اگرطبیعت مطالعہ کی طرف مائل نہ ہوتو ایک آدھ دن کا ناغہ کوئی بری بات نہیں۔گویا ہمیں جبری مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۱۔

اضافی مطالعہ کی تدریسی تدابیر:

یہ درست ہے کہ مطالعہ کا شوق بنیادی طور پر فطری ہی ہوتا ہےلیکن معلمین بھی اس میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔بچے ابتدائی عمر میں معلمین کو مثالی نمونہ سمجھتے ہیں اور ان کی بات مانتے ہیں۔چنانچہ اگر اساتذہ ابتدائی عمر میں ہی بچوں کو مطالعاتی عمل کی طرف راغب کر پائیں تو زندگی بھر یہ عادت طلبا کے ساتھ رہتی ہے۔ذیل میں چند ایسے طریقے بیان کیے گئے ہیں جن کے ذریعے معلمین بچوں میں مطالعاتی شوق کو فروغ دے سکتے ہیں:

(الف)مطالعاتی طریقوں سے آگہی:

معلم کو چاہیے کہ وہ طلبا کو مطالعہ کی عادات سازی کے مختلف طریقوں سے آگاہ کرے۔اس سلسلہ میں:

۱۔معلم طلبا کو مطالعہ کا نمونہ پیش کرسکتا ہے۔یعنی جماعتی کمرے میں خود بچوں کو مطالعہ کر کے دکھا سکتا ہے۔

۲۔نصابی امور سے ہٹ کر بچوں کو جماعتی کمرے یا کتب خانے میں لے جا کر مطالعہ کی مشق کروائی جا سکتی ہے۔

۳۔بچوں کے لیے کوئی کتاب تجویز کر کے انہیں کہا جا سکتا ہے کہ فلاں روز اس کتاب پر گفتگو ہوگی۔یوں گفتگو کے دوران مطالعاتی حوالہ سے بچوں کی آزمائش ہوسکتی ہے۔

(ب)مطالعہ کا شوق:

مطالعہ کے مختلف طریقوں کے ساتھ ساتھ معلم کو چاہیے کہ بچوں میں مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لیے مختلف اقدامات کرے۔اس سلسلہ میں:

۱۔معلم کو چاہیے کہ کتابوں کے دلچسپ حوالہ جات دے اور تفصیلی گفتگو کی بجائے بچوں کو اکسائے کہ وہ خود کتاب حاصل کریں اور پڑھیں۔

۲۔معلم کو اپنی عمومی گفتگو میں بھی وقتاً فوقتاً بچوں سے مطالعہ پر اصرار کرنا چاہیے۔بار بار کی تاکید سے بچوں میں فطری طور پر پڑھنے کا رجحان پیدا ہوسکتا ہے۔اسی طرح کسی موضوع پر بات کرتے کرتے کہا جاسکتا ہے کہ اس بارے فلاں کتاب میں مفید معلومات ملتی ہیں۔

۳۔بچوں کے لیے دلچسپ اور مفید کتب سے اقتباسات پڑھ کر سنائے جاسکتے ہیں اور بچوں کی دلچسپی بڑھنے پر انہیں اس کتاب کو خود پڑھنے کو کہا جاسکتا ہے۔

۴۔معلم کو چاہیے کہ بچوں میں کتب خانے سے رغبت پیدا کرے۔اس سلسلہ میں اسے خود بچوں کو ہفتہ میں ایک آدھ مرتبہ سکول کے کتب خانہ میں لے جانا چاہئے۔انہیں کتابیں تلاش کرنے کے فن سے آگہی کے ساتھ ساتھ اچھی کتب سے متعارف بھی کروانا چاہئے۔

(ج)مطالعاتی مواد کا جائزہ:

بچوں کو محض مطالعہ کے حوالہ سے بتا دینا یا انہیں مطالعاتی عمل پر اکسانا کافی نہیں۔یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ بچوں نے جو کچھ پڑھا انہیں کس حد تک سمجھ آیا۔اس سلسلہ معلم کو پڑھی ہوئی تحریر کے بارے میں طلبا سے مختلف سوالات کرنے چاہئیں۔مثلاً اگر بچوں نے کوئی کہانی پڑھی ہو تو ان سے درج ذیل سوالات کیے جاسکتے ہیں:

۱۔کہانی کیا تھی؟

۲۔کہانی کا مرکزی کردار کون تھا؟

۳۔مرکزی کردار کے نمایاں کارنامے کون کون سے تھے؟

۴۔کہانی کے کسی خاص منظر یا مقام کی وضاحت کیجیے؟

۵۔کہانی کا انجام کیا ہوا؟

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۲۔

اضافی مطالعہ کے اعلیٰ سطحی طریقے:

اب تک بیان کی گئی تدابیر عمومی نوعیت کی ہیں اور ان میں معلم کو زیادہ منصوبہ بندی نہیں کرنا پڑتی۔ذیل میں دو ایسے طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے جنہیں اضافی مطالعہ کے اعلیٰ سطحی طریقے تصور کیا جاتا ہے۔واضح رہے کہ یہاں اعلیٰ سطح سے مراد یہ نہیں کہ ان طریقوں کا اطلاق ابتدائی سطح پر نہیں ہوسکتا۔ان طریقوں کو جماعت سوم یا چہارم سے کامیابی سے آزمایا جاسکتا ہے۔

(الف)مباحثی طریقہ:

''مباحثی طریقہ سے مراد گفتگو اور مباحثہ کے ذریعے مطالعہ سے رغبت دلانا ہے۔''

یعنی معلم کسی کتاب یا عبارت پر بچوں سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کی آرا لیتے ہوئے ان میں مطالعہ کا شوق پیدا کرتا ہے۔یہ ایک منضبط طریقہ ہے اور اپنے اجزا کی تکمیل کے بغیر مطلوبہ نتائج نہیں دے سکتا۔مباحثی طریقہ کے اجزا درج ذیل ہیں:

۱۔طلبا کی گروہوں میں تقسیم: یعنی طلبا کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان سے مطلوبہ کام کروایا جائے۔

۲۔کتاب کا کلی یا جزوی مطالعہ: یعنی منقسم گروہوں کو مختلف کتابیں یا ایک کتاب کے دیے گئے اجزا پڑھنے کو کہا جائے۔مکمل کتاب پڑھنے کی صورت کلی مطالعہ کہلائے گی جبکہ کتاب کے حصوں کا مطالعہ جزوی مطالعہ ہوگا۔

۳۔مباحثی مرحلہ: اس مرحلہ میں کیے گئے مطالعہ پر گفتگو اور بحث کی جاتی ہے۔یوں اس مرحلہ کو آزمائشی مرحلہ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ گفتگو کے نتیجہ میں معلم جان پاتا ہے کہ بچوں کو تحریر کس حد تک سمجھ آئی۔

۴۔معلم کی رہنمائی: اس مرحلہ پر معلم بحث کے نتیجہ میں سامنے آنے والے نکات پر بچوں کی رہنمائی کرتا ہے۔گویا اس مرحلہ پر غلط تفہیم کی تصحیح بھی ہو جاتی ہے۔

یوں بچوں میں مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور تفہیمی عمل میں ان کی رہنمائی بھی ہوتی ہے۔

(ب)اکتشافی طریقہ:

"اکتشافی طریقہ میں کسی مسئلہ کے حل کی غرض سے بچوں کو مطالعہ پر اکسایا جاتا ہے۔"

گویا یہاں مطالعاتی عمل کے لیے کوئی ایسا مسئلہ پیش کیا جائے گا جس کے نتیجہ میں بچوں کو کتاب کی طرف راغب کیا جائے۔اس رغبت کے لیے اکتشافی طریقہ درج ذیل مراحل کا تقاضا کرتا ہے:

۱۔مسئلہ کا فہم: یعنی طلبا کو مسئلہ سے آگاہ کیا جائے۔واضح رہے کہ یہاں مسئلہ سے مراد کوئی مشکل نہیں بلکہ کوئی نیا سبق یا پہلو بھی ہو سکتا ہے۔مثلاً رموزِ اوقاف سے آگہی کے لیے بچوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرنا کہ رموزِ اوقاف کے بغیر عبارت کے معنی کیسے بدل سکتے ہیں یا مبہم ہو سکتے ہیں۔

۲۔منصوبہ کی تشکیل: یعنی مذکورہ بالا سوالات کے جواب کے لیے کسی کتاب کا انتخاب کرنا اور طے کرنا کہ کون کتنے صفحات پڑھے گا اور کن رموزِ اوقاف پر نظر رکھے گا۔

۳۔منصوبہ کے اقدامات کی جانچ: یعنی عملاً طے شدہ اقدامات سے گزرنا۔

۴۔نتائج کا جائزہ: یعنی دیکھنا کہ مختلف رموزِ اوقاف کے ہونے یا نہ ہونے سے عبارت پر کیا اثر مرتب ہوا۔

یوں مسئلہ کے حل کی غرض سے بچوں کو مطالعہ کی طرف راغب کیا گیا۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۳۔

کتب خانہ:

اضافی مطالعہ کا اہم ترین ذریعہ کتب خانہ یا لائبریری ہے۔ہر معیاری سکول سے توقع کی جاتی ہے کہ وہاں معیاری کتب کی اطمنان بخش تعداد کو یقینی بنایا جائے۔سکولوں میں کتب خانہ تشکیل دیتے وقت درج ذیل امور مدِ نظر رکھنے چاہئیں:

۱۔کتب خانہ میں نصابی ضروریات کی تمام مطلوبہ کتب موجود ہوں تاکہ بچوں کو نصابی کتب کی فراہمی میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۲۔ کتب خانہ میں ایسی کتب موجود ہوں جن سے طلبا کے ذوق کی تربیت ہو سکے اور ان میں مطالعاتی شوق بڑھایا جا سکے۔

۳۔ کتب خانہ میں مطالعاتی سہولیات موجود ہوں۔ یعنی کتب کے ساتھ ساتھ مناسب ماحول اور پرسکون نشستیں بھی ہوں تاکہ بچے کتب خانہ میں بیٹھ کر بھی مطالعہ کر سکیں۔

۴۔ اہم کتب کے ایک سے زائد نسخے کتب خانہ میں موجود ہونے چاہئیں تاکہ ایک وقت میں ایک سے زائد طلبا اہم کتب سے مستفید ہو سکیں۔

۵۔ طلبا کو کتب خانہ کے اصول وضوابط سے آگاہ کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ کتاب کیسے تلاش کی جاتی ہے۔

۶۔ کتب خانہ کے نظام الاوقات بچوں کے لیے موزوں ہوں۔ یعنی اگر کتب خانہ بھی سکول کے ساتھ بند ہو جائے گا تو طلبا کے پاس مطالعہ کا وقت نہیں ہوگا۔ چنانچہ کتب خانہ کے اوقات سکول کے اوقات سے زائد ہونے چاہئیں۔

۷۔ اضافی نظام الاوقات کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ سکول کے اوقات میں بھی ایک لائبریری پیریڈ رکھا جائے تاکہ وہ طلبا جو سکول کے اوقات کے بعد کتب خانہ میں نہیں ٹھہر سکتے وہ سکول کے اوقات میں ہی کتب خانہ سے مستفید ہو سکیں۔

۸۔ بہت سے سکولوں میں دکھاوے کے لیے کتب خانے بنا دیے جاتے ہیں لیکن عملاً ان تک بچوں کی رسائی نہیں ہوتی۔ ایسے کتب خانے بچوں کے لیے بیکار ہیں۔ بچوں کو نہ صرف سکول میں کتابوں تک رسائی حاصل ہونی چاہیے بلکہ انہیں گھر لے جانے کی اجازت بھی ہونی چاہیے۔

۹۔ معلمین اور سکول انتظامیہ کو اضافی مطالعہ کی تلقین کرنی چاہیے کیونکہ بچے ابتدائی سطح پر معلم کی ہر بات مانتے ہیں۔ اس عمر میں مطالعہ کی عادت بعد ازاں فطرتِ ثانیہ بن جائے گی۔

سبق نمبر: ۳۳

ہم نصابی سرگرمیاں

بچوں کی تعلیم وتربیت اور کرداری تشکیل کے لیے نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیاں بھی ضروری ہیں۔ محض چند اسباق پڑھا کر جامع کردار یتربیت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ معیاری تعلیم نصابی عوامل کے ساتھ ساتھ موثر ہم نصابی سرگرمیوں کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ہم نصابی سرگرمیوں کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر ذیل میں چند ایسی ہم نصابی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے تحصیلِ زبان کے سفر میں استفادہ افادی نوعیت کا حامل ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۹۴۔

تحریری مقابلہ جات:

تحریری مقابلہ جات سے مراد وہ تمام سرگرمیاں ہیں جن کے ذریعہ ہم نصاب سے ہٹ کر لکھائی کی مہارت کی مشق کرتے ہیں۔

تحریری مقابلہ جات کی مختلف صورتیں:

تحریری مقابلہ جات کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔خوش نویسی کے مقابلے: اس صورت میں انشائی اور لسانی مہارت سے زیادہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس بچے کی لکھائی املا اور خوشخطی کے حوالہ سے بہتر ہے۔

۲۔مضمون نویسی کے مقابلے: ان مقابلہ جات میں بچوں کی انشائی صلاحیتوں کی پرکھ ہوتی ہے اور انہیں کسی خاص موضوع پر مضمون لکھنے کو کہا جاتا ہے۔

۳۔کہانی نویسی کے مقابلے: ان مقابلہ جات میں بچوں کو کسی موضوع پر کہانی لکھنے کو کہا جاتا ہے۔

۴۔تصویری انشا کے مقابلے: ان مقابلہ جات میں بچوں کو کوئی تصویر دکھا کر ان پر اظہارِ خیال یا کہانی لکھنے کو کہا جاسکتا ہے۔

تحریری مقابلہ جات کے مقاصد:

۱۔بچوں میں خوشخطی کا شعور پیدا کرنا۔

۲۔بچوں میں تحریر کی عادات سازی کو فروغ دینا۔

۳۔ بچوں میں اظہارِ خیال کی صلاحیت پیدا کرنا۔

تحریری مقابلہ جات کے دو طریقے:

تحریری مقابلہ جات دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ اول: تیار شدہ مقابلہ جات، دوم: فی البدیہہ مقابلہ جات۔

تیار شدہ مقابلہ جات میں موضوع کی نشاندہی پہلے سے کر دی جاتی ہے اور طلبا مقررہ روز دیے گئے موضوع پر، مقابلہ کی نوعیت کے مطابق ،اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تیار شدہ مقابلہ جات میں درج ذیل نکات مدِنظر رہنے چاہئیں:

۱۔ چونکہ بچوں کو موضوع سے قبل از وقت آگاہ کر دیا جاتا ہے اس لیے تیار شدہ مقابلہ جات کے ذریعے بچوں میں اضافی مطالعہ کے شوق کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ موضوع کا قبل از وقت علم ہو جانے کی وجہ سے بچوں میں بسا اوقات رٹے کا رجحان بھی جڑ پکڑ سکتا ہے۔

۳۔ رٹے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کے لیے بالخصوص مضمون نویسی اور کہانی نویسی کے مقابلہ جات میں موضوع کی بجائے دائرہ کار کا تعین کیا جائے تو مطلوبہ مقاصد بہتر طور پر حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

فی البدیہہ مقابلہ جات کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کو موضوع سے قبل از وقت آگاہ نہیں کیا جاتا چنانچہ انہیں فی الفور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ ان مقابلہ جات میں درج ذیل نکات پر نظر رہنی چاہیے:

۱۔ چونکہ بچے پہلے سے موضوع کے متعلق کچھ نہیں جانتے اس لیے ایسے مقابلہ جات بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کا امتحان ہوتے ہیں۔

۲۔ پہلے سے موضوع سے نا آشنا ہونے کے باعث بچے موضوع کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتے اس لیے ان کی تحریروں سے جامعیت کی توقع کم ہوتی ہے۔

۳۔ متذکرہ بالا نکات کو ذہن نشین رکھتے ہوئے مقابلہ کے موضوعات کو بچوں کی ذہنی سطح کے عین مطابق ہونا چاہیے تاکہ معلومات کے فقدان کے باعث ایسا نہ ہو کہ بچے اپنی تحریری صلاحیتوں کو بھی مکمل طور پر بروئے کار نہ لا سکیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۱۹۵۔

مباحثہ و تقریر:

مباحثہ و تقریر کا تعلق بنیادی طور پر بولنے کی مہارت سے ہے۔

"مباحثہ سے مراد کسی موضوع یا قرارداد کے حق یا مخالفت میں بولنا ہے جبکہ تقریر کسی خاص موضوع پر کی جاتی ہے۔"

گویا مباحثہ میں بولنے والا اپنے موقف کو دلائل سے ثابت کرتا ہے اور دوسرے کے دلائل کو رد کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف تقریر میں مقرر موضوع کے حوالہ سے دلائل تو دیتا ہے لیکن اس میں کسی کے دلائل کو رد کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

مباحثہ و تقریر کے فوائد:

۱۔ اس سرگرمی سے بچوں کو معیاری زبان پر عبور حاصل ہوتا ہے کیونکہ مباحثہ ہو یا تقریر معیاری مواد کے ساتھ ساتھ زبان کے معیار کی پرکھ

بھی کی جاتی ہے۔اسی لیے ہر بچہ بہتر سے بہتر زبان کا استعمال کرتا ہے۔

۲۔بچوں کو اپنی بات موثر انداز مین کہنے کے فن سے آ گہی ہوتی ہے۔

۳۔بچے اپنی بات میں اثر پیدا کرنے کے لیے اظہار کے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔چنانچہ ان میں تحصیلِ زبان سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

۴۔چونکہ موثر بات کرنے کے لیے معیاری الفاظ کا استعمال ضروری ہے اس لیے مباحثہ وتقریر میں حصہ لینے والے طلبا کا ذخیرہ الفاظ وسیع ہوتا ہے۔

۵۔چونکہ مباحثہ وتقریر مقررین کے لب ولہجہ کی پرکھ بھی ہوتی ہے اس لیے مقررین اپنے لب ولہجہ میں بہتری کے لیے بھی کوشش کرتے ہیں۔

۶۔یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مباحثہ وتقریر میں شریک ہونے والے طلبا کی روانی گفتار میں بہتری آتی ہے کیونکہ اس سرگرمی میں اٹکاؤ سے بات کرنے والے کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔مقررین کی شعلہ بیانی انہیں عام گفتگو میں بھی متاثر کن بنا دیتی ہے۔

۷۔مضبوط دلائل کے لیے مقررین مختلف کتب کا سہارا لیتے ہیں۔چنانچہ بچوں کو اضافی مطالہ کی عادت پڑتی ہے۔

۸۔بالعموم ہمارے یہاں سکول کی سطح پر مباحثہ جات فی البدیہہ نہیں ہوتے۔گویا مقررین تیار شدہ تقاریر کرتے ہیں۔تقاریر یاد کرنے کی عادت سے مقررین کی قوتِ حافظہ میں بہتری آتی ہے۔

9۔مباحثہ جات اور تقریری مقابلے مقررین کے ساتھ ساتھ سامعین کے لیے معلومات کا باعث بھی بنتے ہیں۔اسی طرح آج کے سامعین کل کے مقررین بھی ہوسکتے ہیں کیونکہ مقررین کو دیکھ کر ان میں بھی ایسی سرگرمیوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۶۔

ذہنی آزمائش:

ذہنی آزمائش بھی ہم نصابی سرگرمیوں کی ایک اہم صورت ہے۔

’’ذہنی آزمائش سے مراد بچوں کی قوتِ حافظہ اور معلوماتی وسعت کی پیمائش ہے جس کے لیے سوالات کیے جاتے ہیں۔‘‘

واضح رہے کہ یہ سوالات نصاب سے ہٹ کر بھی ہوسکتے ہیں اور نصابی کتب میں سے بھی چنے جاسکتے ہیں۔ابتدائی جماعتوں میں بالخصوص نصابی سوالات کے ذریعے نصابی تیاری بھی ہوسکتی ہے اور ہم نصابی سرگرمی کا حق ادا بھی ہوجاتا ہے۔

سوالات کی ضرورت:

ا۔طلبا کو معلومات باہم پہنچانے کے لیے سوالات ضروری ہیں۔

۲۔طلبا کو غور وفکر پر ابھانے کے لیے سوالات کی ضرورت پڑتی ہے۔

۳۔سوالات کی بدولت طلبا فعال، مستعد اور سرگرم رہتے ہیں۔

۴۔سوالات کے ذریعے اسباق کے اہم نکات یاد کروائے جا سکتے ہیں۔

معیاری سوالات کی خصوصیات:

معیاری سوالات کے لیے ضروری ہے کہ:

ا۔سوالات آسان زبان میں ہوں۔

۲۔نصاب سے متعلق ہوں۔

۳۔سوال مختصر اور جامع ہو۔

۴۔سوال واضح اور غیر مبہم ہو۔

۵۔سوال بچوں کو سوچنے پر ابھارے۔

۶۔سوالات میں تسلسل ہو۔

قابلِ لحاظ امور:

ا۔سوالات کے دوران بچوں کی تضحیک سے گریز کیا جائے۔

۲۔کوشش کی جائے کہ نام لیے بغیر بچوں کی تصحیح ہو جائے۔

۳۔ ہر ممکن حد تک بچوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۴۔ بچوں کو جواب دینے کا مناسب وقت دیا جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۷۔

بیت بازی:

''بیت بازی سے مراد حرفی، لفظی یا موضوعی صورت میں اشعار کے ذریعے جواب دینا یا بحث کرنا ہے۔''

بیت بازی ہمارے معاشرے کا ایک اہم کھیل رہا ہے۔اس میں تین مختلف صورتوں میں اشعار کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔

اول: فریقین ایک دوسرے کے اشعار کے آخری حرف سے شروع ہونے والے اشعار سناتے ہیں۔

دوم: فریقین ایک دوسرے کے اشعار کے آخری لفظ سے شروع ہونے والے اشعار سناتے ہیں۔

سوم: فریقین موضوعاتی سطح پر اشعار کا جواب اشعار کی صورت میں دیتے ہیں۔

سکولوں کی سطح پر تیسری صورت قابلِ عمل نہیں۔ بالخصوص ابتدائی تعلیم کی سطح پر تو پہلے طریقہ کی سفارش ہی کی جاتی ہے۔

بیت بازی کے فوائد:

ا۔بچوں کے ذخیرۂ اشعار میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔ بچوں کو شعر یاد کرنے کے باعث کسی حد تک شعرا سے واقفیت بھی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ اشعار یاد کرنے کے نتیجہ میں بچوں کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ بچوں کو نئی تشبیہات و تلمیحات سے آگہی ہوتی ہے۔

۵۔ بچوں کا تلفظ بہتر ہوتا ہے۔

۶۔ بچوں کو شعر پڑھنے کے درست سلیقہ سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔

۷۔ بیت بازی کی خاطر اشعار یاد کرتے کرتے بچوں کی ادب سے وابستگی میں مضبوطی آتی ہے۔

۸۔ اشعار یاد کرنے کے باعث بچوں کی قوتِ حافظہ میں بہتری آتی ہے۔

۹۔ بیت بازی کا مقابلہ دیکھنے والے حاضرین کی ادبی تربیت ہوتی ہے۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۸۔

نقالی یا ڈراما:

''نقالی سے مراد نقل یا تقلید کرنا ہے جبکہ ڈراما کسی واقعہ یا کہانی کو عملاً پیش کرنے کی سرگرمی کو کہتے ہیں۔''

یعنی کسی دوسرے کا روپ دھارنا یا خود کو کسی کی طرح پیش کرنا نقالی ہوگا۔ جبکہ کسی واقعہ یا کہانی کو عملی طور پر کر کے دکھانا ڈراما کہلائے گا۔

نقالی یا ڈراما کی مختلف صورتیں:

۱۔ اداکاری: یعنی خود کو کسی خاص کردار میں ڈھال کر پیش کرنا۔

۲۔ تمثیل: یعنی صفات یا خصوصیات کو کرداروں کی صورتوں میں پیش کرنا، مثلاً عقل اور عشق کو کرداروں میں پیش کرنا۔

۳۔ سوانگ: یعنی کسی کا بھیس دھار کر سامنے آنا، مثلاً کسی تاریخی شخصیت کا روپ دھارنا۔

۴۔ پتلی تماشہ: یعنی پتلیوں کے ذریعے تماشہ پیش کرنا۔

نقالی یا ڈراما کے مقاصد:

۱۔ نقالی یا ڈراما جیسی سرگرمیاں اس لیے کی جاتی ہیں کہ:

۱۔ بچوں میں زبان سیکھنے کے حوالہ سے دلچسپی پیدا ہو۔

۲۔ بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارا جا سکے۔

۳۔ فطری طور پر انسان کہانی یا ڈراما میں دلچسپی لیتا ہے اس لیے ان سرگرمیوں کا مقصد فطری رجحان کی تسکین بھی ہے۔

قابلِ لحاظ امور:

۱۔ نصاب میں شامل مناسب اسباق کی ڈرامائی تشکیل کی جائے۔ کہانیاں، ڈرامائی تشکیل کے لیے موزوں ہوتی ہیں۔

۲۔ چونکہ نقالی یا ڈراما ایک مشکل سرگرمی ہے اس لیے ضروری ہے کہ بچوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ بچے اس سرگرمی کی

طرف راغب ہوں۔

۳۔سکول انتظامیہ ڈراما کے لیے متوقع ساز وسامان کی فراہمی کی یقین دہانی کروائے۔

۴۔بچے از خود اس سرگرمی کی تکمیل نہیں کر سکتے۔اس لیے ضروری ہے کہ اساتذہ ہمیشہ ان کی رہنمائی کریں۔

۵۔ڈراما کے موضوع اخلاقی اسباق پر مشتمل ہوں۔اس سلسلہ میں اخلاقی کہانیوں کی ڈرامائی تشکیل مفید ہوگی۔

ذیلی موضوع نمبر:۱۹۹۔

تعلیمی سیر:

''تعلیمی سیر سے مراد وہ سرگرمی ہے جس کے تحت حصولِ علم کی غرض سے بچوں کو مختلف جگہوں پر لے جایا جاتا ہے۔''

سکولوں میں بچوں کو تفریح کے لیے بھی مختلف مقامات پر لے جایا جاتا ہے۔واضح رہے کہ تعلیمی سیر وہی کہلائے گی جس میں بچے محض تفریحی سرگرمیوں میں مصروف نہ رہیں۔ایسی سیر محض تفریحی سیر ہوگی۔

تعلیمی سیر کی مختلف صورتیں:

۱۔تاریخی مقامات کی سیر: یعنی بچوں کو مختلف تاریخی عمارات مثلاً قلعہ لاہور، بادشاہی مسجد اور مقبرہٗ جہانگیر وغیرہ کی سیر کروانا اور انہیں ان مقامات کی تاریخی اہمیت سے آگاہ کرنا۔

۲۔کتب خانوں کی سیر: یعنی بچوں کو مختلف کتب خانوں میں لے جانا اور انہیں ان کی دلچسپی کی کتابوں سے متعارف کروانا اور انہیں کتاب تلاش کرنا سکھانا۔

۳۔ریڈیو پروگراموں میں شرکت: یعنی بچوں کو مختلف ریڈیو چینلوں کی سیر کروانا اور انہیں دکھانا کہ ریڈیو نشریات کیسے چلتی ہے۔نیز انہیں ریڈیو کے پروگراموں میں شرکت کا موقع دینا۔

۴۔ٹی وی پروگراموں میں شرکت: یعنی بچوں کو مختلف ٹی وی چینلوں کی سیر کروانا اور انہیں دکھانا کہ ٹی وی نشریات کیسے چلتی ہے۔نیز انہیں ٹی وی کے پروگراموں میں شرکت کا موقع دینا۔

تعلیمی سیر کے فوائد:

۱۔قوتِ مشاہدہ میں بہتری: بچے مختلف جگہوں پر جاتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات کو کس طرح دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔نیز وہ مختلف جگہوں میں تقابل پر قدرت حاصل کرتے ہیں۔یوں ان کی قوتِ مشاہدہ میں بہتری آتی ہے۔

۲۔معلومات میں اضافہ: نئے مقامات کی سیر اور ان کے متعلق تعارفی آشنائی سے بچوں کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ دیکھے گئے مقامات کے متعلق مزید جاننے میں سرگرداں ہوجاتے ہیں۔یوں ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔صحت مند تفریح: بچے فطری طور پر تفریحی انداز زیادہ پسند کرتے ہیں۔سیر کرنا انہیں ہمیشہ متاثر کن معلوم ہوتا ہے۔تعلیمی سیر سے تفریح بھی ہوجاتی ہے اور ان کے علم میں اضافہ بھی ہوجاتا ہے۔یوں تعلیمی سیر ایک صحت مند تفریح بن جاتی ہے۔

۴۔اعتماد میں اضافہ: جو بچے گھر سے زیادہ باہر نکلتے ہیں ان کا اعتماد ان بچوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جنہیں والدین اپنے پروں تلے چھپائے رکھتے ہیں۔تعلیمی سیر ایسے بچوں کے اعتماد میں اضافہ کے حوالہ سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔

سبق نمبر: ۳۴

معلم کے اوصاف

معلم تدریسی عمل کا مرکزی نقطہ ہوتا ہے۔تمام تر تعلیمی عمل کا انحصار معلم کے اوصاف اور صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔بہترین تدریسی طریقے،معتبر نصاب اور مثالی سبقی تیاری بسا اوقات محض اس لیے بے سود ثابت ہوتی ہیں کیونکہ ان سب کا اطلاق کرنے والا معلم صلاحیتوں کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔چنانچہ تدریسی عمل کی کامیابی کے لیے معلم کو ہر اعتبار سے مثالی اور باصلاحیت ہونا چاہیے۔ذیل میں چندان اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے بغیر معلم تدریسی عمل میں مثالی انداز میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۰۰۔

خوش خوانی:

''پڑھنے کی موثر صلاحیت کوخوش خوانی کہتے ہیں۔''

یعنی کسی بھی تحریر کو ایسے انداز میں پڑھنا کہ تحریر کے تمام تاثرات اور معنی موثر طور پر واضح ہوجائیں،خوش خوانی کہلاتا ہے۔خوش خوانی کے حوالہ سے معلم کو درج ذیل نکات مدِنظر رکھنے چاہئیں:

۱۔ضروری ہے کہ معلم کا اپنا تلفظ درست ہو۔بچوں کا تلفظ دراصل ان کے معلم کے تلفظ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔کمزور تلفظ رکھنے والا معلم کبھی تحصیلِ زبان کے سفر میں معیاری تلفظ والے طلبا پیدا نہیں کرسکتا۔

۲۔ضروری ہے کہ معلم کو نظم ونثر کی قرات کا معیاری سلیقہ ہو۔بہت سے اساتذہ نثر تو کسی حد تک معیاری انداز میں پڑھ لیتے ہیں لیکن شاعری پڑھتے وقت الفاظ کی درست نشست و برخاست کا خیال نہ رکھنے اور اوزان سے بالکل نابلد ہونے کے باعث شاعری معیاری طور پر نہیں پڑھ پاتے۔ظاہر ہے اگر معلم شاعری کی درست قرات پر قادر نہیں تو اس سے بچوں کی درستی کی توقع کرنا بے سود ہے۔

۳۔درست قرات آواز کے درست زیر و بم کا تقاضا کرتی ہے۔افسانوی اور غیر افسانوی اسباق کو پڑھنے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔غیر افسانوی اسباق میں بیانیہ انداز کے باعث زیادہ اتار چڑھاؤ کی ضرورت نہیں ہوتی۔البتہ افسانوی اسباق میں واقعاتی انداز اور کرداری مکالمات کے باعث آواز کے زیر و بم کو بنیادی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے۔یہی معاملہ شاعری کے ساتھ ہے۔چنانچہ معلم کو آواز کے مطلوبہ

زیروبم پرعبور ہونا چاہیے۔

۴۔ضروری ہے کہ معلم جو کچھ پڑھ رہا ہواس کے تاثرات کو موثر طور پرادا کر سکے۔عبارت میں خوشی،غمی، بے چینی،غصّہ،نفرت، غروراور بے چارگی وغیرہ جیسے مختلف احساسات وکیفیات کا اظہار ہوسکتا ہے۔معلم کوان تمام تاثرات کو اپنی قرات میں دکھانے پر قدرت حاسل ہونی چاہئے۔

۵۔معلم کے لب ولہجہ میں تازگی ہونی چاہیے۔بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ معلمین اپنے ذاتی مسائل یا فطرت کے باوصف بہت مدھم اور بیجان انداز میں

بولتے ہیں۔یہی انداز ان کی قرات پر بھی حاوی ہوتا ہے۔لب ولہجہ کی یہ بوسیدگی بچوں میں عدم دلچسپی کا سبب بن جاتی ہے۔چنانچہ معلم کا لب ولہجہ زندہ اور متاثر کن ہونا چاہیے۔

۶۔بہت سے معلمین متذکرہ خوبیوں کے حامل تو ہوتے ہیں لیکن ان کے پڑھنے کی رفتار بہت ست یا تیز ہوتی ہے۔دونوں صورتیں انتہا پسندانہ ہیں۔چنانچہ قرات کے دوران معلم کی رفتار معتدل ہونی چاہیے۔یہی معتدل رفتار معلم کو عبارت کا اصل تاثر نباہنے پر قادر کرے گی۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۰۱۔

اردو زبان سے واقفیت:

اُردو زبان کے معلم کا اردو زبان سے آشنا ہونا اساسی اہمیت کا حامل ہے۔یہ تصور کہ ہم اردو بول سکتے ہیں اس لیے ہم اردو پڑھا بھی سکتے ہیں،انتہائی غلط ہے۔یہی منفی تصور اردو کو بتدریج کمزور کر رہا ہے۔نہ صرف اردو بلکہ ہر زبان کے معلم کو اس زبان کے بنیادی اصول وضوابط سے آشنا ہونا چاہیے۔

''اُردو زبان سے واقفیت سے مراد اردو بولنا نہیں بلکہ اس کے صَرف ونحو سے آشنائی رکھنا ہے۔''

ذیل میں چند ان نکات کی نشاندہی کی گئی ہے جو اردو سے واقفیت کے حوالہ سے اہمیت کے حامل ہیں:

۱۔زبانِ اردو کے معلم کو اردو کے بنیادی قواعد سے آگہی ہونی چاہیے۔بالخصوص ابتدائی جماعتوں کے معلم کے لیے ضروری ہے کہ اسے زبان کے اساسی قواعد کا علم ہو۔ابتدائی جماعتوں کے طلبا کو زبان کے قواعد کے مطابق زبان سکھائی جائے تو مستقبل میں وہ ہمیشہ درست زبان کا استعمال کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

۲۔معلم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اردو میں ترکیب سازی کے اصول کیا ہیں۔اسی صورت میں وہ طلبا کو مرکبات بنانے کا درست سلیقہ سکھا پائے گا۔

۳۔معلم کو علمِ بیان پر قدرت ہونی چاہیے۔بالخصوص شاعری کی تدریس،تشبیہات واستعارات اور تلمیہات سے آگہی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

۴۔معلم کو بنیادی نحوی اصولوں سے آشنائی ہوتا کہ وہ طلبا کو فاعل،فعل اور مفعول کی مطابقت سے آگاہ کر سکے۔اردو میں فعل کی ساخت فاعل

اور مفعول کے مطابق ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ چنانچہ معلم کو معلوم ہونا چاہیے کہ فاعل اور مفعول کی کن صورتوں میں فعل کی کیا صورت ہوگی۔

۵۔ اردو کے معلم کو اردو زبان کی تاریخ سے تعارفی آ گہی ضرور ہونی چاہیے۔ جماعت اول سے پنجم تک اس نوعیت کی معلومات کی ضرورت کم ہی پڑتی ہے لیکن ایک معیاری معلم کو چاہئے کہ چھٹی اوراس کے بعد کی جماعتوں کو تعارفی سطح سے آگاہ کرے کہ اردو زبان جسے آج دنیا کی تیسری سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان تصور کیا جاتا ہے، موجودہ صورت کو کن تغیرات سے گزر کر پہنچی۔ یہ معلومات یقیناً طلبا میں اردو سے دلچسپی کو فروغ دیں گے۔

۶۔ اردو کے معلم کو اردو رسم الخط کی مختلف صورتوں کا علم بھی ہونا چاہیے۔خوش خطی کی تربیت میں اردو لکھاوٹ کے مختلف طریقوں کی تدریس بھی ضروری ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۰۲۔

اردو ادب سے واقفیت:

اردو زبان کے معلم کو اردو ادب سے مناسب حد تک آشنائی ہونی چاہیے۔ بالخصوص پانچویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے بچے شعوری طور پر اس قدر بیدار ہو جاتے ہیں کہ انہیں اردو ادب کا ابتدائی علم دیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی عمر میں ایسی معلومات بعدازاں بچوں کی رجحان سازی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اردو ادب سے واقفیت کے حوالہ سے اردو کے معلم کو ذیلی نکات مدِنظر رکھنے چاہئیں:

۱۔ معلمِ اردو کو اردو ادب کے ارتقا سے تعارفی آ گہی حاصل ہو۔یعنی وہ جانتا ہو کہ اردو ادب کن تغیرات سے گزرتا ہوا موجودہ صورت کو پہنچا۔

۲۔ معلمِ اردو کو مشاہیرِ اردو سے کم از کم تعارفی سطح کی آشنائی حاصل ہو۔ مثلاً شعرا میں وہ میر، غالب، اقبال اور فیض جیسے ناقابلِ فراموش ناموں اور ان کے ہم عصروں سے ابتدائی سطح کی آشنائی رکھتا ہو۔

۳۔ معلمِ اردو، اردو ادب کے کلاسیکی سرمائے سے آشنا ہو۔ اسے معلوم ہو کہ اردو کے بڑے کلاسیکی شعرا کون سے ہیں اور ان کے ادبی کارنامے کون کون سے ہیں۔

۴۔ اردو زبان کا معلم جانتا ہو کہ اردو ادب کن مختلف رجحانات سے گزر چکا ہے۔ اسے معلوم ہو کہ علی گڑھ تحریک کے زوال کے اسباب کیا تھے اور رومانوی تحریک کیونکر علی گڑھ تحریک کو کھا گئی۔ اسی طرح ترقی پسند تحریک کے آغاز و زوال کی وجوہات کیا تھیں۔ یہ سوالات اسے اردو نظم و نثر کی توضیح و تشریح میں معاون ہوں گے۔

۵۔ معلمِ اردو کو اردو ادب سے خود بھی دلچسپی ہو اور وہ جدید ادبی رجحانات سے آگاہ ہو۔ اس صورت میں وہ تخلیقی تحریروں میں بچوں کی درست طور پر رہنمائی کر سکے گا۔

۶۔ معلمِ اردو کو معلوم ہو کہ ادب، معاشرہ کو کس طرح متاثر کرتا ہے اور معاشرہ، ادب پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ اضافی مطالعہ کے حوالہ سے بچوں کی درست رہنمائی کر پائے گا۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۰۳۔

علمی و تدریسی قابلیت:

ضروری نہیں کہ ہر معلم ہر مضمون پڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسی طرح محض فطری صلاحیتوں کا ہونا بھی کافی نہیں۔ ہر مضمون اپنے خاص اصول وضوابط رکھتا ہے اور اس مضمون کی تدریسی تعلیم ہی اسے اس قابل کرسکتی ہے کہ وہ متعلقہ مضمون کی موثر تدریس کرے۔ ہمارے یہاں اسلامی علوم کے ماہر کو تدریسِ اردو کی ذمہ داریاں محض یہ سوچ کر دے دی جاتی ہیں کہ آسان مضامین ہونے کے باعث معلم دونوں مضامین سے انصاف کر لے گا۔ اس موقع پر ہم یہ فراموش کرک دیتے ہیں کہ ہر مضمون پڑھانے کے چند اصول، تقاضے، تکنیکیں اور طریقے ہیں جو اس مضمون کی سند رکھنے والے معلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

چنانچہ معلمِ اردو کے لیے ضروری ہے کہ اردو کی تدریس کے لیے وہ درج ذیل اوصاف کا حامل ہو:

۱۔ معلمِ اردو کی علمی و تدریسی قابلیت کی بنیاد یہی ہے کہ اس کے پاس اردو کی تدریس کی سند ہو۔ یہی سند اس امر کی ضامن ہوگی کہ وہ تدریسی اصول وضوابط سے آشنا ہے۔

۲۔ معلمِ اردو کے لیے ضروری ہے کہ وہ مختلف تدریسی طریقوں سے آشنا ہو اور جانتا ہو کہ ان میں سے کون سا طریقہ اردو کے لیے موزوں ہے۔ نیز اسے معلوم ہو کہ کس تدریسی طریقہ کا استعمال کس جماعتی سطح پر کیا جانا چاہیے۔

۳۔ معلمِ اردو کو بنیادی لسانی مہارتوں کی نوعیت اور اہمیت حاصل ہو۔ اسی صورت میں وہ ہر لسانی مہارت کو مناسب توجہ دے پائے گا۔ یوں بھی تدریسِ زبان کا بنیادی مقصد ہی لسانی مہارتوں کی ترقی ہے اس لیے معلمِ اردو کو ترجیحی توجہ دراصل لسانی مہارتوں پر ہی دینی چاہیے۔ جماعتی سطح کے مطابق لسانی مہارتوں کے ساتھ ساتھ دیگر عوامل بھی تدریس کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔

۴۔ معلمِ اردو کو جائزہ اور پیمائش نیز ان کے فرق کے ساتھ ساتھ تدریسی عمل میں ان کی اہمیت کا علم ہو۔ معلم جانتا ہو کہ نوعیت اور ساخت کے اعتبار سے اسے کس وقت کس نوع کے جائزہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز معلمِ اردو جانتا ہو کہ وہ مضمونی یا موضوعی اور معروضی طریقے اپناتے وقت کس نوع کے سوالات تشکیل دے گا۔

۵۔ معلمِ اردو سبقی تیاری کے فن سے بخوبی آشنا ہو اور جانتا ہو کہ اردو کی تدریس میں مختلف تدریسی معاونات کا استعمال کس طرح موثر ہوسکتا ہے۔

۶۔ اردو کے معلم کو زبان کے عمومی تدریسی طریقوں سے آشنائی بھی ہونی چاہیے۔ نیز تدریسِ زبان کے حوالہ سے عالمی میدانوں میں ہونے والی تحقیقات و تجربات پر بھی اس کی نظر ہونی چاہیے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۰۴۔

تندرست و توانا:

بلاشبہ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ ہم کسی کام میں بھی اس وقت تک مستعدی سے دلچسپی نہیں لے سکتے جب تک ہم جسمانی اعتبار سے صحت مند اور تندرست نہ ہوں۔ نہ صرف معلمِ اردو کے لیے بلکہ ہر معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے اچھی صحت کا حامل ہو۔

''تدریسی عمل میں معلم کے تندرست وتوانا ہونے سے یہی مراد ہے کہ معلم جسمانی حوالہ سے صحت مند ہوتا کہ تدریسی عمل باحسن وخوبی تکمیل پا سکے۔''

معلم کی اچھی صحت تدریسی عمل اور بچوں پر درج ذیل اثرات کی حامل ہوتی ہے:

۱۔ چونکہ بچے معلم کی پیروی اپنا فرضِ عین تصور کرتے ہیں۔ نیز خود کو معلم جیسا دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے ان کے لیے صحت کا بھی وہی معیار ہوگا جو وہ اپنے معلم میں دیکھیں گے۔ چنانچہ معلم کی اچھی صحت بچوں پر مثبت اثرات کی حامل ہوگی۔

۲۔ معلم صحت مند ہوگا تو وہ مستعد اور چاک وچوبند ہوگا۔ معلم کی مستعدی اس کے لیے جماعت کے نظم وضبط قائم رکھنے میں معاون ہوگی۔ بیمار معلم کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اس سے نظم وضبط کی توقع بھی کم ہی رکھی جاتی ہے۔

۳۔ صحت مند معلم ہی صحت مند تدریسی عمل کا ضامن ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ صحت مند معلم تدریسی عمل سے جان چھڑانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ نہ تو محض وقت گزارتا ہے نہ تدریسی عمل اس پر ایک بار ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی تمام توجہ تدریسی عمل پر مرکوز کر پاتا ہے۔

۴۔ معلم صحت مند ہو تو جماعت کا عمومی ماحول بھی خوش گوار رہتا ہے۔ بیمار معلم کبھی بھی بچوں سے خوش اخلاقی سے پیش نہیں آ سکتا۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ محض دلی جذبات کی آئینہ دار نہیں ہوتی۔ جسمانی صحت کے بغیر ہونٹوں پر تبسم کے غنچے بھی نہیں کھِل سکتے۔

۵۔ صحت مند معلم ہی نصاب وقت پر مکمل کروا پاتا ہے۔ واضح رہے کہ نصاب کی تکمیل سے مراد محض کتاب کی تکمیل نہیں۔ اس امر کی یقین دہانی بھی ضروری ہے کہ جو کچھ سال کے آغاز میں طے کیا گیا تھا، حقیقتاً مکمل کر لیا گیا ہے۔ نیز بچے واقع ہی معلم کی تدریس کو سمجھ گئے ہیں۔

۶۔ ہر معلم کو کامیاب تدریس کے لیے مختلف علمی وادبی سرگرمیوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ بیمار، لاغر اور کمزور معلمین ان تمام سرگرمیوں سے مناسب حد تک عہدہ برآ نہیں ہو پاتے۔ چنانچہ تدریسی عمل سے متعلقہ علمی وادبی سرگرمیوں کے لیے بھی معلم کی اچھی صحت ضروری ہے۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۰۵۔

ذہنی ونفسیاتی پختگی:

''ذہنی ونفسیاتی پختگی سے مراد یہ ہے کہ معلم اعصاب کے اعتبار سے مضبوط ہو اور ذہنی ونفسیاتی پختگی کا حامل ہو۔"

ذہنی اعتبار سے پختہ ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہو سکتا ہے کہ معلم تمام سرگرمیوں کو درست طور پر منظم کرے اور تدریسی عمل کو معتدل انداز میں لے کر چلے۔ اس حوالہ سے معلم کو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے:

۱۔ معلم کا رویہ لچکدار ہونا چاہیے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ مختلف اسباق کے مطابق خود کو ڈھال سکے گا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بچوں سے اس کا حسنِ سلوک بہتر ہو جائے گا۔

۲۔ معلم کو ہمدرد طبیعت کا حامل ہونا چاہیے۔ اچھے معلم سے توقع نہیں کی جاتی کہ وہ بچوں سے سختی سے پیش آئے۔ ہمدرد معلم ہی بچوں کے مسائل خلوصِ نیت سے سنتا ہے اور انہیں حل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

۳۔ تدریسی عمل کو دلچسپ، موثر اور قابلِ تفہیم بنانے کے لیے ضروری ہے کہ معلم اجتہادی فکر کا حامل ہو۔ ضروری نہیں کہ معلم کی وضع کردہ تدابیر طلبا کے لیے قابلِ تفہیم ثابت ہوں۔ ایسے میں ضروری ہوتا ہے کہ معلم فی الفور کسی نئی تدبیر سے کام لے سکے۔ اس عمل کے لیے معلم کو تخلیقی اور اجتہادی فکر کا حامل ہونا چاہئے۔

۴۔ انسان اپنے ظاہری حلیہ کے ساتھ ساتھ اپنی سوچ اور اندازِ فکر سے پہچانا جاتا ہے۔ معلم کی اہم ترین پہچان بھی اس کی سوچ ہونی چاہیے۔ ضروری ہے کہ اس کے افکار بچوں کے لیے قابلِ تقلید ہوں۔ پہلے بھی وضاحت کی گئی ہے کہ بچے معلم کو آئیڈیل تصور کرتے ہیں۔ ایسے میں اگر معلم کے افکار اور اس کی شخصیت بچوں کے تربیتی عمل میں سودمند ثابت ہو تو تدریسی عمل مزید پختہ تر ہو جاتا ہے۔

۶۔ معلم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا پیشہ کس قدر مقدس اور معتبر ہے۔ یہ وہ پیشہ ہے جسے پیشۂ پیغمبری کہا جاتا ہے۔ کسی دانا کا قول ہے کہ: ''میرے والدین مجھے زمین پر لائے اور میرے استاد نے مجھے آسمان تک پہنچا دیا۔''

اگر معلم اپنے پیشے کی تقدیس کا احساس کر لے تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ تدریسی عمل کی کامیابی کے لیے اپنی حد تک ہر مطلوبہ اقدام لے گزرے گا۔

سبق نمبر:۳۵
نثری اسباق کی تیاری

ذیل میں پانچ مختلف جماعتوں کے لیے نثری اسباق کی تیاری کے نمونہ جات پیش کیے گئے ہیں۔ ان نمونہ جات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف نثری اسباق کے لیے سبقی خاکہ جات ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔

یادرہے کہ نمونہ کے لیے منتخب کیے گئے تمام اسباق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے مروجہ نصاب سے لیے گئے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۰۶۔

نثری اسباق کی تیاری برائے جماعت اول:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون:

اردو

تاریخ:

۰۰۔۰۰۔۰۰۰

سبق کا عنوان

''اچھالڑکا''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- ذخیرہِ الفاظ میں اضافہ
- پڑھنے کی مہارت پر عبور

- آدابِ معاشرت سے آگہی

(ب)سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- جماعت کا سب سے اچھا لڑکا کون ہے؟
- آپ کیوں اچھے ہیں؟
- اچھی بات کسے کہتے ہیں؟

۲۔پیشکش:

(الف)سبق کے تعارف کے لیے ابتدائی کلمات:

''یہ سبق ایک اچھے لڑکے کے متعلق ہے۔اس کا نام زاہد ہے۔زاہد ہمیشہ اچھے کام کرتا ہے۔''

(ب)سبق کی تقسیم:

- زاہد کو صبح۔۔۔۔۔۔۔کام خود کرنا چاہیے۔
- ناشتے کے بعد۔۔۔۔۔۔۔کی عادت ہے۔
- شام کو زاہد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سو جاتا ہے۔

(ج)مرحلۂ قرات:

- معلم کی قرات
- بچوں کی جملہ با جملہ قرات
- معلم اور بچوں کی مشترکہ قرات

(د)الفاظ کے جوڑ توڑ:

فجر،مسجد،گنبد،سبق۔

۳۔مشق و اعادہ:

(الف)سبق کے متعلق سوالات:

- آپ کو یہ سبق کیسا لگا؟
- زاہد کی سب سے اچھی عادت کون سی ہے؟
- زاہد کب اٹھتا ہے؟
- زاہد کب سوتا ہے؟

ذیلی موضوع نمبر:۲۰۷۔

نثری اسباق کی تیاری برائے جماعت سوم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''پاکستان کے صوبے''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ
- پڑھنے کی مہارت
- پاکستان کے صوبوں کا تعارف
- اتحاد کا درس

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- پاکستان کے کتنے صوبے ہیں؟
- ان صوبوں کے نام کیا ہیں؟
- ہمارے صوبے کا سب سے بڑا شہر کون سا ہے؟

(ج) مشکل الفاظ کے معنی:

جفاکش،زائرین،شہرگ،سیاح

۲۔پیشکش:

(الف) سبق کا زبانی تعارف:

(ب)معاونات کا استعمال:

پاکستان کے نقشے کے ذریعے صوبوں کی نشاندہی اور بڑے شہروں کی شناخت۔

(د) سبق کی تقسیم:

- پاکستان ہمارا۔۔۔۔۔۔ پاکستان کی شہرگ کہا جاتا ہے۔
- پاکستان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سیر کے لیے آتے ہیں۔
- آبادی کے لحاظ سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شعرا ہیں۔
- صوبہ سندھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خاص حصہ ہے۔
- صوبہ بلوچستان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ہے۔

(ہ) وضاحتی قرات:

- معلم کی قرات اور وضاحت
- بچوں کی قرات اور موضوع پر گفتگو

۳۔مشق واعادہ:

(الف) فینسی ڈریس شو کا اہتمام اور مختلف علاقوں کے لباس کی شناخت:

(ب) سبق سے متعلق مختصر مشقی سوالات:

ذیلی موضوع نمبر:۲۰۸۔

نثری اسباق کی تیاری برائے جماعت چہارم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''میجر عزیز بھٹی شہید''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- قومی ہیرو کا تعارف
- بہادری کا درس
- حبّ الوطنی کی ترغیب
- لکھنے کی مہارت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- پاکستان کب معرضِ وجود میں آیا؟
- پاکستان کے معروف فوجی ہیرو کون سے ہیں؟

(ج) مشکل الفاظ کے معنی:

بھسم، جل کر راکھ ہونا، بے جگری، ہشاش بشاش۔

۲۔ پیشکش:

(الف) موضوع کا تعارف اور جنگ کا پس منظر:

(ب) معاونات کا استعمال:

میجر عزیز بھٹی شہید کی تصویر، نشانِ حیدر کا ماڈل، پینسٹھ کی جنگ کی تصاویر۔

(ج) سبق کی تقسیم:

- چھ ستمبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجبور ہو گئی۔
- میجر عزیز بھٹی شہید۔۔۔۔۔۔مقابلہ کر رہے تھے۔
- راجہ عزیز بھٹی شہید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نوازا گیا۔

(د) مرحلۂ قرات اور وضاحت:

- معلم کی قرات اور وضاحت
- بچوں کی قرات
- بچوں کے سوالات

۳۔ مشق و اعادہ:

(الف) بچوں سے الفاظ اور محاورات سے جملے بنوائیے:

دفاع، دعا، طلبگار، اعزاز، دشمن۔

(ب) مختصر مشقی سوالات

ذیلی موضوع نمبر:۲۰۹۔

۴۔ نثری اسباق کی تیاری برائے جماعت پنجم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''قلعۂ لاہور''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- تاریخی ورثہ سے آگہی
- تاریخی مطالعہ کا شوق
- گفتگو کی مہارت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- قلعہ کسے کہتے ہیں؟
- کیا آپ نے قلعۂ لاہور دیکھا ہے؟
- قلعۂ لاہور کس نے بنوایا؟

(ج) مشکل الفاظ کے معنی:

جاہ وجلال، بُرج، خندق، قلعہ، دربار۔

۲۔پیشکش:

(الف) موضوع کا تعارف:

- مغلوں کا تعارف
- لاہور کی مغلیہ عمارات کا تعارف
- قلعۂ لاہور پر عمومی گفتگو

(ج) سبق کی تقسیم:

- لاہور کے بارے میں ------لاہور آتے ہیں۔
- بچے بڑے سب-----------آ گاہ کریں۔
- گائڈ نے بتایا-------------نہیں آیا۔
- شاہی قلعہ لاہور-----------ساتھ دیں۔

(د) مرحلۂ قرات:

- معلم کی قرات
- بچوں کی قرات

۳۔ وضاحت اور اظہارِ خیال:

- قلعۂ لاہور کی سیر
- دورانِ سیر قلعۂ لاہور پر سوال و جواب
- بچوں کو مشاہدہ پر اکسانا

۴۔ مشق و اعادہ:

(الف) سیر سے واپسی پر موضوعی گفتگو:

- قلعۂ لاہور کی سیر سے حاصل شدہ معلومات کا اپنے لفظوں میں بیان
- قلعۂ لاہور کی پسندیدہ جگہ پر گفتگو

ذیلی موضوع نمبر: ۲۱۰۔

نثری اسباق کی تیاری برائے جماعت ہفتم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

..-..-....

سبق کا عنوان

''کسان کی دانائی''

تیاری کے مراحل:

۱۔پیشگی تیاری:

(الف)مقاصد کا تعین:

- کہانیوں کے مطالعہ سے رغبت
- کہانی اور مضمون نیز دیگر اصناف میں فرق
- دانائی اور عقل کی اہمیت کا ادراک

(ب)سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- کہانی کسے کہتے ہیں؟
- کسان کیا کام کرتا ہے؟
- کیا آپ نے کبھی گاؤں دیکھا ہے؟

(ج)الفاظ کے معنی:

دانائی، زیرک، عش عش کر اٹھنا، آگ بگولہ ہونا۔

۲۔پیشکش:

(الف)سبق کا تعارفی خلاصہ:

(ب)سبق کی تقسیم:

- پرانے وقتوں۔۔۔۔۔۔۔مجھے اس کا مطلب سمجھاؤ۔
- کسان نے ہاتھ جوڑ کر۔۔۔۔۔۔۔سوگوار نہ دیکھوں۔
- یہ سن کر وزیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پیش کرنے لگے۔

(ج)وضاحتی قرات:

- بچوں کی قرات

- معلم کی وضاحت
- کہانی کے اختتام پر معلم کی مجموعی وضاحت
- مشکل الفاظ کے معنی کی وضاحت

۳۔مشق واعادہ:

(الف)مختصر سوالات:

- کسان کتنے پیسے کماتا تھا؟
- وہ اپنے پیسوں کو کیسے تقسیم کرتا تھا؟
- پیسوں کی تقسیم کو اپنے لفظوں میں بیان کریں؟
- کہانی سے ہم کیا سبق سیکھتے ہیں؟

(ب)عملی پیش کاری:

بچوں کے ساتھ مل کر کہانی کی ڈرامائی تشکیل کریں اور سکول میں پیش کریں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۱۔

نثری اسباق کی تیاری: تقابلی جائزہ:

گزشتہ اوراق میں جماعت اول، سوم، چہارم، پنجم اور ہفتم کے لیے پانچ مختلف نثری اسباق کی تیاری کے نمونہ جاتی خاکے پیش کیے گئے۔

ان خاکوں کا مقصد یہ تھا کہ:

۱۔مختلف خاکوں میں پائی جانے والی مماثلتوں کی نشاندہی کی جاسکے۔

۲۔مختلف خاکوں میں پائے جانے والے فرق کو واضح کیا جاسکے۔

۳۔متنوع خاکوں کی مثالیں پیش کی جاسکیں تاکہ معلمین ہر طرح کا خاکہ بنانے پر قدرت حاصل کرلیں۔

مماثلتوں کی نشاندہی:

۱۔ابتدائی معلومات کا اندراج ہر خاکہ کا اساسی عنصر ہے جس میں مضمون، تاریخ اور سبق کا عنوان درج کیا جاتا ہے۔

۲۔تیاری کے مراحل کا بنیادی خاکہ یکساں رکھا گیا ہے تاکہ ایک سانچے کی پیروی سے سبقی خاکہ آسانی سے تیار ہوسکے۔

خاکہ کی یہ ترتیب یوں ہے:

۱۔پیشگی تیاری، ۲۔پیشکش، ۳۔مشق واعادہ۔

فرق کی وضاحت:

مختلف خاکوں میں زبان کے حوالہ سے مقاصد مختلف ہیں۔مقاصد کا تعین جماعت اور سبق دونوں کو مدِنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

۱۔ جماعت اول اور سوم میں تحصیلِ زبان کے مقاصد ''پڑھنے کی مہارت اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ'' ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ابتدائی جماعتوں میں قرات کو رواں کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔

۲۔ جماعت چہارم اور پنجم میں تحصیلِ زبان کے مقاصد بالترتیب '' لکھنے کی مہارت اور گفتگو کی مہارت'' ہیں۔

اس کا ایک سبب سبق کی نوعیت ہے اور دوسرا محرک جماعتی سطح ہے۔

۳۔ جماعت ہفتم میں تحصیلِ زبان کا مقصد اصناف کی پہچان ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ساتویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے توقع کی جاتی ہے کہ بچے بولنے، پڑھنے اور لکھنے جیسی مہارتوں پر بنیادی عبور حاصل کر چکے ہوں گے۔ آئندہ جماعتوں میں ان مہارتوں کو مزید پختہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سطح پر بچوں کو اصناف کے حوالہ سے بنیادی آگہی حاصل ہونی چاہیے۔

متنوع خاکوں کی صورتیں:

تحصیلِ زبان کے مقاصد کے ساتھ ساتھ مضامینِ زبان سے متعلمین کی تربیت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر ترتیب دیے گئے خاکوں میں دیگر مقاصد کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ ان مقاصد کا تعین خالصتاً سبق کے موضوع کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ جماعت اول کے سبقی خاکہ میں بچوں کو ''مثالی آدابِ معاشرت'' سے آگاہ کرنا ہے۔

۲۔ جماعت سوم اور چہارم کے سبقی خاکوں میں موضوعی مقصد ''ملک و قوم سے متعارف کروانا اور حبّ الوطنی'' کو فروغ دینا ہے۔

۳۔ جماعت پنجم کا سبقی خاکہ طلبا میں ''تاریخی مطالعہ'' کے شوق کے فروغ کے لیے ہے۔

۴۔ جماعت ہفتم کا سبقی خاکہ ''افسانوی نثر سے آگہی'' کی مثال ہے۔

نوٹ:

کسی بھی سبق کی تیاری کے دوران ضروری نہیں کہ کسی نمونہ جاتی خاکہ کو بعینہ بروئے کار لایا جائے۔ سبق کی مناسبت سے دیگر سبقی خاکوں کے عناصر سے استفادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

سبق نمبر:۳۶
شعری اسباق کی تیاری

ذیل میں پانچ مختلف جماعتوں کے لیے شعری اسباق کی تیاری کے نمونہ جات پیش کیے گئے ہیں۔ ان نمونہ جات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف شعری اسباق کے لیے سبقی خاکہ جات ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔

یاد رہے کہ نمونہ کے لیے منتخب کیے گئے تمام اسباق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے مروجہ نصاب سے لیے گئے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۲۔

شعری اسباق کی تیاری برائے جماعت اول:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''حمد''

تیاری کے مراحل:

ا۔ پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ
- پڑھنے کی مہارت پر عبور

- اللہ تعالیٰ کے تصور اور حاکمیت کی وضاحت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- ہم سب کو کس نے پیدا کیا؟
- ہمیں کھانے کو کون دیتا ہے؟
- ہمیں کس کی عبادت کرنی چاہیے؟

الفاظ کے جوڑ توڑ:

چاند، سورج، جھیل، میوے، صحرا۔

۲۔ پیشکش:

(الف) معاونات کی مدد سے سبق کا تعارف:

مختلف اشیا اور پھل پھول دکھا کر بچوں کو بتایا جائے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔

(ب) سبق کی تقسیم:

ہر شعر کی الگ قرات کریں۔

(ج) مرحلۂ قرات:

- معلم کی قرات
- بچوں کی قرات
- معلم کی پیروی میں بچوں کی قرات

۳۔ مشق واعادہ:

(الف) موضوع پر مختصر سوالات:

(ب) ورک شیٹ بنایئے:

مختلف اجسام کی تصاویر ورک شیٹ پر لگایے اور ان کے نام لکھ کر بچوں سے پڑھایئے، مثلاً:

چاند، سورج، جھیل، درخت وغیرہ۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۱۳۔

شعری اسباق کی تیاری برائے جماعت سوم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

..-..-....

سبق کا عنوان

''قائدِ اعظمؒ ''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- پڑھنے کی مہارت پر عبور
- فکر انگیزی
- بانیٔ پاکستان کا تعارف
- وطن سے محبت کا فروغ

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

- مختلف رہنماؤں کی تصاویر دکھا کر ان کے نام پوچھیے؟
- ذیلی الفاظ کا تلفظ اور معنی پوچھیے؟

بھٹکنا، قوت، شادماں، پاسباں۔

۲۔پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- زبانی تعارف
- پرچم، پاکستان کا نقشہ، قائد اور مزارِ قائد کی تصاویر دکھا کر مزید وضاحت

(ب) سبق کی تقسیم:

ہر بند کی الگ تدریس

(ج) مرحلۂ قرات و وضاحت:

- معلم کی قرات

- بچوں کی قرات
- معلم کی راہنمائی میں بچوں کی قرات
- بچوں کی ابتدائی تشریح ووضاحت
- معلم کی جامع وضاحت

۳۔مشق واعادہ:

(الف) قائد کے متعلق مختصر سوالات

- ہمارے قائد کب پیدا ہوئے؟
- آپ کو قائد کی کون سی بات سب سے اچھی لگی؟
- بانی کسے کہتے ہیں؟
- پاکستان کا بانی کون ہے؟

(ب)طلبا ذیلی الفاظ کے زبانی جملے بنائیں؟

گلستاں،شادماں راہنما،کارواں،عزت۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۴۔

شعری اسباق کی تیاری برائے جماعت چہارم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

’’پہاڑ اور گلہری‘‘

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ

- عملی پیش کاری کا سلیقہ سکھانا
- شاعرِ مشرق کا تعارف
- غرور اور تکبر سے بچنے کی تلقین

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

- علامہ اقبالؒ سے متعلق مختصر سوالات
- ذیلی الفاظ کے معنی

شور، قدرت، آن بان، بساط۔

۲۔ پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- علامہ اقبالؒ کا تعارف:
- پہاڑ اور گلہری کی تصاویر دکھا کر دونوں کی نوعیت پر روشنی

(ب) سبق کی تقسیم:

ہر بند کی الگ تدریس

(ج) قرات و وضاحت:

- معلم کی قرات
- بچوں کی قرات
- معلم کی رہنمائی میں بچوں کی قرات
- بچوں کی تشریح
- معلم کی جامع وضاحت۔

۳۔ مشق و اعادہ:

(الف) بچے پہاڑ اور گلہری کے مکالمات کی عملی پیش کاری کریں۔

(ب) مختصر سوالات:

- پہاڑ کو کس بات پر غرور تھا؟
- گلہری کو کس بات پر مان تھا؟
- غرور اور تکبر سے کیوں بچنا چاہیے؟

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۵۔

شعری اسباق کی تیاری برائے جماعت پنجم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

••-••-••••

سبق کا عنوان

''چھوٹی چیونٹی''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ
- لکھنے کی مہارت پر عبور
- محنت اور جدوجہد کا درس

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

چیونٹی سے متعلق مختصر سوالات:

- کیا آپ کو چیونٹی میں کوئی خاص بات نظر آتی ہے؟
- کیا آپ نے کبھی چیونٹی کو خوراک اکٹھے کرتے دیکھا ہے؟
- چیونٹی کی خوراک کیا ہے؟

ذیلی الفاظ کے معنی بتائیے؟

دوربیں، عاقلہ، تنیں، آفریں۔

۲۔پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- چیونٹی اور دیگر حشرات الارض کے طرزِ زیست پر گفتگو

- نظم کے مرکزی خیال کا بیان

(ب) سبق کی تقسیم:

ہر بند کی الگ تدریس

(ج) قرات ووضاحت:

- معلم کی قرات
- بچوں کی قرات
- معلم الفاظ کے معنی کی وضاحت کرے
- بچوں سے تشریح کروائی جائے
- معلم آخر میں جامع تشریح اور وضاحت کرے

۳۔ مشق واعادہ:

- نظم کا خلاصہ لکھوایئے
- منتخب الفاظ کے جملے بنوایئے اور لکھوایئے
- ''محنت کی برکات'' پر پانچ سے دس جملے لکھوایئے

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۶۔

شعری اسباق کی تیاری برائے جماعت ہشتم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰۔۰۰۔۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''دریا کی سیر''

تیاری کے مراحل:

ا۔ پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- دریا کی اہمیت اور فوائد سے آگہی
- ہم آواز الفاظ کی پہچان اور مشق

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

دریا کے متعلق مختصر سوالات:

- دریا کسے کہتے ہیں؟
- آپ کبھی دریا کی سیر کو گئے ہیں؟
- دریا سے ہمیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟

مشکل الفاظ کے معنی:

روانی، ستانا، راحت، افسانہ۔

۲۔ پیشکش:

(الف) تعارفی گفتگو:

- دریا کا تعارف
- پاکستان کے معروف دریاؤں کے نام بتانا
- قریبی دریا پر گفتگو
- نظم کا مرکزی خیال بتانا

(ب) سبق کی تقسیم:

ہر بند کی الگ تدریس

(ج) قرات و وضاحت:

- معلم کی قرات
- بچوں کی قرات
- معلم کی تصحیح
- معلم اہم الفاظ کے معنی بتائیے
- بچوں کی تشریح
- معلم کی جامع تشریح
- معلم کی رہنمائی میں قریبی دریا کی سیر اور دریا کا تعارف

۳۔مشق واعادہ:

- ذیلی الفاظ کی مدد سے ہم آواز الفاظ کی مشق

دعا، راحت، روانی، محبت۔

- بچے منتخب بند کی تشریح کریں
- بچے نظم کا مرکزی خیال لکھ کر لائیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۷۔

شعری اسباق کی تیاری: تقابلی جائزہ:

گزشتہ اوراق میں جماعت اول، سوم، چہارم، پنجم اور ہشتم کے لیے پانچ مختلف شعری اسباق کی تیاری کے نمونہ جاتی خاکے پیش کیے گئے۔

ان خاکوں کا مقصد یہ تھا کہ:

۱۔مختلف خاکوں میں پائی جانے والی مماثلتوں کی نشاندہی کی جا سکے۔

۲۔مختلف خاکوں میں پائے جانے والے فرق کو واضح کیا جا سکے۔

۳۔متنوع خاکوں کی مثالیں پیش کی جا سکیں تا کہ معلمین ہر طرح کا خاکہ بنانے پر قدرت حاصل کر لیں۔

مماثلتوں کی نشاندہی:

۱۔ابتدائی معلومات کا اندراج ہر خاکہ کا اساسی عنصر ہے جس میں مضمون، تاریخ اور سبق کا عنوان درج کیا جاتا ہے۔

۲۔تیاری کے مراحل کا بنیادی خاکہ یکساں رکھا گیا ہے تا کہ ایک سانچے کی پیروی سے سبقی خاکہ آسانی سے تیار ہو سکے۔

خاکہ کی یہ ترتیب یوں ہے:۱۔پیشگی تیاری، ۲۔پیشکش، ۳۔مشق واعادہ۔

واضح رہے کہ پیشکش کے مرحلہ میں قرات کے بعد وضاحت یا اظہارِ خیال کے عنوان سے الگ مرحلہ بھی تشکیل دیا جا سکتا ہے۔پیش کیے گئے

خاکوں میں قرات و وضاحت سے متعلقہ نکات کی پیش کاری پیشکش کے مرحلہ میں ''قرات و وضاحت'' کے عنوان سے اکٹھی کی گئی ہے۔

فرق کی نشاندہی:

۱۔جماعت اول میں پڑھائی کی مہارت اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ تحصیلِ زبان کے مقاصد ہیں۔

۲۔جماعت سوم میں پڑھائی کی مہارت اور فکر انگیزی تحصیلِ زبان کے مقاصد ہیں۔

۳۔جماعت چہارم میں ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ، عملی پیش کاری کا سلیقہ اور علامہ اقبالؒ کا تعارف تحصیلِ زبان اور ادب کے مقاصد ہیں۔

۴۔جماعت پنجم میں ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ اور لکھنے کی مہارت تحصیلِ زبان کے مقاصد ہیں۔

۵۔جماعت ہشتم میں ہم آواز الفاظ کی پہچان اور مقصد لسانی مہارت کا مقصد ہے۔

موضوعی حوالہ سے مختلف سبقی خاکوں کی مثالیں:

ا۔ جماعت اول کے سبقی خاکہ کا موضوع دینی ہے۔

۲۔ جماعت سوم کی نظم کا موضوع قومی ہے۔

۳۔ جماعت چہارم اور پنجم کی منظومات کا موضوع معاشرتی اور انسانی اقدار ہے۔

۴۔ جماعت ہشتم کا موضوع فطرت سے آشنائی ہے۔

کسی بھی سبق کی تیاری کے دوران ضروری نہیں کہ کسی نمونہ جاتی خاکہ کو بعینہ بروئے کار لایا جائے۔ سبق کی مناسبت سے دیگر سبقی خاکوں کے عناصر سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

سبق نمبر:۳۷

قواعدی اسباق کی تیاری

ذیل میں پانچ مختلف جماعتوں کے لیے قواعدی اسباق کی تیاری کے نمونہ جات پیش کیے گئے ہیں۔ان نمونہ جات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف قواعدی اسباق کے لیے سبقی خاکہ جات ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۱۸۔

قواعدی اسباق کی تیاری برائے جماعت اول:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''واحد جمع''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- عددی تصور کی وضاحت
- اردو میں واحد جمع کے کلیہ کی وضاحت

- واحد جمع کی شناخت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

- تختۂ تحریر پر لکیریں اور خاکے کھینچئے
- بچوں کو مختلف اشیا مختلف تعداد میں دکھایئے
- لکیروں، خاکوں اور اشیا کی تعداد کے حوالہ سے بچوں سے سوال کیجیے

۲۔ پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- زبانی وضاحت
- پھل یا مختلف اشیا دکھا کر واحد جمع کے تصور کی وضاحت

(ب) سبق کی تقسیم:

- ''الف'' کو ''ے'' سے بدل کر واحد سے جمع بنانا
- ''ی'' کو ''یاں'' سے بدل کر واحد سے جمع بنانا

(ج) کلیہ وضع کرنا:

- مذکر کی صورت میں ''الف'' کو ''ے'' سے بدل کر واحد سے جمع بنایا جاتا ہے۔
- مونث کی صورت میں ''ی'' کو ''یاں'' سے بدل کر واحد کو جمع بنایا جاتا ہے۔

نوٹ:

واحد سے جمع بنانے کے دیگر کلیہ جات کی تدریس جماعت اول کی سطح پر نہیں کی جانی چاہئے۔ ایسی صورت میں بچے ابہام کا شکار ہو سکتے ہیں۔

۳۔ طلبا کی شمولیت:

(الف) معاونات کا استعمال:

(ب) کلیہ کے مطابق طلبا کی مشق:

۴۔ مشق و اعادہ:

(الف) زبانی اعادہ

(ب) ورک شیٹ پر تصاویر کی مدد سے واحد سے جمع بنوایئے

ذیلی موضوع نمبر: ۲۱۹۔

قواعدی اسباق کی تیاری برائے جماعت سوم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''کلمہ اور مہمل''

تیاری کے مراحل:

۱۔ پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- بامعنی اور بے معنی الفاظ کی پہچان
- درست الفاظ کا استعمال
- کلمہ اور مہمل کی شناخت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- کیا ہم بے معنی الفاظ بھی بولتے ہیں؟
- بامعنی الفاظ اور بے معنی الفاظ میں کیا فرق ہے؟

۲۔ پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- موضوع پر عمومی گفتگو

(ب) سبق کی تقسیم:

- کلمہ کی تعریف اور مثالیں
- مہمل کی تعریف اور مثالیں

(ج) کلیہ وضع کرنا:

کلمہ کے پہلے حرف کی جگہ ''و'' یا ''ش'' لگا کر کلمہ کو مہمل میں بدلا جاتا ہے۔

۳۔طلبا کی شمولیت:

- تختۂ تحریر پر چند جملے لکھئے جن میں کلمہ اور مہمل کا استعمال ہو
- بچوں سے اس عبارت میں سے کلمہ اور مہمل کی نشاندہی کروایئے

۴۔مشق واعادہ:

- زبانی اعادہ
- تحریری اعادہ

بچوں سے کلمہ اور مہمل کی تعریفات اور مثالیں لکھ کر لانے کو کہیں۔

ذیلی موضوع نمبر ۲۲۰۔

قواعدی اسباق کی تیاری برائے جماعت چہارم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''اسم نکرہ اور اسم معرفہ''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- معنی کے حوالہ سے اسم کی اقسام کا تعارف
- اسم کے حوالہ سے خاص اور عام کے تصور کی وضاحت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات:

- اسم کے معنی کیا ہیں؟

- اسم کی تین مختلف مثالیں بتائیے؟
- خاص اور عام میں کیا فرق ہے؟

۲۔پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- اسم کی تعریف کی دُہرائی
- معاونات کا استعمال
- تصاویر کی مدد سے شخص، جگہ اور چیز کے تصور کی وضاحت

(ب) سبق کی تقسیم:

- اسم نکرہ کی تعریف اور مثالیں
- اسم معرفہ کی تعریف اور مثالیں

(ج) کلیہ کی وضاحت:

- کسی بھی شخص، جگہ یا چیز کا ذاتی نام اسم معرفہ ہوگا۔
- کسی بھی شخص، جگہ یا چیز کا عمومی نام اسم نکرہ ہوگا۔

۳۔طلبا کی شمولیت:

- معاونات کا استعمال
- طلبا سے اسم معرفہ اور اسم نکرہ کی شناخت کروانا

۴۔مشق واعادہ:

- تفویض کار کی صورت میں طلبا سے اسم معرفہ کی تعریف اور مثالیں لکھوانا
- تفویض کار کی صورت میں طلبا سے اسم نکرہ کی تعریف اور مثالیں لکھوانا

ذیلی موضوع نمبر:۲۲۱۔

قواعدی اسباق کی تیاری برائے جماعت پنجم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

..-..-....

سبق کا عنوان

''کلمہ کی اقسام''

تیاری کے مراحل:

۱۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- کلمہ کی اقسام سے آگہی
- عبارتوں میں کلمہ کی اقسام کی شناخت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

- کلمہ کی تعریف پوچھئے
- کلمہ اور مہمل میں فرق کی شناخت کروایئے

۲۔پیشکش:

(الف) سبق کا تعارف:

- کلمہ کی تعریف کی دُہرائی
- کلمہ کی اقسام پر ابتدائی گفتگو

(ب) سبق کی تقسیم:

- اسم کی تعریف اور معنی کے حوالہ سے اسم کی اقسام کی وضاحت
- فعل کی تعریف اور زمانے کے حوالہ سے فعل کی تین اقسام کی وضاحت
- حرف کی تعریف اور وضاحت

(ج) کلیہ وضع کرنا:

- ہر وہ لفظ جو کسی شخص جگہ یا چیز کا نام ہو، اسم کہلاتا ہے۔
- ہر لفظ جس کے معنی میں کسی کام کا ہونا یا کرنا پایا جائے فعل کہلاتا ہے۔
- وہ الفاظ جو تنِ تنہا کوئی معنی نہیں رکھتے لیکن جملہ ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا حرف کہلاتے ہیں۔

۳۔طلبا کی شمولیت:

- زبانی جملوں میں اسم فعل اور حرف کی شناخت کروایئے

۴۔مشق واعادہ:

درسی کتاب کی کسی عبارت میں سے بچوں کو اسم، فعل اور حرف الگ لکھ کرلانے کو کہیے۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۲۲۔

قواعدی اسباق کی تیاری برائے جماعت ہفتم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''اسم معرفہ کی اقسام''

تیاری کے مراحل:

۱۔پیشگی تیاری:

(الف)مقاصد کا تعین:

- اسم معرفہ کی اقسام سے آگہی
- عبارتوں اور گفتگو میں اسم معرفہ کی اقسام کی شناخت

(ب)سابقہ معلومات کا علم:

- اسم کی تعریف پوچھیے
- اسم نکرہ اور اسم معرفہ میں فرق دریافت کیجیے

۲۔پیشکش:

(الف)سبق کا تعارف:

- اسم کی تعریف دہرایے
- اسم معرفہ اور اسم نکرہ میں فرق کی وضاحت کا اعادہ کیجیے
- اسم معرفہ کی اقسام کی نشاندہی کیجیے

(ب)سبق کی تقسیم:

- اسمِ علم کی تعریف اور مثالیں
- اسمِ ضمیر کی تعریف اور مثالیں
- اسمِ اشارہ کی تعریف اور مثالیں
- اسمِ موصول کی تعریف اور مثالیں

(ج) کلیہ وضع کرنا:

- وہ کلمہ جو کسی شخص کے اصل نام کی بجائے اس شخص کی پہچان بن جائے، اسمِ علم کہلاتا ہے۔ مثلاً ابنِ مریم، شیرِ بنگال، چھوٹو وغیرہ۔
- وہ کلمہ جو اصل اسم کی جگہ بولا جائے اسمِ ضمیر کہلاتا ہے۔ مثلاً، میں، تم، وہ وغیرہ۔
- وہ کلمہ جو کسی اسم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسمِ اشارہ کہلاتا ہے۔ مثلاً، یہ، وہ وغیرہ۔
- وہ کلمہ جو اس وقت تک بامعنی نہیں بنتا جب تک کوئی اور جملہ اس کی وضاحت نہ کردے۔ مثلاً، جو، جس وغیرہ۔

۳۔ طلبا کی شمولیت:

- کسی درسی کتاب میں سے اسمِ معرفہ کی اقسام کی نشاندہی
- گفتگو میں اسمِ معرفہ کی اقسام کی نشاندہی

۴۔ مشق و اعادہ:

- اسمِ معرفہ کی اقسام کی تعریفات اور مثالیں زبانی سنیے
- تفویضِ کار کے طور پر اسمِ معرفہ کی اقسام اور ہر قسم کی پانچ پانچ مثالیں لکھوائیے

ذیلی موضوع نمبر: ۲۲۳۔

قواعدی اسباق کی تیاری: ضروری ہدایات:

قواعدی اسباق کی تیاری کرتے وقت درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ بنیادی معلومات کا اندراج کیا جائے۔

مضمون، تاریخ اور سبق کی نشاندہی کرنے کا اہم ترین فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ریکارڈ سازی میں معاونت ہوتی ہے اور آئندہ بھی ان سبقی خاکوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ نیز ان معلومات کے اندراج سے کسی بھی پرانے خاکہ کو تلاش کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

۲۔ تیاری کے مراحل میں پیشگی تیاری، پیشکش، طلبا کی شمولیت اور مشق و اعادہ کی ترتیب ملحوظ رکھنی چاہیے۔

۳۔ قواعدی اسباق کی تدریس کرتے وقت عملی وضاحت اور مثالوں کا استعمال ضروری ہے۔ چنانچہ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ وضاحتی جملے اور مثالیں سبقی تیاری کے خاکہ میں درج کرلیں۔ پیش کیے گئے خاکوں میں کلیہ کی وضاحت میں درج کیے گئے جملے اسی کی ایک صورت ہیں۔ معلمین اپنی آسانی کے مطابق مثالیں بھی سبقی تیاری میں شامل کرسکتے ہیں۔

۴۔قواعدی اسباق خالصتاً تحصیلِ زبان کے لیے نصاب میں شامل کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے تدریسی مقاصد کا تعین کرتے وقت لسانی مہارتیں ہی ذہن نشین رہنی چاہئیں۔اس سلسلہ میں یہ امر مدِ نظر رہنا ضروری ہے کہ کس جماعت کو کس قاعدہ کی تدریس کی جارہی ہے۔ یہ مسئلہ اس لیے اہم ہے کہ مثالوں کا تعین جماعتی سطح کے مطابق ہی کیا جاتا ہے۔

۵۔قواعدی اسباق کی تدریس میں طلبا کی شرکت نہایت اہم ہوتی ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ اگر طلبا عدم سرگرمی کا شکار ہوں جائیں تو وہ قواعد کو درست طور پر سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ چنانچہ سابقہ معلومات کا علم،سبق کا تعارف اور کلیہ کی وضاحت کے مراحل میں طلبا کی شمولیت کو یقینی بنانا چاہیے۔

٦۔یوں تو مشق واعادہ ہر سبق کے لیے ضروری ہے البتہ قواعدی اسباق کی تدریس میں مسلسل مشق کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ وقت مشق پر صَرف کرنا چاہیے۔اس سلسلہ میں زبانی آزمائش اور تحریری آزمائش دونوں سے کام لینا چاہیے۔

سبق نمبر:۳۸۔

تدریسی معاونات

جدید تعلیمی افکار میں کھیلوں کو بھی موثر تدریسی معاونات تصور کیا جاتا ہے۔ بالخصوص ابتدائی جماعتوں کے لیے، سفارش کی جاتی ہے کہ لکھائی اور پڑھائی کی مہارتوں کے لیے کھیلوں کا سہارا لیا جائے۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۲۴۔

پڑھائی کے کھیل:

''تدریسی معاونات میں پڑھائی کے کھیلوں سے مراد وہ سرگرمیاں ہیں جن کے ذریعے کھیل ہی کھیل میں بچوں کو پڑھائی کی مختلف جہات سے آشنا کیا جاتا ہے۔''

یعنی وہ سرگرمیاں جن میں بچوں کو تدریسی بوجھ کا احساس نہ ہو اور وہ تفریحی انداز میں قرات کی مہارت پر عبور حاصل کرلیں۔

پڑھائی کے کھیلوں کے مقاصد:

ا۔ بچے حروفِ تہجی کی پہچان کرنے لگیں۔

۲۔ بچے حروف سے الفاظ بنانا سیکھ لیں۔

۳۔ بچے حروف اور الفاظ کے ساتھ ساتھ جملے پڑھنا سیکھ لیں۔

۴۔ بچوں کو اشیا کے ناموں کی شناخت ہو جائے۔

۵۔ بچے جسم کے حصوں کے نام پڑھ سکیں۔

۶۔ بچے اٹکاؤ کے بغیر روانی سے جملہ پڑھ سکیں۔

۷۔ بچے جو کچھ پڑھیں اسے سمجھ بھی سکیں۔

۸۔ بچوں کو درست اور غلط جملوں کے تصور سے آگہی ہو جائے۔

۹۔ بچوں کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہو جائے۔

۱۰۔ بچے پڑھی ہوئی عبارت پر اظہارِ خیال کر سکیں۔

پڑھائی کے کھیلوں کا جواز:

متذکرہ مقاصد کا حصول با قاعدہ تدریس کی بجائے کھیلوں کے ذریعے بہتر طور پر اس لیے ممکن ہے کہ:

۱۔ ابتدائی سطح پر بچوں کے لیے نصابی ارتکاز مشکل ہوتا ہے۔یعنی کتاب کے ذریعے بچوں کو زیادہ دیر تک پڑھائی کی طرف راغب رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۔ فطری طور پر بچے ابتدائی جماعتوں میں کھیلوں کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں۔

۳۔ کھیلوں میں بچے کسی دباؤ کے بغیر دلچسپی لیتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۲۵۔

پڑھائی کے کھیلوں کی عملی صورت:

تدریسی عمل میں کھیلے جانے والے کھیلوں کے ضوابط یا ان کی نوعیت لگی بندھی نہیں ہوتی۔ ان کھیلوں کا بہت زیادہ انحصار معلم کی تخلیقی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ ذیل میں مثال کے طور پر چند کھیلوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ کھیل مختلف ناموں سے ہمارے سکولوں میں ابتدائی سطح پر بچوں میں پڑھائی کی مہارت کے لیے کھیلے جاتے ہیں۔

(الف) لفظی تکمیل: یعنی نامکمل لفظ دکھا کر بچوں میں الفاظ مکمل کرنے کا مقابلہ۔

(ب) عبارتی قرات: یعنی مختلف عبارتیں پڑھوا کر بچوں کی قرات کا اندازہ کرنا۔

(ج) حرفی شناخت: یعنی پلاسٹک، لکڑی یا کاغذ کے حروف دکھا کر بچوں سے ان کی شناخت کروانا۔

(د) لفظی شناخت: یعنی فلیش کارڈ پر مختلف الفاظ دکھا کر بچوں سے الفاظ کی شناخت کروانا۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۲۶۔

لکھائی کے کھیل:

> ''لکھائی کے کھیلوں سے مراد تفریحی نوعیت کی وہ مشقیں یا سرگرمیاں ہیں جن کے ذریعے بچوں کو لکھائی کی مہارتوں میں تاک کیا جاتا ہے۔''

پڑھائی کی طرح لکھائی کے کھیلوں کو بھی ابتدائی سطح پر اسی لیے اہمیت حاصل ہے کہ بچے تفریح کے ذریعے زیادہ آسانی سے سیکھ لیتے ہیں۔

لکھائی کے کھیلوں کے مقاصد:

۱۔ بچوں میں تحریری مشقوں کے حوالے سے دلچسپی پیدا کرنا۔

۲۔ بچوں کو حروفِ تہجی لکھنا سکھانا۔

۳۔ بچوں کو سالم اور مخلوط الفاظ لکھنے کی مہارت دینا۔

۴۔بچوں کواملائی مشقیں کروانا۔

۵۔بچوں کونقل نویسی کی مشقیں کروانا۔

۶۔بچوں کوخوشخطی کی تربیت دینا۔

۷۔بچوں کوسبک رفتاری سے لکھنے پر قادر کرنا۔

۸۔بچوں کوذہنی مشقیں کروانا تاکہ وہ تیزی سے سوچ کر لکھ سکیں۔

۹۔بچوں میں مقابلے کی فضا قائم کرنا۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۲۷۔

لکھائی کے کھیلوں کی عملی صورت:

پڑھائی کے کھیلوں کی طرح لکھائی کے کھیلوں کے حوالے سے بھی حتمی اصول وضوابط وضع نہیں کیے جا سکتے۔ان کا دارومدار معلم کی تخلیقی صلاحیتوں پر ہے۔ذیل میں مثال کے طور پر چند کھیلوں کی وضاحت کی گئی ہے جن کے ذریعے بچوں میں لکھنے کی صلاحیتوں کو بڑھایا جاسکتا ہے:

(الف) ا۔ب۔پ کی ریس: یعنی بچوں کوحروفِ تہجی لکھنے کو کہنا اور سب سے پہلے مکمل کرنے والے کوفاتح قرار دینا۔

(ب) لفظی دوڑ: بچوں کو کسی خاص موضوع پر الفاظ لکھنے کو کہنا اور زیادہ الفاظ لکھنے والے کوفاتح قرار دینا۔

(ج) مضمون نویسی: بچوں سے کسی خاص موضوع پر مضمون لکھوانا۔

(د) خوش نویسی: بچوں کے مابین صاف لکھائی کا مقابلہ کروانا۔

اسباق نمبر:۳۹تا۴۴

عملی صورت

اسباق نمبر ۳۹ تا ۴۴(ذیلی موضوعات ۲۲۸ تا ۲۳۹) اسباق نمبر ۳۵ تا ۳۸(ذیلی موضوعات ۲۰۶ تا ۲۲۷) کی عملی صورت ہیں۔آپ جو مواد اسباق نمبر ۳۵ تا ۳۸(ذیلی موضوعات:۲۰۶ تا ۲۲۷) میں پڑھیں گے' جو کہ گذشتہ صفحات پر درج کیا گیا ہے اس کی عملی صورت ان اسباق ۳۵ تا ۳۸(ذیلی موضوعات ۲۰۶ تا ۲۲۷) میں دیکھ سکتے ہیں۔ان اسباق کی ویڈیوز آپ ضرور دیکھیں کیونکہ عملی صورت سے جو فائدہ آپ کو حاصل ہوگا وہ کسی اور صورت میں نہیں ہوسکتا۔ان ویڈیوز سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ استاد نے مختلف جماعتوں (اول' دوم' سوم' چہارم' پنجم' ششم' ہفتم' ہشتم) کی تدریس کن اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور کن سرگرمیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے' کی۔اور دوران تدریس کون سی خامیاں رہ گئی جن سے تدریسی عمل موثر ثابت نہ ہوا۔اس حصے میں نثر' نظم اور قواعد کی عملی صورت دکھائی گئی ہے۔

سبق نمبر: ۴۵۔

انشائی اسباق کی تیاری

ذیل میں پانچ مختلف جماعتوں کے لیے انشائی اسباق کی تیاری کے نمونہ جات پیش کیے گئے ہیں۔ان نمونہ جات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف انشائی اسباق کے لیے سبقی خاکہ جات ترتیب دیے جا سکتے ہیں۔

ذیلی موضوع نمبر: ۲۴۰۔

انشائی اسباق کی تیاری برائے جماعت سوم:

ابتدائی معلومات کا اندراج

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''درخواست نویسی''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- عملی ضروریات کی انجام دہی۔
- درخواست نویسی کے درست اصولوں سے آگہی

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات

- بڑوں سے اپنا کام نکلوانے کے لیے آپ کیا کرتے ہیں؟
- سکول انتظامیہ کو چھٹی کی اطلاع کیسے بھجوانی چاہیے؟
- کسی کام کی اجازت لینے کے لیے آپ کیا کرتے ہیں؟

۲۔ پیشکش:

۱۔ موضوع کا تعارف:

درخواست کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت

درخواست کے اجزا کی وضاحت

(الف) سرنامہ: درخواست لکھتے وقت سب سے پہلے وصول کنندہ (جس کے نام درخواست لکھی جا رہی ہو) کا عہدہ یا مرتبہ درج کیا جاتا ہے۔ اسے سرنامہ کہتے ہیں۔

(ب) القاب: وصول کنندہ کو مخاطب کرنے کے لیے سرنامہ کے بعد اگلی سطر کے وسط میں ''جنابِ عالی یا محترمی و مکرمی'' جیسے الفاظ آئیں گے۔ ان الفاظ کو اصطلاح میں القاب کہتے ہیں۔

(ج) نفسِ مضمون: سرنامہ اور القاب کے بعد درخواست کا اصل مقصد بیان کیا جاتا ہے۔ اسے نفسِ مضمون کہتے ہیں۔

(د) خاتمہ: آخر میں درخواست دہندہ کی تفصیلات یعنی درخواست لکھنے والے کی تفصیلات آتی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تفصیلات بائیں جانب آئیں گی۔

۳۔ عملی نمونہ کی پیش کاری:

اجزا کی وضاحت کے بعد درخواست کا عملی نمونہ دکھایا جائے گا۔

۴۔ خاکہ کی پیش کاری:

نمونے کا خاکہ:

سرنامہ:۔۔۔۔۔۔۔

القاب:۔۔۔۔۔۔۔

نفسِ مضمون:۔۔۔۔۔۔۔

اختتامیہ:۔۔۔۔۔۔۔

۵۔ مشق و اعادہ:

مختصر سوالات

- درخواست کیوں لکھی جاتی ہے؟
- درخواست کے اہم اجزا کون کون سے ہیں؟
- سرنامہ کسے کہتے ہیں؟
- نفسِ مضمون سے کیا مراد ہے؟

تفویض کار

بچے ایک یوم کی چھٹی کی درخواست لکھ کر لائیں

ذیلی موضوع نمبر:۲۴۱۔

انشائی اسباق کی تیاری برائے جماعت چہارم:

ابتدائی معلومات کا اندراج

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''کہانی نگاری''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- تخلیقیت کی رجحان سازی
- سوچنے پر ابھارنا
- تخلیقی تحریروں سے رغبت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

- کہانی کے معنی پوچھنا
- بچوں سے کوئی کہانی سننا

۲۔پیشکش:

(الف) کہانی کامفہوم:

حقیقی یاخیالی واقعات کا کڑی درکڑی بیانیہٗ اظہار کہانی کہلاتا ہے

(ب) کہانی کے مقاصد:

- بچوں کی تفریحِ طبع کی خاطر۔
- اخلاقی اسباق دینے کی خاطر۔
- کسی موضوع سے دلچسپی بڑھانے کی خاطر۔

(ج) کہانی کے اجزا کی وضاحت:

- ابتدائیہ:
- پھیلاؤ
- اختتامیہ

۳۔عملی نمونہ:

(الف) زبانی وضاحت کے بعد معروف کہانی ''پیاسا کوا'' کو بطور عملی نمونہ پیش کیا جائے گا۔

(ب) تصویر سے کہانی بنانا

یہاں کوا،سورج ،گھڑا، کنکرم اور پانی کی تصاویر کی مدد سے بچوں کو کہانی مکمل کرنی سکھائی جائے گی۔

۳۔مشق واعادہ

تفویض کار

خاکے کی مدد سے بچوں سے کہانی لکھ کرلانے کو کہا جائے گا یا تصویروں کی مدد سے کہانی لکھوائی جائے گی۔

ذیلی موضوع نمبر:۲۴۲۔

انشائی اسباق کی تیاری برائے جماعت پنجم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''خطوط نویسی''

تیاری کے مراحل:

۱۔ پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین

- پیغام رسانی کے تحریری طریقے سے آگہی
- خطوط نویسی کے اصولوں سے آگہی
- تحریری مہارت

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

بچوں سے مختصر سوالات

- آج کل کسی کو پیغام پہنچانے کے لیے کون کون سے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں؟
- خط کسے کہتے ہیں؟

۲۔ پیشکش:

(الف) موضوع کا تعارف:

خطوط نویسی کی موجودہ اہمیت پر گفتگو

(ب) خط کے اجزا کی وضاحت:

- مقامِ روانگی اور تاریخ: ِ خط میں سب سے پہلے انتہائی داہنی جانب مکتوب نگار اپنا پتہ لکھتا ہے۔ اس کے عین نیچے خط کی تاریخ لکھی جاتی ہے۔
- القاب و آداب: مکتوب الیہ کے مقام و مرتبہ اور رشتہ کے مطابق جن الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے انہیں القاب و آداب کہتے ہیں۔ مثلاً پیارے ابا جان، عزیز دوست، جانِ پدر وغیرہ۔
- نفسِ مضمون: ابتدائی معلومات اور لوازمات کے بعد خط کا با قاعدہ آغاز کیا جاتا ہے اور اس سبب پر روشنی ڈالی جاتی ہے جو خط لکھنے کا کا محرک بنا۔
- خاتمہ: خاتمہ میں اپنا تعارف کروایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے بائیں طرف مکتوب نگار مکتوب الیہ سے اپنے تعلق کی وضاحت کرتے ہیں اور پھر اپنا نام لکھتے ہیں۔
- پتہ: آخر میں مکتوب الیہ کا پتہ لکھا جاتا ہے۔

۳۔عملی نمونہ:

زبانی وضاحت کے بعد کسی خط کا عملی نمونہ پیش کیا جائے گا۔

۴۔خاکہ کی پیش کاری:

مقامِ روانگی۔۔۔۔۔۔

تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

القاب وآداب۔۔۔۔۔

نفسِ مضمون۔۔۔۔۔۔۔

خاتمہ۔۔۔۔

پتہ۔۔۔۔۔

۳۔مشق واعادہ

(الف) فوری اعادہ

بچوں سے بیان کردہ موضوع پر مختصر سوالات

(ب) تفویض کار

خاکہ کی مدد سے بچوں سے کسی موضوع پر خط لکھوانا

ذیلی موضوع نمبر: ۲۴۳۔

انشائی اسباق کی تیاری برائے جماعت ہفتم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰۰۰-۰۰-۰۰

سبق کا عنوان

''مضمون نویسی''

تیاری کے مراحل:

ا۔پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین

- تحریری اظہار پر قدرت
- خیالات کی ترتیب کا سلیقہ
- لکھائی کی مشق

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

بچوں سے موضوع کے متعلق ابتدائی سوالات

- ہم اپنی بات کس کس انداز میں کہہ سکتے ہیں؟
- آپ کو تحریری اظہار کے کون کون سے طریقوں سے آگہی ہے؟

۲۔ پیشکش:

(الف) تمہید و تعارف

کسی موضوع کے حوالے سے مرتب کی گئی مناسب طوالت کی وہ تقابلی و تجزیاتی یا توضیحی و تشریحی تحریر جس میں منطقی ترتیب قائم رکھی جائے، مضمون کہلاتی ہے۔

(ب) مضمون کے بنیادی اجزا کی وضاحت:

- ابتدائیہ یا تعارف
- وسط یا استدلالیہ
- ماحصل یا اختتامیہ

(ج) عمومی ہدایات کی وضاحت

- خاکہ سازی
- ترتیب پر توجہ
- ضرورت کے مطابق اشعار کی شمولیت
- اقوال و حوالہ جات کا اندراج
- سادگی و سلاست

۳۔ مشق و اعادہ:

(الف) فوری اعادہ:

- بچوں سے مضمون ''وقت کی پابندی'' کا خاکہ بنوانا

(ب) تفویض کار:

- اپنے بنائے ہوئے خاکے پر بچے مضمون لکھ کر لائیں

ذیلی موضوع نمبر: ۲۴۴۔

انشائی اسباق کی تیاری برائے جماعت ہشتم:

ابتدائی معلومات کا اندراج:

مضمون

اردو

تاریخ

۰۰-۰۰-۰۰۰۰

سبق کا عنوان

''مکالمہ نویسی''

تیاری کے مراحل:

ا۔ پیشگی تیاری:

(الف) مقاصد کا تعین:

- تخلیقیت کی رجحان سازی
- سوچنے پر ابھارنا
- مکالمہ نویسی کے فن سے آگہی

(ب) سابقہ معلومات کا علم:

مختصر سوالات

- بات چیت کرنے کو کیا کہتے ہیں؟
- تحریری صورت میں بات چیت کیسے کی جاتی ہے؟

ا۔ پیشکش:

(الف) تمہید و تعارف

- مکالمہ نویسی کی تعریف اور اہمیت کی وضاحت

(ب) مکالمہ نویسی کی ترتیب کی وضاحت:

- کرداروں کا تعارف
- ابتدائی منظر کا بیان
- ابتدائی مکالمات
- استدلالی مکالمات
- نکتۂ اتفاق
- اختتامی مکالمات

(ج) عمومی ہدایات کی وضاحت:

- فعل حال کا استعمال
- ہر مکالمہ کے لیے نئی سطر کا استعمال
- کیفیات کا قوسین میں بیان
- رموزِ اوقاف کا موثر استعمال
- حقیقی گفتگو کا سا انداز

۳۔ مشق و اعادہ:

(الف) عملی اعادہ:

- دو بچوں کو مہنگائی کے موضوع پر گفتگو کرنے کو کہنا
- ان کے مکالمات کو تختۂ تحریر پر مکالماتی انداز میں لکھنا

(ج) تفویض کار:

- بچوں کو اسی مکالمہ کو خود سے لکھ کر لانے کو کہنا

ذیلی موضوع نمبر: ۲۴۵۔

انشائی اسباق کی تیاری: مجموعی جائزہ:

گزشتہ اوراق میں ابتدائی سطح کی پانچ مختلف جماعتوں کے لیے انشائی اسباق کی تیاری کے خاکہ جات پیش کیے گئے۔ ان مختلف خاکوں میں جماعت سوم کے لیے درخواست نویسی، جماعت چہارم کے لیے کہانی نگاری، جماعت پنجم کے لیے خطوط نگاری، جماعت ہفتم کے لیے مضمون نویسی اور جماعت ہشتم کے لیے مکالمہ نگاری جیسے اسباق شامل تھے۔

ان نمونہ جاتی خاکوں کی بدولت انشائی اسباق کی تیاری کے دیگر خاکے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

بنیادی سانچا: